باب ہفتم

اقبال کے کلام میں شعرائے مشرق ومغرب کا ذکر

اسرارِ خودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

باز بر خوانم ز فیضِ پیرِ روم
دفترِ سر بستہ اسرارِ علوم

(ص ۱۲/۲۸)

"پیرِ روم":- آپ کا نام محمد اور لقب جلال الدین تھا-والد کا نام بہاء الدین تھا جو سلطان العلماء کے نام سے مشہور تھے-آپ کا مولد بلخ تھا-۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ (۳۰ ستمبر ۱۲۰۷ء) آپ کی تاریخِ ولادت ہے-رومی نے ابتدا میں تعلیم اپنے والد سے حاصل کی پھر دیگر اساتذہ کی طرف رجوع ہوئے-آپ نے حصول علم کے لیے مختلف مقامات کے سفر کیے-۱۸ سال کی عمر میں تکمیل کا درجہ حاصل کیا- جب شمس تبریزی جو بابا کمال الدین کے خلیفہ تھے، اپنے پیر کے ایما سے قونیہ جا کر مولانا رومی سے ملے تو مولانا نے ان سے فیض حاصل کیا-اس سے پہلے مولانا پر علوم ظاہری کا رنگ غالب تھا، اس کے بعد ان اشغال میں کمی آ گئی اور شمس تبریز کی صحبت کے سوا کوئی شے ان کو بھلی نہ معلوم ہوتی تھی- اب محویت اور استغراق کا غلبہ ہو گیا- کئی کئی دن بلا خورد ونوش ،سماع کی کیفیت میں گذر جاتے- بالآخر ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ (۱۷ ستمبر ۱۲۸۳ء) کو بمقام قونیہ انتقال کیا-رومی کا دیوان، خطوط کا مجموعہ اور مثنوی ان کی زندۂ جاوید تصانیف ہیں-مثنوی کی مقبولیت کا کچھ اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کو "ہست قرآں درزبان پہلوی" کہا گیا ہے-مثنوی کے مختلف زبانوں میں ترجمے بھی ملتے ہیں جو اس کے قبولِ عام کا بین ثبوت ہیں-اقبال کو رومی سے والہانہ عقیدت تھی اس لیے وہ کہیں ان کو پیر رومی اور کسی جگہ مرشد رومی کہتے ہیں-[1]

ذرہ کشت و آفتاب انبار کرد

خرمن از صد رومی و عطار کرد

(ص ۳۱/۱۸)

''عطار'':- اصلی نام محمد، لقب فرید الدین اور عطار تخلص تھا جو دوا سازی کے پیشے کی نسبت سے اختیار کیا تھا- آپ بمقام شادیاغ جو نیشا پور کا ایک گاؤں ہے، ۵۱۳ھ (۱۱۱۹ء) میں پیدا ہوئے- آپ کا شمار اکابر صوفیہ میں ہے- معرفت اور تصوف میں بہت سی تصانیف ہیں- آپ نے طویل عمر پائی- نیشا پور کے قتل عام میں جو چنگیز خان کے حکم سے ہوا تھا، ۲۶ اپریل ۱۲۳۰ء کو شہید ہوئے- عطار کی چند مشہور مثنویوں کے نام یہ ہیں: پندنامہ، الٰہی نامہ، مصیبت نامہ اور منطق الطیر - ان کے علاوہ نثر میں تذکرۃ الاولیاء بھی عطار کی تصنیف ہے- عطار فارسی کے ممتاز شعراء میں سے ہیں- رومی جیسا شاعر و صوفی ان کے کمال شاعری کا معترف ہے: رومی کے صاحبزادے سلطان فرماتے ہیں

ما از پے سنائی و عطار آمدیم ۲-

⁂

کشتۂ انداز ملّا جامیم

نظم و نثر او علاج خامیم

(ص ۴۱/۲۵)

''جامی'':- نورالدین عبدالرحمٰن جامی، فارسی کے مشہور صوفی شاعر تھے- ولادت ۲۲ شعبان ۸۱۷ھ (۷ نومبر ۱۴۱۴ء) کو ہرات کے قریب موضع جام میں واقع ہوئی- اسی مناسبت سے انہوں نے اپنا تخلص جامی رکھا- جامی نہایت خوش خلق اور شریف الطبع انسان تھے- ان کی وسعت معلومات کا حال یہ تھا کہ اس زمانے میں کوئی دوسرا عالم ان کا مدمقابل نہ تھا- سلطان ابوسعید مرزا سے ان کے تعلقات نہایت دوستانہ تھے جو اس کے مرتے دم تک قائم رہے- جامی کثیر التصانیف تھے- ان کو بیک وقت فارسی نظم و نثر پر بڑی قدرت تھی اور اس کے ساتھ وہ عربی کے ایک جید عالم تھے- جامی کی بعض مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں۔ ہفت اورنگ (سات مثنویاں) اور کلیات قصائد و غزلیات۔ ان کے علاوہ نفحات الانس، بہارستان، لوائح جامی، شواہد النبوۃ اور شرح ملا جامی مقبول عام ہیں- تاریخ وفات ۱۸ محرم ۸۹۱ھ (۹ نومبر ۱۴۹۲ء) ہے- ۳

⁂

خسرو شیریں زباں ، رنگیں بیاں

نغمہ ہائش از ضمیر کن فکاں

(ص۲۹/۴۵)

''خسروؔ:- خواجہ ابوالحسن امیر خسرو برصغیر کے نہایت مشہور صوفی شاعر تھے- ان کا لقب طوطیِ ہند تھا- انہوں نے بہت سے سلاطینِ دہلی کے ہاں ملازمت کی اور درباری شاعر رہے- ان کے والد امیر سیف الدین لاچین قوم کے ترک تھے جو بلخ سے برصغیر آئے تھے- امیر خسرو پٹیالی ضلع ایٹہ میں ۱۲۵۳ء میں پیدا ہوئے- آٹھ سال کی عمر میں سایۂ پدری سر سے اٹھ گیا- تربیت و تعلیم ان کے نانا عماد الملک نے کی- ۹ سال کی عمر میں شاعری شروع کر دی تھی- ان کے کلام میں ایک خاص قسم کا سوز و گداز پایا جاتا ہے- یہ سب کچھ ان کے پیر محبوب الٰہی نظام الدین اولیاؒ کی دعا کا اثر تھا- امیر خسرو کو اپنے پیر سے بڑی عقیدت تھی اور پیر بھی بدرجہ غایت ان سے محبت کرتے تھے- امیر خسرو کا انتقال ستمبر ۱۳۲۵ء میں ہوا اور محبوب الٰہی کے مزار کے قریب دہلی میں دفن ہوئے- ان کی بعض مشہور تصانیف یہ ہیں: غرۃ الکمال، ہشت بہشت، آئینہ سکندری، اعجازِ خسروی، خزائن الفتوح، لیلیٰ مجنوں، مطلع الانوار، قران السعدین، نہ سپہر، شیریں خسرو اور تغلق نامہ- امیر خسرو کی بعض تصانیف کا دوسری زبانوں میں ترجمہ بھی کیا جا چکا ہے- وہ اپنی نادر الکلامی کی وجہ سے اردو اور فارسی شاعری میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں-[۴]

''خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں''

(ص۵۳/۶۹)

یہ شعر رومی کا ہے- (دفتر اوّل، ص۵، مثنوی معنوی، رمضانی)

''در درونم سنگ و اندر سنگ نار
آب را بر نارِ من نبود گذار''

(ص۵۹/۷۵)

رومی کا اصل شعر یوں ہے:

سنگ و آہن در دروں دارند نار
آب را بر نارِ شاں نبود گذار

(دفتر اول، ص۱۸، رمضانی)

چیست یاراں بعد از تدبیرِ ما
رخ سوئے میخانہ دارد پیرِ ما
(ص۶۸/۸۴)

یہ شعر خواجہ حافظ کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:
(ص۳۴، دیوانِ حافظ، مترجم قاضی سجاد، مشتاق بک کارنر، لاہور)

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما
چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما

"ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
از درونِ من نجست اسرارِ من"
(ص۷۴/۹۰)

یہ شعر رومی کا ہے۔ (دفتر اوّل، ص۲، رمضانی)

حوالہ کتب

۱۔ شبلی، سوانح مولوی روم۔
+ آقای دکتر رضازادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، ص۱۲۱-۱۳۷

E.G. Browne-A Literary History of Persia. vol ii pp 515-525

+

۲- شبلی، شعرالعجم، ج ۲، ص ۸-۱۶

E.G. Browne-A Literary History of Persia. vol ii pp 507-514

+

۳- آقای دکتر رضازاده شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، ص ۳۲۰-۳۲۸

E.G. Browne-A Literary History of Persia. vol iii pp 507-548

+

۴- شبلی، بیان خسرو-

+ شبلی، شعرالعجم، ج ۲، ص ۱۰۷-۱۹۵-

+ آقای دکتر رضازاده شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، ص ۲۸۹-۲۹۲

Professor Muhammad Habib - Hazrat Amir Khusrou of Delhi. +

رموزِ بےخودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

اے تماشا گاہِ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا می روی

(ص ۷۹/۹۵)

یہ شعر سعدی کا ہے۔ (شبلی نعمانی، شعر العجم، ص ۴۹، حصہ دوم، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۷ء)

باز خوانم قصۂ پارینہ ات
تازہ سازم داغہائے سینہ ات

(ص ۸۱/۹۷)

اس شعر کا مضمون مندرجہ ذیل شعر سے لیا گیا ہے:

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہ گاہے بازخواں ایں قصۂ پارینہ را

"نکتہ ہا چوں تیغِ پولاد است تیز
گر نمی فہمی ز پیش ما گریز"

(ص ۸۵/۱۰۱)

یہ شعر رومی کے ہاں اس طرح ہے:

نکتہ ہا چوں تیغِ فولاد است تیز
گر نداری تو سپر واپس گریز

(دفتر اول، ص ۱۶، رمضانی)

منتش در حرزِ دیوارِ حرم
نعرہ زن مانندِ شیراں در اجم

(ص ۱۱۳/۹۷)

یہ شعر قصیدہ بردہ کے مندرجہ ذیل شعر (۱۳۸) سے ماخوذ ہے:

احــــلّ اُمّتــــــه، فــــی حــــرزِ مــــلّتــــــه
کــــالــــلّیــــث حــــلّ مــــع الاشبــــال فــــی اجــــم

یعنی یہ کہ رسول کریمؐ نے اپنی قوم کو اپنے دین کے مضبوط قلعے میں اتارا جیسے شیر اپنے بچوں کو ساتھ لے کر اپنی کچھار میں فروکش ہوتا ہے۔

❁

رونق از ما محفلِ ایام را
او رُسل را ختم و ما اقوام را

(ص ۱۱۴/۹۸)

یہ شعر قصیدہ بردہ کے اس شعر (۱۱۸) سے ماخوذ ہے:

لــــمــــا دعــــا اللّٰــــه داعیــــنــــا لــــطــــاعة
بــــاکــــرم الــــرســــل کــــنّــــا اکــــرم الامــــم

مطلب یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول کریمؐ کو جو ہمیں اللہ کی اطاعت کی طرف بلاتے ہیں، سب رسولوں کا سردار کہہ کر پکارا تو ہم (قدرتی طور پر) سب قوموں کے سردار ہوئے۔

❁

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الٰہ گردیدہ است

(ص ۱۲۱/۱۰۵)

"بنائے لا الٰہ"۔ اشارہ اس مشہور رباعی کی طرف ہے:

شاہ است حسین و پادشاہ است حسین
دین است حسین و دیں پناہ است حسین
سرداد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

❁

پیشِ پیغمبر چو کعب پاک زاد
ہدیہ ای آورد از بانت سعاد
در ثنایش گوہرِ شب تاب سفت
سیفِ مسلول از سیوف الہند گفت

(ص ۱۰۷/۱۲۳)

"کعب":- کعبؓ بن زہیر عرب کے مشہور شاعر، رسول اکرم ﷺ کو اپنے کلام سے بہت ایذا دیا کرتے تھے- فتح مکہ کے بعد مکے سے بھاگ کر طائف چلے گئے تھے- وہاں سے قصیدہ بانت سعاد لکھ کر رسول کریم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی پچھلی غلطیوں کی معافی مانگی- آپؐ نے کعبؓ کو معاف کر دیا اور قصیدے کے صلے میں اپنی چادر مبارک عطا فرمائی- اس قصیدے میں کعبؓ بن زہیر نے رسول اکرم ﷺ کو برصغیر کی تلواروں میں سے ایک کھنچی ہوئی تلوار سے تشبیہہ دی- چونکہ رسول کریم ﷺ اپنی ذات کو کسی خاص ملک سے وابستہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے کیونکہ آپؐ ساری دنیا کے ہادی ہیں اس لیے آپؐ نے کعب سے ارشاد فرمایا کہ سیف من سیوف الہند کے بجائے "سیف من سیوف اللہ" کہو- قصیدہ بانت سعاد حضور اکرمؐ کے روبرو اور صحابہؓ کی موجودگی میں پڑھا گیا تھا- یہ قصیدہ رسول کریمؐ کو بہت پسند آیا- اس قصیدے میں ۵۷ اشعار ہیں- اس کی مختلف زبانوں میں شرحیں بھی موجود ہیں- کعبؓ بن زہیر صاحبِ دیوان اور بڑے پرگو شاعر تھے- ابن عبدالبر نے اپنی کتاب الاستیعاب میں کعبؓ کی پرگوئی کا ذکر کیا ہے- قصیدۂ بانت سعاد اس طرح شروع ہوتا ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول
متیم اثرھا لم یفد مکبول[1]

(میری محبوبہ) سعاد مجھ سے جدا ہو گئی، اس لیے میرا دل آج ہر قسم کی خوشی سے محروم ہے- اس کی جدائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں اس غلام کے مانند ہوں جو ذلیل و خوار ہو اور اس کا فدیہ کسی نے ادا نہ کیا ہو-[1]

❁

آتش از شعرِ عراقی در دلش
در نمی سازد بقرآں محفلش

(ص ۱۱۷/۱۳۳)

"عراقی":- پورا نام شیخ فخر الدین ابراہیم ہے- ہمدان کے نواح میں پیدا ہوئے- صغر سنی میں قرآن حفظ کیا-

ہمدان کے لوگ ان کی خوش گلوئی پر فریفتہ تھے۔ ۱۷ سال کی عمر میں ہمدان کے مدرسے سے معقولات و منقولات پڑھ کر فارغ ہوئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ ہمدان سے بغداد آئے اور شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں رہ کر روحانی تعلیم پائی اور ان سے شرف بیعت حاصل کیا اور ان کے پاس برسوں عبادت و ریاضت کرتے رہے۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے اسی مدت میں ان کو عراقی تخلص عطا فرمایا اور برصغیر پاک و ہند جانے کا حکم دیا۔ یہاں پہنچ کر وہ شیخ بہاء الدین زکریاؒ کی خدمت میں ملتان آئے اور ان کے فیضِ صحبت سے روحانی اور باطنی دولت حاصل کی۔ وفات کے وقت عمر ۸۸ سال کی تھی۔ میخانہ اور نفحات الانس میں سال وفات ۶۸۸ھ (۱۲۸۹ء) درج ہے۔ عراقی کی تصانیف میں لمعات کے علاوہ ایک مثنوی اور ایک دیوان بھی ہے۔ مثنوی کا نام "عشاق نامہ" ہے۔ ان کا شمار فارسی کے مشہور شعرا میں ہے۔[۲]

❁

حرف	چوں	طائر	بہ	پرواز	آورد
نغمہ	را	بے	زخمہ	از	ساز	آورد

(ص ۱۳۶/۱۵۲)

غالب کا اصل شعر اس طرح ہے جو اس نے انگریزوں کی تعریف میں کہا ہے:

نغمہ ہا بے زخمہ از ساز آورند
حرف چوں طائر بہ پرواز آورند[۳]

❁

"نورِ حق را کس نجوید زاد و بود
خلعتِ حق را چہ حاجت تار و پود"

(ص ۱۵۳/۱۶۹)

یہ شعر رومی کا ہے۔ (دفتر چہارم، ص ۲۳۲، رمضانی)

❁

اے بُصیری را ردا بخشندہ
بربطِ سلما مرا بخشندہ

(ص ۱۵۷/۱۷۳)

"بُصیری" ۔ بصیری کا پورا نام شرف الدین ابوعبداللہ ابن سعید الصنہاجی المعروف بہ البوصیری ہے۔ بوصیر

مصر میں ایک بستی ہے، وہاں پیدا ہوئے اسی لیے بوصیری یا بصیری کہلاتے ہیں۔ بعض ان کا وطن دلاص بتاتے ہیں اسی لیے ان کو دلاصی بھی کہا جاتا ہے۔ بصیری نے مرض فالج کی حالت میں ایک قصیدہ الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ کے نام سے لکھا جو رسول کریم کی مدح میں تھا۔ آنحضرت بصیری کے پاس عالمِ رؤیا میں تشریف لائے اور ان کو اپنی چادر سے ڈھانپ لیا جس کی برکت سے بصیری نے فالج کے مرض سے شفا پائی، اور اسی لیے اس قصیدے کا نام بردہ پڑا کہ چادر کو عربی میں بردہ کہتے ہیں۔ قصیدہ بردہ ۱۶۲ اشعار پر مشتمل ہے۔ بصیریؒ نے کئی اور قصیدے بھی لکھے ہیں لیکن سب سے زیادہ شہرت قصیدہ بردہ ہی کو ملی اور اس قصیدے کی ۹۰ سے زیادہ شرحیں لکھی گئیں۔ قصیدۂ مذکور کا پہلا شعر یہ ہے:

امن تذکر جیران بذی سلم

مزجت دمعا جری من مقلة بدم

کیا ذی سلم کے پڑوسیوں کی یاد میں تیرے گوشۂ چشم سے خون کے آنسو بہ رہے ہیں؟

بصیریؒ کے حالاتِ زندگی بہت کم معلوم ہیں۔ صوفی ابو العباس احمد المصری کے درس میں بصیریؒ شریک ہوا کرتے تھے۔ علمِ حدیث میں انہوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ بصیریؒ یکم شوال ۶۰۸ھ (۷ مارچ ۱۲۱۲ء) کو بمقام بوصیر پیدا ہوئے۔ ان کی تاریخ وفات میں بڑا اختلاف ہے۔ سیوطیؒ ۶۹۵ھ (۱۲۹۵/۹۶ء) بتاتے ہیں۔ مقریزی اور ابن شاکر ۶۹۶ھ۔ (۹۷-۱۲۹۶ء) کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک ۶۹۴ھ (۹۵-۱۲۹۴ء) ہے[۴]

۔

حوالہ کتب

۱۔ یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، ص ۱۵۶۲۔

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، ص ۵۸۴

۲۔ شبلی۔ شعر العجم، ج ۵۔ ص ۱۲۸،

+ سید صباح الدین عبد الرحمٰن بزم صوفیہ ص ۱۵۳-۱۷۰

E.G. Browne, A Literary History of Persia. vol iii, pp 124-139

+

۳۔ کلیاتِ غالب فارسی، مطبوعہ نول کشور، لکھنو، ص ۱۱۰

۴- یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ ص ۶۰۴-۶۰۵-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۸۰۴

\+ Philip K. Hitti, History of the Arabs, pp.689-690

پیامِ مشرق

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۸۳ء)

او چو بلبل در چمن "فردوسِ گوش"
من بصحرا چوں جرس گرمِ خروش
(ص ۲۲/۱۹۸)

"فردوسِ گوش": - یہ ترکیب غالب کے مندرجہ ذیل شعر سے لی گئی ہے: (دیوان غالب اردو، ص ۱۳۸، مطبوعات مجلس یادگارِ غالب، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۶۹ء)

لطفِ خرامِ ساقی و ذوقِ صدائے چنگ
یہ جنتِ نگاہ، وہ فردوسِ گوش ہے

❁

تو اے کودکِ منش خود را ادب کن!
مسلماں زادہ ای، ترکِ نسب کن!
برنگِ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازد، اگر ترکِ عرب کن!
(ص ۴۷/۲۲۳)

"ترکِ نسب": - یہ ترکیب جامیؒ کے حسب ذیل شعر سے ماخوذ ہے: (دیوان کامل جامی، ص ۲۵۷، چاپ خانہ پیروز، ۱۳۴۱ دوش)

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کو جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

اسی مضمون کو کبیر نے یوں ادا کیا ہے:

جات پات پوچھے نا کوئے
ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے

عجم از نغمہ ام آتش بجان است
صدائے من درائے کاروان است
حدی را تیز تر خوانم چو عرفی
کہ رہ خوابیدہ و محمل گراں است

(ص۵۹/۲۳۵)

عرفی کا شعر یہ ہے: (کلیات عرفی شیرازی، ص۲۱۶، چاپ خانہ محمد علی علمی، تہران)

نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کمیابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

''عرفی'':- جمال الدین نام، عرفی تخلص، وطن شیراز- فارسی کا مشہور شاعر تھا- وہ وطن سے آگرے آیا، جہاں کئی سال تک حکیم ابوالفتح گیلانی کا مصاحب رہا- ۱۵۸۹ء میں عبدالرحیم خان خاناں نے اس کو شہنشاہ اکبر کے دربار میں پیش کیا- دو سال بعد ۱۵۹۱ء میں ۳۶ سال کی عمر پا کر لاہور میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوا- بعد ازاں اس کی ہڈیاں صابر اصفہانی نے نجف بھیج دیں کیونکہ عرفی وہیں دفن ہونا چاہتا تھا اور اس کی یہ خواہش اس کے ایک قصیدے کے ایک شعر سے ظاہر ہوتی ہے- اس کی چند تصانیف ہیں مگر قصائد اور دیوان بہت مشہور ہیں - عرفی کے ہاں خیالات میں بلندی اور طرز بیاں میں بڑا زور پایا جاتا ہے-[۱]

باوراق سینا نشیمن گرفتم
لبے دیدم از نسخۂ فاریابی

(ص۸۴/۲۶۰)

''فاریابی'':- ابوالفضل طاہر بن محمد ظہیر الدین فاریابی بلخ کے ایک قصبہ فاراب میں پیدا ہوا- وہ جوانی ہی سے شعر و ادب اور تحصیل علم کا شائق تھا- اس نے علم نجوم میں بڑی مہارت پیدا کی- نیشا پور، مازندران اور

آذربائیجان کی سیاحت کی۔ اپنے زمانے کے امرا و سلاطین کی مدح سرائی کیا کرتا تھا۔ اس کے قصائد استادانہ ہیں لیکن وہ انوری اور خاقانی کے ہم پلہ نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کے بعض قطعات خوب ہیں۔ وہ صاحب دیوان شاعر تھا۔ اس نے آخر عمر میں قصیدہ گوئی ترک کر دی تھی۔ اس کا انتقال تبریز میں ۵۰۸ھ (۱۲۰۱ء) میں ہوا۔۲

دراصل یہاں فاریابی کے بجائے فارابی کا ذکر ہونا چاہیے۔ اقبال غالباً ضرورتِ شعری کی بنا پر یہاں فاریابی کا لفظ لے آئے ہیں۔

❁

"یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید
خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائے کہ دریاست من کیستم
گر او ہست حقا کہ من نیستم"

(ص۹۲/۲۶۸)

یہ اشعار سعدی کے ہیں۔(کلیات سعدی، ص۲۹۷، محمد علی فروغی، انتشارات امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۵)

❁

زندگی و عمل

(ص۱۰۴/۲۸۰)

(درجواب نظم ہائنہ موسوم بہ "سوالات")

"ہائنے":۔ گوئٹے اور شلر کے بعد جرمن ادبیات کی مشہور ترین شخصیت (Heinrich Heine) حائنرش حائنے ۱۳ دسمبر ۱۷۹۷ء کو پیدا ہوا۔ بچپن میں اسے نپولین اور اس کے ساتھیوں کے حالات سے بڑی دلچسپی تھی۔ ۱۸۱۵ء میں اس کو فرینک فرٹ، بنکنگ کی تعلیم کے لیے بھیجا گیا لیکن اس نے اسے فوراً ہی ترک کر دیا کیونکہ اسے تعلیم سے دلچسپی نہ تھی۔ بعد ازاں اس نے تجارت شروع کی، اس میں بھی ناکام رہا۔ اسی اثنا میں اس کو اپنے مالدار چچا کی لڑکی سے عشق ہو گیا۔ اس لڑکی کے تغافل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہائنے شعری تخلیق کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ۱۸۱۹ء میں اس کے چچا نے اس کو بون یونیورسٹی میں تعلیم کے لیے بھیجا۔ وہاں اور اس کے بعد برلن اور گوٹنجن میں اس نے قانون کا مطالعہ کیا اور ۱۸۲۵ء میں گوٹنجن سے قانون میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ لیکن اس کی طبیعت شاعری کی طرف زیادہ مائل تھی۔ ہائنے کے بہت سے نغمے جرمن قوم کو بڑے عزیز ہیں۔ Das

Buch der Lieder اور Reisebilder ہائنے کے شاہکار ہیں - اس کی تمام تصنیفات ہنگامی ہیں، لیکن ان دو نظموں میں دوامی اقدار بھی پائی جاتی ہیں جنہیں مدت العمر بھلایا نہیں جا سکتا - اس کو نظم اور نثر دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی - گو وہ مذہب سے تمسخر کرتا تھا، تاہم اس کے دل میں بائبل کی بڑی قدر تھی - اس کے تعلقات پیرس کے چوٹی کے ادیبوں سے تھے - ۱۷ فروری ۱۸۵۶ء کو اس نے انتقال کیا -۳

۞

غنی آں سخن گوئے بلبل صفیر
نوا سنجِ کشمیرِ مینو نظیر

(ص ۲۸۶/۱۱۰)

''غنی'':- مرزا محمد طاہر نام، غنی تخلص تھا - اس کا وطن کشمیر تھا - فارسی ادب میں غنی کشمیری کے نام سے مشہور ہے - شیخ محسن فانی کے ارشد تلامذہ میں تھا - غنی کی شہرت اس کے دیوان سے ہے - ۱۶۶۸ء میں غنی کا انتقال ہوا - اس وقت اس کے استاد محسن فانی زندہ تھے - غنی انتقال کے وقت جوان تھا اور اس کی شاعری عروج پر تھی - کبھی کبھی طاہر بھی تخلص کرتا تھا -

غنی کے ہاں تکلف و تصنع کا رنگ نمایاں ہے - یہ ایک خاص طرز کا ترجمان تھا - اس کے اشعار سمجھنے کے لیے ذہن پر بڑا زور ڈالنا پڑتا ہے - غنی کی دوسری خصوصیت ''مثالیہ نگاری'' ہے - شبلی لکھتے ہیں: ''مثالیہ مضمون پہلے بھی خال خال پائے جاتے تھے لیکن کلیم، مرزا صائب اور غنی نے گویا اس کو ایک خاص فن بنا دیا - چونکہ یہ تینوں شاعر کشمیر میں مدت تک ہم قدم و ہم قلم رہے تھے اور باہم مشاعرے رہتے تھے، اس لیے قیاس یہ ہے کہ ہم صحبتی کے اثر نے اس طرز کو مشترک جولانگاہ بنا دیا - علی قلی سلیم بھی مثالیہ میں کمال رکھتا ہے اور اس کی وجہ بھی شاید یہی ہو کہ سلیم بھی یہیں مدفون ہے - غنی کے ہاں مثالیہ میں سب سے زیادہ غلو ملتا ہے'' -

غنی اور صائب کی ملاقات ہوئی تو غنی نے اپنا حسب ذیل شعر پڑھا - صائب اس شعر پر دیوان قربان کرنے کو تیار تھا -۴

حسنِ سبزے بہ خطِ سبز مرا کرد اسیر
دام ہم رنگ زمیں بود گرفتار شدم

۞

بملکِ جم نہ دہم مصرع نظیری را
''کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست''

(ص۱۲۶/۳۰۲)

نظیری کا پورا شعر یوں ہے:(دیوان نظیری نیشاپوری، از مظاہر مصفا،ص۷۳، کتابخانہ ہائے امیر کبیر وزوّار)

گریزد از صفِ ما، ہر کہ مردِ غوغا نیست
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

''نظیری:'- محمد حسین نام،نظیری تخلص اور نیشاپور وطن تھا-فارسی کا مسلم الثبوت شاعر مانا جاتا ہے-اپنے وطن سے برصغیر پاک و ہند چلا آیا تھا-عبد الرحیم خان خاناں اس کا مربی تھا۔ نظیری ۱۶۰۲ء میں حج کو گیا اور واپس آ کر پھر خانِ خاناں کی سرکار سے منسلک ہو کر احمد آباد میں رہنے لگا- وہیں ۱۶۱۳ء میں انتقال کیا- اس نے فارسی دیوان یادگار چھوڑا-

نظیری کا اصل میدان غزل ہے- اس کے کلام میں حافظ یا خسرو کا سوز و گداز اور جذبات کی فراوانی نہیں- اس کی توجہ لفظوں کے انتخاب اور ترکیبوں کی تراش خراش پر زیادہ رہتی تھی- نظیری اس طرز تغزل کا امام ہے- نازک خیالات اور واردات عشق کا لطیف بیان اس کی خصوصیات میں ہیں-۵

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ

(ص۱۳۰/۳۰۶)

یہ شعر مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:

بزیر کنگرۂ کبریا اش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

شعلۂ در گیر زد بر خس و خاشاکِ من
مرشدِ رومی کہ گفت ''منزل ما کبریا است''

(ص۱۳۳/۳۰۹)

''منزل ما کبریا است''-یہ ٹکڑا مندرجہ ذیل شعر سے لیا گیا ہے:

ما ز فلک بر تریم وز ملک افزوں تریم
زیں دو چرا نگذریم منزل ما کبریا است

بیا بہ مجلس اقبال و یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نتراشد قلندری داند
(ص ۱۳۶/۳۱۲)

مصرع ثانی حافظ کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو اینجاست
نہ ہر کہ سر بہ تراشد قلندری داند
(ص ۲۰۸، دیوانِ حافظ، قاضی سجاد)

"مژدہ صبح دریں تیرہ شبانم دادند
شمع کشتند و ز خورشید نشانم دادند"
(ص ۱۴۹/۳۲۵)

یہ شعر غالب کا ہے۔ (کلیات غالب فارسی، ص ۱۳۶، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۷ء)

خیال او چہ پریخانہ بنا کرد است
شباب غش کند از جلوۂ ا ب بامش
(ص ۱۵۲/۳۲۸)

اس شعر میں انگریزی کے مشہور شاعر بائرن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"بائرن":۔ جارج گارڈن بائرن (George Gordon Byron) انگلستان کا مشہور شاعر ۲۲ جنوری ۱۷۸۸ء کو لندن میں پیدا ہوا۔ وہ ایک دولت مند خاندان کا فرد تھا۔ اس نے ہیرو اور کیمبرج میں تعلیم حاصل کی۔ بائرن نے کثرت سے اشعار لکھے اور متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ انگریز نقادوں نے اس کو صف اول کا شاعر مانا ہے۔ اس کے ہاں زورِ بیان کی فراوانی ہے۔ بائرن کا انتقال ۱۹ اپریل ۱۸۲۴ء کو ہوا۔ اس کی دو مشہور نظموں کے نام The Dream اور Darkness ہیں۔ اس نے اپنی ایک نظم سے تمام یورپ کو ترکی کے خلاف یونانیوں کی حمایت کے لیے جنگ پر آمادہ کر دیا تھا۔[۶]

بنوائے خود گم استی سخنِ تو ، مرقدِ تو
بہ زمیں نہ باز رفتی کہ تو از زمیں نہ بودی
(ص ۱۵۴/۳۳۰)

اس شعر میں پٹوفی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

''پٹوفی'':۔سینڈر پٹوفی (Sandor Petofi) ہنگری کا جواں مرگ شاعر کیم جنوری ۱۸۲۳ء کو پیدا ہوا۔ اس نے اپنی زندگی میں مختلف پیشے اختیار کیے۔ پہلے وہ ایکٹر بنا، اس کے بعد سپاہی اور سب سے آخر میں ادبی کام میں منہمک ہوا۔ ۱۸۴۴ء میں بحیثیت شاعر اس کی خاصی شہرت ہو چکی تھی۔ ۱۸۴۸ء میں پٹوفی نے انقلابی مہم میں حصہ لیا اور بڑی تعداد میں رزمیہ اشعار لکھے۔ پٹوفی سے قبل پند و نصیحت بہت تھی، اس نے ہنگری کی شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ ۳۱ جولائی ۱۸۴۹ء کو جنگ میں کام آیا۔ ۷

❁

''بنی آدم اعضائے یک دیگر اند''
ہماں نخل را شاخ و برگ و بر اند
(ص ۱۵۴/۳۳۰)

پہلا مصرع سعدی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے: (ص ۴۷)

بنی آدم اعضائے یک دیگر اند
کہ در آفرینش ز یک جوہر اند

❁

طائرِ عقلِ فلک پرواز او دانی کہ چیست؟
'' ما کیاں کز زورِ مستی خایہ گیرد بے خروس''
(ص ۱۵۶/۳۳۲)

مصرع ثانی دہقان علی شطرنجی کے قطعۂ ذیل سے لیا گیا ہے:

اے برادر گر عروسِ خوبت آبستن شدہ است
اندریں مدت کہ بودی غائب از نزدِ عروس
بر عروست بدگماں گشتن نباید بہر آنکہ
ماکیاں چوں نیک باشد خایہ گیرد بے خروس ۸

۞

بے پشت بود بادۂ سر جوشِ زندگی
آب از خضر بگیرم و در ساغر افگنم
(ص۱۵۹/۳۳۵)

اقبال نے اس شعر میں براؤننگ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

"براؤننگ":۔ رابرٹ براؤننگ (Robert Browning) انگلستان کا مشہور شاعر ۷ مئی ۱۸۱۲ء کو بمقام کیمبر ویل پیدا ہوا۔ اس نے ۱۹ سال کی عمر میں ایک ڈرامائی نظم 'Pauline' لکھی جو ۱۸۳۳ء میں شائع ہوئی۔ براؤننگ نے ایک اور نظم 'Paracelsus' لکھی جس سے اس کی صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا تھا۔ اس کی مقبول عام دو نظموں کے نام یہ ہیں: The Pied Piper of Hamelin اور How they Brought the Good News from Ghent to Aix
۱۸۵۰ء میں براؤننگ نے اپنے بہترین کارنامے پیش کیے جن کے نام یہ ہیں: (1) Fra Lippo (2) Childe Roland (3) Andrea del Sarto (4) Evelyn Hope (5) Holy Cross Day (6) Up at a Villa.
۱۸۶۹ء میں اس نے اپنا شاہکار The Ring and the Book پیش کیا۔ اس نے ایک نظم Rabbi ben Ezra بھی لکھی جس میں موسیقی، فلسفہ اور ابدی زندگی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ براؤننگ کے ہاں یہ خصوصیات بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں، ڈرامائی اسلوب کا نباہنا، فطرت انسانی کی بوقلمونیوں پر روشنی ڈالنا اور بالغ نظر مبصر ہونا۔ ۱۲ دسمبر ۱۸۸۹ء کو طویل عمر پا کر اس نے وینس میں انتقال کیا۔ ۹

۞

کے تواند گفت شرحِ کارزارِ زندگی
"می پرد رنگش ، حبابے چوں بدریا بشکند"
(ص۱۶۶/۳۴۲)

مصرع ثانی سرخوش کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

کے توانم دید زاہد جامِ صہبا بشکند
می پرد رنگم حبابے گر بدریا بشکند۔ ۱۰

حوالہ کتب

۱- شبلی-شعر العجم، ج ۳، ص ۸۳-۱۳۳،-

\+ آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران ص ۳۴۶-۳۴۷-

\+ E.G. Browne-A Literary History of Persia. vol iv pp 24-249

۲- آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، ص، ۹۷-۹۸-

۳- Chambers's Encyclopaedia vol. v. pp. 622-623

\+ مولانا آزاد بلگرامی، سرو آزاد، ص ۱۰۳-

\+ شیخ محمد اکرام، ارمغان پاک، ص ۴-

۴- Dr. G.M.D. Sufi, Kashmir- Being the Cultural History of Kashmir as Influenced by Islam, pp.210-220. +

۵- شبلی-شعر العجم، ج ۳، ص ۱۳۴-۱۶۴-

\+ سید صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم تیموریہ، ص ۱۰۲-۱۰۳-

\+ شیخ محمد اکرام، ارمغان پاک، ص ع-

۶- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۴، ص ۴۷۸-۴۸۵، طبع چہاردہم-

۷- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۷، ص ۶۵۸-

۸- محمد عوفی، لباب الالباب، ج ۲، ص ۲۰۶، مطبوعہ بریل، لیڈن ۱۹۰۳ء-

۹- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۴، ص ۲۷۵-۲۷۹-

۱۰- محمد افضل سرخوش، کلیات الشعرا، ص ۲ (مطبوعہ مبارک علی لاہور ۱۹۴۲ء)-

مرزا غالب

(ص ۳۹/۵۵)

''غالب'':- مرزا اسداللہ خان غالب ۱۷۹۷ء میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے- اقبال نے غالب کی خصوصیاتِ شاعری پر جو تبصرہ کیا ہے، وہ مختصر سہی لیکن غالب کی اہم خصوصیاتِ شاعری کا حامل ضرور ہے- اقبال کے نزدیک غالب کی خصوصیاتِ شاعری مختصراً یہ ہیں: غیر معمولی رفعتِ تخیل، قوتِ فکر، حسنِ مطلق کا عشق، کلام کی شوخی ، اسلوبِ بیان کی دلکشی، ذہانت اور جدت پسندی-

غالب، اردو شعر و ادب میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں- ان کے خطوط اردو نثر کا نادر نمونہ ہیں- غالب کو فارسی شعر و ادب میں بھی خاصی اہمیت حاصل ہے- وفات ۱۸۶۹ء میں دہلی میں پائی اور وہیں مدفون ہیں-[1]

آہ ! تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے

(ص ۴۰/۵۶)

''گلشنِ ویمر'':- مراد گوئٹے کی ابدی خواب گاہ- اقبال کے نزدیک انیسویں صدی میں اگر دنیا میں کوئی شاعر غالب کا ہمسر تھا تو وہ صرف گوئٹے ہی تھا، اس لیے کہ ان دونوں میں بعض مشترک خصوصیات پائی جاتی ہیں -گوئٹے کا مشرقی ادب کا مطالعہ اور شغف اسے مجبور کرتا تھا کہ وہ مشرق کے ادب پاروں کو اپنے کلام میں جگہ دے- چنانچہ اس نے اسی ضمن میں رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی کی طرف توجہ کی اور اس نے انتہائی عقیدت کا اظہار اپنی منظومات میں کیا-

یوہان ولف گانگ گوئٹے (Johann Wolfgang von Goethe) جرمنی کے عظیم ترین ادیبوں میں سے تھا- اس کو بیک وقت مختلف علوم میں دستگاہ حاصل تھی- گوئٹے نہ صرف اپنے عہد ہی کا ممتاز شاعر و ادیب تھا بلکہ موجودہ زمانے میں بھی اس کی عظمت مسلم ہے- اس کا ڈراما 'فاوسٹ' دنیائے ادب میں بڑی شہرت رکھتا ہے، اس کا ترجمہ دنیا کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے جس سے گوئٹے کی عظمت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے- وہ ڈراما نگاری، شاعری اور مضمون نگاری کا امام تھا- اس نے اپنے مشہور و معروف ڈرامے

فاؤسٹ میں حکیم فاؤسٹ اور شیطان کے عہد و پیمان کو قدیم روایات کے پیرائے میں انسان کے امکانی نشو و نما کے تمام مدارج اس خوبی سے بتائے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کمالِ فن خیال میں نہیں آ سکتا۔ گوئٹے کی تاریخ پیدائش ۲۸ اگست ۱۷۴۹ء اور تاریخ وفات ۲۲ مارچ ۱۸۳۲ء ہے ۔[۲]

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از ایمرسن)

(ص ۶۱/۴۳)

اس نظم میں اقبال نے بچوں کو جو نصیحت کی ہے، وہ مشہور امریکی شاعر ایمرسن کے کلام سے ماخوذ ہے۔ رالف والڈو ایمرسن (Ralph Waldo Emerson) مشہور امریکی شاعر اور انشا پرداز ۲۵ مئی ۱۸۰۳ء کو بمقام بوسٹن پیدا ہوا۔ اس نے کئی مرتبہ یورپ کی سیاحت بھی کی۔ ۱۸۳۶ء میں ایمرسن نے اپنے خطبات کو شائع کیا جنہیں اس کی ابتدائی نظموں کی طرح کم لوگوں نے پڑھا اور بہت کم لوگوں نے سمجھا، لیکن اس مجموعے سے جس کا نام Nature تھا، اس کی آئندہ تصانیف پر کافی روشنی پڑتی تھی کہ وہ کس معیار کی ہوں گی۔ اس کے بعد ایمرسن کی نظموں کے کئی مجموعے شائع ہوئے۔ اس نے طویل عمر پا کر ۲۷ اپریل ۱۸۸۲ء کو انتقال کیا ۔[۳]

ہمدردی

(ماخوذ از ولیم کوپر)

(ص ۶۶/۵۰)

ولیم کوپر (William Cowper) مشہور انگریزی شاعر ۲۶ اپریل ۱۷۳۱ء کو پیدا ہوا اور ۱۵ اپریل ۱۸۰۰ء کو فوت ہوا۔ کوپر کے احباب میں شاعر چرچل اور وارن ہیسٹنگز قابلِ ذکر ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں انگلستان میں اس کی نظمیں بہت مقبول تھیں۔ کوپر کی نظموں میں To My Mother's Picture اور My Mary شاہکار کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس نے دوسری زبانوں کے شہ پارے بھی انگریزی میں منتقل کیے۔[۴]

ہمچو نے از نیستانِ خود حکایت می کنم

بشنو اے گل ! از جدائی ہا شکایت می کنم

(ص ۸۳/۶۷)

یہ شعر رومی کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

بشنو از نے چوں حکایت می کند

وز جدائی ہا شکایت می کند

(دفتر اول، ص ۲، رمضانی)

پیامِ صبح
(ماخوذ از لانگ فیلو)

(ص ۸۷/۷۲)

''لانگ فیلو'':- ہنری واڈز ورتھ لانگ فیلو (Henry Wadsworth Longfellow) مشہور امریکی شاعر جس نے انگلستان میں بھی خاصی شہرت حاصل کی، ۲۷ فروری ۱۸۰۷ء کو بمقام پورٹ لینڈ پیدا ہوا- ۱۸۳۶ء میں اس کو ہارورڈ یونیورسٹی میں پروفیسر مقرر کیا گیا جہاں وہ تقریباً ۱۸ سال تک پروفیسری کے فرائض انجام دیتا رہا- اس نے تحصیلِ علم کی غرض سے یورپ کا سفر کیا اور فرانس، اسپین، اٹلی اور جرمنی میں تین سال تک مقیم رہا- لانگ فیلو کا انتقال ۲۴ مارچ ۱۸۸۲ء کو ہوا-۵

عشق اور موت
(ماخوذ از ٹینی سن)

(ص ۸۹/۷۳)

الفریڈ ٹینی سن (Alfred Tennyson) انگلستان کا مشہور شاعر ۶ اگست ۱۸۰۹ء کو پیدا ہوا- ورڈز ورتھ کی وفات کے بعد ۱۸۵۰ء میں انگلستان کی ملکہ نے اس کو ملک الشعرا کے ممتاز عہدہ پر فائز کیا- اسی سال اس کی مشہور نظم (In Memorium) شائع ہوئی جس کی وجہ سے ٹینی سن کا شمار صفِ اول کے شعراء میں ہونے لگا- (Idylls of the King) غالباً اس کی بہترین ادبی تخلیق ہے جس میں اس کی بھرپور شخصیت جھلکتی ہے- اس کا انتقال ۶ اکتوبر ۱۸۹۲ء کو ہوا-۶

پابندیٔ احکامِ شریعت میں ہے کیسا؟
کو شعر میں ہے رشکِ کلیمِ ہمدانی
(ص ۷۵/۹۱)

''کلیم ہمدانی'':- ابوطالب کلیم، ہمدان میں پیدا ہوا اور ۱۶۵۱ء میں وفات پائی- شاہ جہاں نے اسکو قدسی کے بعد ملک الشعراء کے عہدے پر فائز کیا-کلیم نے بادشاہ کی تعریف میں کئی قصیدے لکھے-اس نے اپنے عہد کے دوسرے شعراء کی طرح مضمون آفرینی اور خیال بندی پر بڑا زور صرف کیا لیکن اس کے باوجود اس کے اشعار میں ایک خاص شخصی رنگ جھلکتا ہے- مایوسی،غم، شکایتِ ابنائے روزگار کے مضامین کثرت سے بیان کرتا ہے اور یہی اس کا رنگِ طبیعت معلوم ہوتا ہے- اس کی یادگار ایک کلیات ہے جو غزلیات، قصائد اور دوسری اصناف شعر پر مشتمل ہے-

''دریں حسرت سرا عمریست افسونِ جرس دارم
ز فیضِ دل طپیدن ہا خروشِ بے نفس دارم''
(ص ۸۲/۹۸)

یہ شعر مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے-(ص ۸۴۳)

''میگر دید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم
(ص ۸۷/۱۰۳)

یہ شعر نظیری کا ہے-(ص ۲۸۵)

''تا ز آغوش وداعش داغ حیرت چیدہ است
ہمچو شمعِ کشتہ در چشمِ نگہ خوابیدہ است''
(ص ۸۸/۱۰۴)

یہ شعر مرزا عبدالقادر بیدل کا ہے-(بیدل،ص ۲۱۴)

''شورِ لیلیٰ کو کہ باز آرائش سودا کند
خاکِ مجنوں را غبارِ خاطرِ صحرا کند''
(ص۸۹/۱۰۵)

یہ شعر مرزا عبد القادر بیدل کا ہے۔ (بیدل، ص ۵۸۲)

۞

''تابِ گویائی نہیں رکھتا دہن تصویر کا
خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخن تصویر کا''
(ص۸۹/۱۰۵)

یہ شعر امیر مینائی کا ہے۔

۞

عظمتِ غالب ہے اک مدت سے پیوندِ زمیں
مہدیٔ مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکیں
(ص۹۹/۱۱۵)

''مہدی مجروح'': ۔میر مہدی مجروح، غالب کے محبوب اور عزیز شاگرد، دہلی کے رہنے والے تھے۔ مجروح کو ابتدا ہی سے شعر و شاعری کا ذوق تھا اور شروع ہی سے انہوں نے اپنا کلام غالب کو دکھایا۔ میر مجروح کی زبان نہایت صاف و سادہ اور شیریں ہے۔ چھوٹی بحروں میں ان کا کمال بدرجہ احسن معلوم ہوتا ہے۔ خیالات میں ندرت اور مضامین میں جدت ان کے کلام میں نہیں ہے مگر طرز استادانہ ہے اور اشعار عیوبِ شاعری سے پاک ہیں۔ حالی ان کے بڑے مداح تھے۔ انتقال ۱۹۰۲ء میں ہوا۔[۸]

۞

توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیر
چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صہبائے امیر
(ص۹۹/۱۱۵)

''امیر'': ۔ امیر احمد مینائی نام، امیر تخلص، ۱۸۲۸ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ مخدوم شاہ مینا کے، جن کا مزار لکھنؤ میں مرجعِ خاص و عام ہے، خاندان سے تھے۔ اسی تعلق سے مینائی کہلاتے تھے۔ شعر و سخن کا شوق بچپن ہی میں پیدا ہو گیا تھا۔ آپ منشی مظفر علی اسیر کے شاگرد تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ اپنی ہمہ دانی اور طبیعت کی روانی سے اپنے

استاد سے بھی بڑھ گئے- ۷۳ برس کی عمر میں حیدر آباد دکن میں انتقال کیا- داغ کے ہم عصر تھے- ان کی مشہور تصانیف یہ ہیں: نورِ تجلی، اِبرِ کرم، صبح ازل، مراۃ الغیب، سرمۂ بصیرت، لیلتہ القدر اور امیر اللغات- امیر اللغات مرحوم کا شاہکار ہے مگر افسوس کہ نامکمل رہا، صرف دو جلدیں شائع ہوئیں، ردیف الف مکمل ہے-۹

❁

چل بسا داغ آہ! میت اس کی زیبِ دوش ہے
آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ہے!

(ص ۱۰۰/۱۱۶)

''داغ'':- نواب مرزا خاں نام، داغؔ تخلص، ۱۸۳۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، وفات ۱۹۰۵ء میں حیدر آباد دکن میں پائی اور وہیں دفن ہوئے- قلعۂ دہلی میں شعر و سخن کا چرچا بہت تھا۔ داغ کی منچلی طبیعت پر اپنے گرد و پیش کا بڑا اثر ہوا اور یہ بھی شاعری کی مقناطیسی قوت سے متاثر ہو گئے- ابتدا میں فارسی اور عربی کی تعلیم بھی حاصل کی تھی- شعر کا شوق ان کو جبلی تھا اور طبیعت چونکہ مناسب پائی تھی، اس لیے تھوڑے ہی دنوں کی مشق سے پختہ کار شاعر ہو گئے-

داغ اپنے عہد کے بڑے مشہور شاعر تھے- ان کی زبان میں فصاحت و سادگی اور بیان میں ایک خاص قسم کی شوخی اور بانکپن ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے معاصرین امیرؔ، جلالؔ، تسلیمؔ وغیرہ سے زیادہ مشہور ہوئے- چار دیوان ان سے یادگار ہیں- گلزارِ داغ، آفتابِ داغ، مہتابِ داغ اور یادگارِ داغ-۱۰

اس شعر میں بھی اقبال نے داغ ہی کی طرف اشارہ کیا ہے-

جس کے دم سے دلی و لاہور ہم پہلو ہوئے
آہ اے اقبال وہ بلبل بھی اب خاموش ہے

(بانگِ درا، ص ۲۷۸)

❁

اٹھ گئے ساقی جو تھے، میخانہ خالی رہ گیا
یادگارِ بزمِ دہلی ایک حالیؔ رہ گیا

(ص ۱۰۱/۱۱۷)

''حالی'':- خواجہ الطاف حسین نام، حالیؔ تخلص، ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے، وفات ۱۹۱۴ء میں پائی- حالی کی شاعری کی ابتدا دہلی میں ہوئی- دہلی میں وہ مرزا غالب کی صحبت میں اکثر آتے جاتے تھے اور انہی کے

سامنے زانوئے ادب تہ کیا تھا- مرزا غالب کو حالی پر بڑا ناز تھا- حالی اردو کے بہترین نقاد، کامیاب شاعر اور سلیس نثر کے ماہر تھے- انکی زیادہ مشہور نثری تصانیف مقدمہ شعر وشاعری، یادگار غالب، حیاتِ سعدی اور حیاتِ جاوید ہیں- منظومات میں انکی زندۂ جاوید نظم مسدس (مدو جزر اسلام) ہے- مسدس کے علاوہ چپ کی داد، مناجات بیوہ، برکھارت اور نشاط امید بھی قابل ذکر ہیں-۱۱

❁

"ہر چہ در دل گذرد وقفِ زباں دارد شمع
سوختن نیست خیالے کہ نہاں دارد شمع"
(ص ۱۴۲/۱۵۸)

یہ شعر مرزا عبد القادر بیدل کا ہے-۱۲

❁

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر
آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی
ابن بدروں کے دلِ ناشاد نے فریاد کی
(ص ۱۴۴/۱۶۰)

بلبلِ شیراز سے مراد شیخ سعدی ہیں جنہوں نے خلافتِ عباسیہ کی تباہی و بربادی پر ایک دل ہلا دینے والا درد ناک مرثیہ لکھا ہے جس کو انہوں نے اس شعر سے شروع کیا ہے: (ص ۶۴ ۷)

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوال ملکِ مستعصم امیر المومنین

اس کے بعد اقبال نے مرزا داغ دہلوی کے "شہر آشوب" کی طرف اشارہ کیا ہے-

فلک زمین و ملائک جناب تھی دلی
بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دلی
جواب کا ہے کو تھا لاجواب تھی دلی
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی

پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی

یہاں تک تو ان مرثیوں کے ادبی حوالہ جات سے انکار نہیں مگر اس کے بعد غرناطہ کی بربادی پر جس عربی شاعر نے خون کے آنسو بہائے ہیں، وہ افسوس کہ ابن بدروں نہیں بلکہ ابومحمد عبدالمجید ابن عبدوں الفہری ہے۔ اس کی پیدائش بمقام یابرہ (Evora) ہوئی۔ مزاج میں شعریت بچپن ہی سے تھی، جب جوان ہوئے تو شعراء کی صف میں ایک ممتاز جگہ دی گئی۔ اوروں کا تو ذکر ہی کیا، خود یابرہ کا صوبیدار عمر المتوکل ابن الافطس اس کے کلام کا عاشق تھا۔ اسی جوشِ عقیدت کا نتیجہ تھا کہ جب متوکل، بطلیوس کا خودمختار حکمران بن بیٹھا تو اس نے ابن عبدوں کو اپنا مشیرِ خاص بنایا۔ یہ واقعہ ۴۷۳ھ (۱۰۸۰ء) کا ہے۔ بنوافطس کی تباہی کے بعد ابن عبدوں نے ابی بکر کے یہاں جو اس وقت (۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء) سپہ سالار تھا، ملازمت اختیار کر لی۔ اس کے پندرہ برس بعد ہم پھر ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ء) میں اس کو "مشیرِ خاص" کی حیثیت سے دربار "مرابطین" میں اسی آن بان سے جلوہ گر پاتے ہیں۔

ابن عبدوں نے یوں تو سینکڑوں نظمیں لکھیں مگر جس نظم نے اس کو دنیائے شاعری میں ایک لازوال جگہ دی، وہ اس کا معرکۃ الآرا مرثیہ "البامہ" ہے جس میں افطس کی تباہی پر عربی خون کے بیتاب اور گرم قطروں کو غرناطہ کی وادیوں میں رو کر بہایا ہے۔ "البامہ" کا صوتی زیر و بم، الفاظ کی موزونیت، سلاستِ زبان، جوش اور درد نے اس میں چار چاند لگا دیے ہیں۔

اس مرثیے کے ۷۶ شعر ہیں اور اسے ڈوزی نے ۱۸۴۸ء میں تصحیح کے بعد لیڈن سے چھپوا کر شائع کیا۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے:

الدھر یفجع بعد العین بالاثر
وما البکاء علی الاشباح والصور

(زمانہ افراد کو نہیں، ان کے کارناموں کو یاد کر کے روتا ہے)

اور آخری شعر یہ ہے:

قرطت آذان من فیھا بفاصمہ
علی الحسان حصا الیاقوت والدرر

(میں نے حسینانِ شہر کے کانوں میں ٹوٹی ہوئی بالیاں اس طرح پہنا دی ہیں جس طرح یاقوت اور موتی پہنائے جاتے ہیں)

ابن عبدوں کے اس غیر فانی مرثیے کی متعدد شرحیں مشرقی اور مغربی زبانوں میں لکھی جا چکی ہیں۔ عربی میں اس کا بہترین شارح عبدالملک بن عبداللہ الحضرمی ہے جو عربی ادب میں ابنِ بدروں کے نام سے مشہور ہے۔ علامہ اقبال کو یہاں سہو ہوا ہے۔ غرناطہ کے مرثیے میں اشارہ شارح کی طرف ہے، اور ہونا چاہیے شاعر کی طرف۔[۱۳]

تضمین بر شعر انیسی شاملو

(ص ۱۶۵/۱۸۱)

''انیسی شاملو'':۔ انیسی علی قلی بیگ شاملو اگرچہ ترکی الاصل تھا لیکن ایران میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی عمر کا ابتدائی حصہ ایران ہی میں بسر کیا۔ جوانی میں دوسرے ایرانی شعرا کی طرح برصغیر پاک و ہند آیا اور نظیری کے توسط سے عبدالرحیم خان خاناں، والیٔ گجرات کے ہاں ملازم ہو گیا۔ خان خاناں نے انیسی شاملو کی بڑی قدر و منزلت کی اور قصہ محمود و ایاز نظم کرنے پر مامور کیا۔ چنانچہ اس نے قصہ مذکور کو نظم کرنا شروع کیا لیکن موت نے اس کو مکمل نہ ہونے دیا۔ اس نے ۱۰۱۵ھ (۱۶۰۶ء) میں بمقام برہان پور وفات پائی۔ انیسی کے ہاں صائبؔ اور غنیؔ کا رنگ پایا جاتا ہے۔[۱۴]

آئے عشاق ، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر

(ص ۱۷۹/۱۹۵)

مصرع ثانی ذوق کے اس شعر سے ماخوذ ہے: (کلیات ذوق، ص ۲۲۴، حصہ اول، مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۷ء)

مجھ سا مشتاق جمال ایک نہ پاؤ گے کہیں
گرچہ ڈھونڈو گے چراغ رخ زیبا لے کر

''عاقبت منزل ما وادی خاموشان است
حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز''

(ص ۱۸۹/۲۰۵)

یہ شعر حافظ کا ہے۔ (ص۲۳۹، دیوانِ حافظ، قاضی سجاد)

سماں الفقر فخری کا رہا شانِ امارت میں
"بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را"

(ص ۱۹۱/۲۰۷)

مصرع ثانی حافظ کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔ (ص۳۱، دیوانِ حافظ، قاضی سجاد)

ز عشقِ ناتمامِ ما جمالِ یار مستغنی ست
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

کہہ گئے ہیں ، شاعری جزویست از پیغمبری
ہاں ، سنا دے محفلِ ملت کو پیغامِ سروش

(ص ۲۰۰/۲۱۶)

پہلا مصرع اس شعر سے ماخوذ ہے:

شاعری جزویست از پیغمبری
جاہلانش کفر خوانند از خری

تو اگر خود دار ہے منت کشِ ساقی نہ ہو
عین دریا میں حباب آسا نگوں پیمانہ کر

(ص ۲۰۲/۲۱۸)

یہ شعر اقبال ہی کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے: (کلیات اقبال فارسی، ص ۲۴، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۱ء)

چوں حباب از غیرتِ مردانہ باش
ہم بہ بحر اندر نگوں پیمانہ باش

تضمین بر شعر ملا عرشی

(ص۲۲۲/۲۳۸)

''عرشی'':۔ ملاّ عرشی یزدی کا اصلی نام طہماسپ تلی بیگ تھا۔ ملا عرشی کا وطن تبریز تھا۔ وہ ابتدا میں عہدی تخلص کرتا تھا، بعد ازاں عرشی تخلص اختیار کیا۔ اس کی طبیعت دشوار گوئی کی طرف زیادہ مائل تھی۔ اس کے دیوان کی ضخامت خاصی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس میں دس ہزار سے زائد اشعار ہیں۔ عرشی نے اپنی تمام عمر شاہ طہماسپ صفوی کی خدمت میں بسر کی۔[۱۵]

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیر آسماں رہیے
''ہزار گونہ سخن در دہان و لب خاموش''
(ص۲۲۳/۲۳۹)

مصرع ثانی حافظ کا ہے اور پورا شعر یوں ہے: (ص ۲۵۸، دیوان حافظ، قاضی سجاد)

شد آنکہ اہلِ نظر بر کنارہ میرفتند
ہزار گونہ سخن در دہان و لب خاموش

یہی اصول ہے سرمایۂ سکونِ حیات
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش
(ص۲۲۳/۲۳۹)

مصرع ثانی حافظ کا ہے اور پورا شعر یوں ہے: (ص ۲۵۸، دیوان حافظ، قاضی سجاد)

رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

پیامِ مرشدِ شیراز بھی مگر سن لے
کہ ہے یہ سرِّ نہاں خانۂ ضمیر سروش
(ص۲۲۳/۲۳۹)

''مرشدِ شیراز'':۔ مراد حافظ شیرازی سے ہے۔

خواجہ حافظ کا نام محمد، لقب شمس الدین اور حافظؔ تخلص تھا۔ وہ ۷۲۶ھ (۱۳۲۶ء) میں بمقام شیراز پیدا

ہوئے -گو ان کا ابتدائی زمانہ شیخ حسین حاکمِ شیراز کے عہد میں گذرا، مگر ان کی زندگی میں کئی بادشاہ یکے بعد دیگرے حکمران ہوئے - حافظ اپنے زمانے میں بڑے ہر دلعزیز تھے، وہ سلاطین کے درباروں میں بھی آتے جاتے تھے -ان کی علمی و ادبی قابلیت اعلیٰ درجے کی تھی - وہ حافظِ قرآن بھی تھے - خواجہ حافظ کا تمام کلام حسنِ ادا اور لطافتِ شعری سے مملو ہے - وہ فارسی شاعری میں غزل گوئی کی حیثیت سے منفرد ہیں - حافظ کو "لسان الغیب" کہا جاتا ہے -لوگ ان کے دیوان سے فال نکالتے ہیں - سالِ وفات ۷۹۱ھ (۱۳۸۸ء) ہے - مزار شیراز میں ہے - تاریخِ وفات کسی نے خوب کہی ہے:

چو در خاک مصلیٰ یافت مسکن
بجو تاریخش از خاک مصلیٰ ۱۶؎

۞

شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہل گلستاں
حالی بھی ہو گیا سوئے فردوس رہ نورد
(ص ۲۳۴/۲۵۰)

"شبلی": - محمد شبلی نعمانی ۱۸۵۷ء میں موضع بندول، ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۴ء میں وفات پائی - شبلی کا مسلم قوم پر بڑا احسان ہے - انہوں نے اپنی تصانیف کے ذریعے مشاہیر اسلام کو دنیا سے روشناس کیا، ندوہ کی بنیاد ڈالی جو آج تک بدلتے ہوئے حالات میں ملک و ملت کی خدمت انجام دے رہا ہے - شبلی کی تصانیف کی فہرست خاصی طویل ہے -ان کی چند مشہور تصانیف کے نام یہ ہیں: سیرۃ النبی، شعر العجم، النعمان، الفاروق، الغزالی اور موازنہ انیس و دبیر -شعر العجم، فارسی کے شعرا کا تذکرہ ہے - اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود اہلِ ایران نے اسکو اپنی زبان میں منتقل کیا -

شبلی بیک وقت ایک شاعر، فلسفی، مؤرخ، ناقد، ماہرِ تعلیم، معلم، واعظ، مصلح، جریدہ نگار، فقیہ اور محدث تھے - یہ ان کی وہ خصوصیات ہیں جو ایک شخص میں بمشکل پائی جاتی ہیں - ۱۷؎

۞

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی
(ص ۲۳۵/۲۵۱)

مصرع ثانی حافظ کے اس شعر سے ماخوذ ہے: (ص ۵۱، دیوان حافظ، قاضی سجاد)

ازیں چمن گلِ بیخار کس نچید آرے
چراغ مصطفوی باشرار بولہبی ست ۱۸

❁

''مغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند
ستارہ می شکنند آفتاب می سازند''

(ص ۲۳۳/۲۵۱)

یہ شعر فرج اللہ شوشتری کا ہے۔

❁

تضمین بر شعر فیضی

(ص ۲۳۷/۲۵۳)

''فیضی'':۔ فیضی کا پورا نام ابوالفیض تھا۔ شیخ مبارک ناگوری کا بیٹا اور ابوالفضل وزیرِ شہنشاہ اکبر کا بڑا بھائی تھا۔ ۱۵۴۷ء میں پیدا ہوا۔ ملک الشعرا غزالی مشہدی کے انتقال کے بعد اکبر کے دربار میں ملک الشعرا کے عہدے پر فائز ہوا اور شہزادوں کی اتالیقی کا کام بھی اس کے سپرد ہوا۔ تاریخ، فلسفہ، طب اور انشا پردازی میں کمال رکھتا تھا۔ سنسکرت زبان کا بھی جید عالم تھا۔ مختلف مذاہب کی تعلیم پر بھی عبور رکھتا تھا۔ یہ فارسی کا بلند پایہ شاعر تھا۔ عربی میں بھی کامل دستگاہ رکھتا تھا۔ اس کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے۔ مشہور خمسۂ نظامی کے نمونے پر اس نے پانچ کتابوں کا ایک مجموعہ تیار کیا جس میں صرف مرکز دوّار اور نل دمن پایۂ تکمیل کو پہنچیں۔ اس نے سنسکرت کی کئی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ قرآن کی تفسیر بےنقط جسے سواطع الالہام کہا جاتا ہے، اسی کی لکھی ہوئی ہے۔ فیضی کی انشائے فیضی بھی مشہور ہے۔ ۱۵۹۵ء میں آگرہ میں انتقال کیا۔ ۱۹

❁

تضمین بر شعرِ میر رضی دانش

(ص ۵۴/۲۷۰)

میر رضی دانش مشہدی، شاہ جہاں کے زمانے میں اپنے باپ کے ساتھ ہندوستان آیا اور بادشاہ کی خدمت میں اپنا قصیدہ لکھ کر پیش کیا- بادشاہ نے دو ہزار روپیہ انعام میں دیا- کچھ عرصے بعد شاہ جہاں کو چھوڑ کر داراشکوہ کی ملازمت اختیار کی- داراشکوہ نے میر رضی دانش کو ذیل کے شعر پر ایک لاکھ روپیہ انعام دیا:

تاک را سر سبز کن اے ابر نیساں در بہار   قطرہ تا مے تواند شد چرا گوہر شود ۔۲۰

۞

تضمین بر شعر ملک قمی

(ص ۲۵۶/۲۷۳)

ملک قمی ایران کے شہر قم کا رہنے والا تھا- ابتدائی تعلیم کے بعد کاشان آیا، اس کے بعد چار سال تک قزوین میں رہا- ۹۸۷ھ (۱۵۷۹ء) میں دکن کا رخ کیا کیونکہ ابراہیم عادل شاہ والیٔ بیجاپور شعرا کا بہت قدردان تھا - چنانچہ ابراہیم عادل شاہ نے اس کو اپنا درباری شاعر بنایا اور بہت عزت افزائی کی- مُلّا ظہوری اس کی قابلیت کا بڑا مداح تھا- خود فیضی جیسا باکمال بھی اس کی بڑی تعریف کرتا تھا- ملک قمی نے ۱۰۲۴ھ (۱۶۱۵ء) میں انتقال کیا-۲۱

۞

تضمین بر شعر صائب

(ص ۲۵۷/۲۷۳)

"صائب"-صائب کا پورا نام مرزا محمد علی تھا-وہ تبریز میں پیدا ہوا اور اصفہان میں تعلیم حاصل کی-بعد ازاں ظفر خاں صوبیدار کابل کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا- ظفر خاں نے صائب کی بہت قدر کی اور فکرِ معاش سے بے نیاز کر دیا-صائب آخر میں اصفہان واپس چلا گیا اور ۱۰۸۰ھ (۱۶۶۹ء) میں وفات پائی- ایک ضخیم کلیات اس سے یادگار ہے جس میں تمثیلی اور اخلاقی شاعری کا عنصر نمایاں ہے- ۲۲

۞

ہاتف نے کہا مجھ سے کہ فردوس میں اک روز
حالی سے مخاطب ہوئے یوں سعدیٔ شیراز

(ص ۲۵۸/۲۷۴)

"سعدیٔ شیراز":- آپ کا نام شرف الدین، لقب مصلح اور سعدی تخلص، وطن شیراز تھا- سال ولادت ۵۸۹ھ (۱۱۹۳ء) اور سال وفات ۶۹۱ھ (۱۲۹۱ء) ہے- وہ سعد زنگی بادشاہ فارس کے عہد میں تھے- شیخ سعدی کے

والد عبد اللہ شیرازی، اتا بک سعد زنگی کے ہاں کسی خدمت پر مامور تھے۔ غالباً اسی لیے آپ نے اپنا تخلص سعدی رکھا۔ مدرسہ نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی۔ علامہ ابوالفضل عبد الرحمٰن ابن جوزی آپ کے اساتذہ میں سے تھے۔باطنی تعلیم شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں رہ کر پائی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر آپ نے ایشیا کی سیاحت کی اور عمر کا بڑا حصہ سیر و سیاحت میں بسر کیا۔ فلسفہ اور حکمت کی طرف بہت کم توجہ کی، زیادہ تر دینیات، علم سلوک اور علم ادب کی طرف متوجہ رہے۔ شیخ سعدی فارسی غزل کے پیغمبر مانے جاتے ہیں۔ ان کی فصاحت و بلاغت کا شہرہ ان کی زندگی ہی میں ممالک دور دراز میں پھیل گیا تھا۔ سعدی کی تصانیف میں گلستان اور بوستان کو بڑا قبول عام حاصل ہوا۔ ان کی گلستان فارسی نثر کا بے مثل نمونہ خیال کی جاتی ہے۔ بعض لوگوں نے اس کا جواب بھی لکھا لیکن وہ گلستان کی گرد کو بھی نہ پا سکے۔ گلستان کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے جس سے اس کی مقبولیت پر خاصی روشنی پڑتی ہے ۔۲۳

تضمین بر شعر میرزا بیدل

(ص ۲۵۹/۲۷۵)

''بیدل'':۔ نام عبد القادر اور تخلص بیدل تھا۔ اس کا اصلی وطن توران تھا لیکن پیدا بخارا میں ہوا۔ بیدل نو عمر ہی تھا کہ شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں برصغیر آیا۔ اس کی تعلیم و تربیت برصغیر میں ہوئی اس لیے اس کا شمار اہلِ زبان شعرا میں نہیں ہے۔ بیدل، شہزادہ محمد اعظم، پسر اورنگ زیب کی سرکار میں ملازم ہوا۔ شہزادہ نے اپنی مدح میں قصیدہ کی فرمائش کی، وہ خفا ہو کر دہلی چلا آیا۔ بیدل فارسی زبان و ادب کا ماہر، نہایت نازک خیال اور قانع شخص تھا۔ اس کی تصانیف میں چہار عنصر بیدل، نکاتِ بیدل، رقعاتِ بیدل اور دیوان فارسی شامل ہیں۔ بیدل کے کلام میں تصوف کا رنگ کثرت سے ملتا ہے۔ اس کا انتقال ۱۷۲۰ء میں ہوا۔۲۴

شیکسپیئر

(ص ۲۶۳/۲۷۹)

''شیکسپیئر'':۔ ولیم شیکسپیئر (William Shakespeare) ۲۶ اپریل ۱۵۶۴ء کو پیدا ہوا اور ۱۶۱۶ء میں فوت ہوا۔ شیکسپیئر انگریزی زبان کا مشہور ترین ڈراما نگار اور شاعر تھا۔ اس کے ڈرامے دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو چکے ہیں جن سے ان کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ شیکسپیئر کے ڈراموں کے سینکڑوں جملے زبان زد ہو گئے ہیں۔ شیکسپیئر بڑا نباضِ فطرت تھا۔ اس کے ڈراموں میں بڑی زندگی اور بڑی

بصیرت ملتی ہے- اس کے بعض ڈراموں کے نام یہ ہیں: ہیملٹ (Hamlet)، رومیو جولیٹ (Romeo and Juliet) میکبتھ (Macbeth)، کنگ ہنری چہارم (King Henry iv) اور دی ٹمپسٹ (The Tempest)-شیکسپیئر کے ڈرامے طربیہ بھی ہیں اور المیہ بھی- اس کے ڈراموں کے بعض کردار بہت مشہور ہو چکے ہیں مثلاً فال اسٹاف اور شائی لاک-۲۵

"شہپر زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند"

(ص۲۶۵/۲۸۱)

حافظ کا شعر اس طرح ہے-(ص ۲۱۱، دیوان حافظ، قاضی سجاد)

شہپر زاغ و زغن زیبائے صید و قید نیست
کایں کرامت ہمرہ شہباز و شاہیں کردہ اند

"مرا از شکستن چناں عار نایِد
کہ از دیگراں خواستن مومیائی"

(ص۲۶۵/۲۸۱)

عمادی کا اصل شعر یوں ہے:

مرا از شکستن چناں درد نایِد
کہ از نا کساں خواستن مومیائی ۲۶

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
می ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

(ص۲۷۸/۲۹۴)

اصل شعر یوں ہے:

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
نے کہ اول کہنہ را ویراں کنند

اے که نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش
(ص۲۷۹/۲۹۵)

اس شعر کا مضمون مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:

سِرِّ حق کے بر تو گردد منجلی
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ

اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
"نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی"
(ص۲۸۱/۲۹۷)

مصرع ثانی عرفی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

نوا را تلخ تر می زن چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

ربود آں ترکِ شیرازی دلِ تبریز و کابل را
صبا کرتی ہے بوئے گل سے اپنا ہم سفر پیدا
(ص۲۸۲/۲۹۸)

پہلا مصرع حافظ کے اس شعر سے ماخوذ ہے: (ص ۳۰، دیوان حافظ، قاضی سجاد)

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ مارا
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

بیا پیدا خریدار است جان ناتوانے را
"پس از مدت گذار افتاد بر ما کاروانے را"
(ص۲۹۰/۳۰۶)

مصرع ثانی نظیری کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے: (ارمغان پاک۔ص ۱۳۸)

بہر جنسی کہ میگیرند اخلاص و وفا خوب است
پس از عمری گذار افتاد بر ما کاروانے را

❁

"بیا تا گل بیفشانیم و مے در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم"
(ص ۲۹۱/۳۰۷)

یہ شعر حافظ کا ہے۔ (ص ۲۹۳، دیوان حافظ، قاضی سجاد)

❁

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا ، تجھے کیا ملے گا نماز میں
(ص ۲۹۷/۳۱۳)

یہ شعر عراقی کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آید
کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

❁

"اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے"
غالب کا قول سچ ہے تو پھر ذکرِ غیر کیا
(ص ۳۰۱/۳۱۷)

غالب کا پورا شعر یوں ہے: (دیوان غالب اردو، ص ۸۰)

اصلِ شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

❁

میرزا غالب خدا بخشے ، بجا فرما گئے

"ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں ، کھائیں گے کیا؟"
(ص۳۰۳/۳۱۹)

پورا شعر اس طرح ہے: (دیوان غالب اردو، ص ۱۸)

ہے اب اس معمورہ میں قحطِ غمِ الفت اسد
ہم نے یہ مانا کہ دلی میں رہیں ، کھائیں گے کیا؟

حوالہ کتب

۱- حالی، یادگارِ غالب-
+ شیخ محمد اکرام، آثارِ غالب-
۲- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۰، ص ۴۶۱-۴۷۵، طبع چہاردہم
۳- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۸ ص ۳۹۱-۳۹۴
۴- ایضاً، ج ۶، ص ۲۶۳-۲۶۳
۵- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۴، ص ۳۷۸-۳۷۹، طبع چہاردہم
۶- ایضاً، ج ۲۱، ص ۹۳۸-۹۴۲، طبع چہاردہم
۷- شبلی، شعر العجم، ج ۳، ص ۲۰۵-۲۳۰-
+ شیخ محمد اکرام، ارمغان پاک ۲-۳

E.G. Browne, A Literary History of Persia, vol,pp 256-263.

+

۸- عسکری، تاریخ ادب اردو، ص ۳۴۰-۳۴۱، مطبوعہ نول کشور، لکھنو

۹- ایضاً، ص ۳۵۸-۳۶۱

۱۰- عسکری، تاریخ ادب اردو، ص ۲۶۹- مطبوعہ نول کشور لکھنو

۱۱- عسکری، تاریخ ادب اردو، ص ۵۵ اور ۴۰۷

۱۲- کلیات ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدل، جلد اول، ص ۸۵۷، پوھنی مطبع کابل، اسد-۱۳۴۱-

۱۳- دہخدا- لغت نامہ، ج ۱، ۳۲۸، طبع ایران-

+ علی گڑھ میگزین ۱۹۳۶ء

۱۴- آذر اصفہانی، آتشکدۂ آذر، ص ۱۹-۲۰-

+ نواب سید محمد صدیق حسن، شمع انجمن، ص ۲۵-۲۶

۱۵- نواب سید محمد صدیق حسن، شمع انجمن، ص ۳۰۲

۱۶- شبلی، شعر العجم، ج ۲، ص ۲۱۲-۲۹۷

E.G. Browne, A Literary History of Persia, vol.iii, pp271-319. +

۱۷- مولانا سید سلیمان ندوی، حیات شبلی-

+ شیخ محمد اکرام، شبلی نامہ

۱۸- نواب سید محمد صدیق حسن، شمع انجمن، ص ۴۷، مطبع رئیس المطابع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۳ھ

۱۹- شبلی شعر العجم، ج ۲، ۲۷-

+ مولانا محمد حسین آزاد، دربار اکبری-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، ۴۳-۴۴

۲۰- محمد یوسف علی، روز روشن، ص ۲۴۸، مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۷ھ

E.G. Browne, Persian Literature in Modern Times, pp164-165. +

۲۱۔ نواب سید محمد صدیق حسن، شمع انجمن، ص ۴۲۰۔۴۲۱

۲۲۔ شبلی ''شعر العجم''، ج ۳، ص ۱۸۹۔

\+ رضا قلی ہدایت، مجمع الفصحا، ج ۲، ص ۲۳۔۲۴

\+ آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، ص ۳۴۷۔۳۴۹

E.G.Brown, Persian Literature in Modern Times, pp. 164-165.

\+

۲۳- حالی، حیات سعدی

۲۴- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۱۳۷-

\+ خواجہ عباد اللہ اختر، بیدل-

\+ شیخ محمد اکرام، ارمغان پاک، ص ۷-۸

۲۵- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۰، ص ۴۳۳-۴۵۲

۲۶- علی اکبر دہخدا، کتاب امثال و حکم، ص ۱۵۰۷، مطبع مجلس طہران ۱۳۱۰ھ ش

زبور عجم

(کلیات اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

چہ عجب اگر دو سلطاں بہ ولایتے نہ گنجند

عجب ایں کہ می نگنجد بدو عالمے فقیرے

(ص ۱۳/۳۵۷)

یہاں اس شعر کا مضمون سعدی کے ایک مقولے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو گلستاں میں اس طرح ہے:

"دہ درویش در گلیمے بہ خسپند و دو بادشاہ در اقلیمے نگنجند۔"

باُمیدِ ایں کہ روزے بشکار خواہی آمد
ز کمندِ شہریاراں رمِ آہوانہ دارم
(ص ۱۸/۳۶۲)

اس شعر کا پہلا مصرع امیر خسرو کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے: (خسرو، دیوان کامل، ص ۲۱۸)

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ برکف
باُمیدِ ایں کہ روزے بشکار خواہی آمد

دل گیتی ! انا المسموم ، انا المسموم فریادش
خرد نالاں کہ 'ماعندی بتریاق ولا راقی'
(ص ۲۱/۳۶۵)

یہ شعر یزید ابن معاویہ کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

انـــا الــمســمــوم و مــاعــنــدی بتــریــاق ، ولاراقــی
ادر کـــاســا و نــا ولــهــا الابــا ائیهــا الســاقــی

عشق کا زہر میرے اندر سرایت کر چکا ہے اور میرے پاس نہ تو اس زہر کا کوئی تریاق ہے اور نہ کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔ اس لیے اے ساقی! شراب کا دور شروع کر اور ہاتھ بڑھا کر پیالہ مجھے دے (تاکہ اس زہر کا اثر زائل ہو)۔

"تو در زیرِ درختاں ہمچو طفلاں آشیاں بینی
بہ پرواز آ کہ صید مہر و ماہ ہے می تواں کردن"
(ص ۶۳/۴۰۷)

پہلا مصرع عرفی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے: (کلیات عرفی، ص ۲۱۵)

بدام اندر کشیدند اہلِ معنی طائرِ دولت

تو در زیر درختاں ہمچو طفلاں آشیاں بینی

بطرزِ دیگر از مقصود گفتم
جوابِ نامۂ محمود گفتم
(ص ۸۵/۲۲۹)

"محمود":- نام شیخ محمود، والد کا نام عبدالکریم بن یحییٰ- یہ علم وزہد میں بڑے پایہ کے بزرگ تھے- تبریز سے ۸ فرسنگ کے فاصلے پر ایک مقام شبستر کے نام سے مشہور ہے، شیخ محمود یہیں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے شبستری کہلائے- لقب سعدالدین نجم الدین تھا -ابتدائی تعلیم اپنے والد سے پائی- جوان ہوکر تبریز آئے اور ایک بزرگ شیخ امین الدولہ سے علومِ ظاہری وباطنی حاصل کیے، بیعت بھی انہی سے کی-

آغا باقر سلمانی نے لکھا ہے کہ شبستری کی پیدائش ہلاکو خاں کے عہد میں ہوئی- آلِ چنگیز کے آخری فرمانروا سلطان ابوسعید کے زمانے میں موجود تھے- محمود شبستری کا سالِ پیدائش ۱۲۵۰ء اور سالِ وفات ۷۲۰ھ (۱۳۲۰ء) ہے-

مختلف تذکروں سے محمود شبستری کی چار تصانیف کا پتہ چلتا ہے-گلشنِ راز،حق الیقین فی معرفتہ رب العالمین ،سعادت نامہ اور رسالۂ شاہد-

گلشنِ راز کی تصنیف کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے- بیان کیا جاتا ہے کہ رکن الدین حسین بن ابی الحسن الحسینی غوری ہراتی الملقب بہ فخر السادات ومشہور بہ سید حسینی کی طرف سے ایک قاصد آیا اور ۱۵ سوال منظوم لایا- شیخ نے وہیں اس کا مختصر جواب نظم کردیا جس سے ان کے تبحرِ علمی کا پتہ چلتا ہے-بعد میں کسی قدر اضافے کے ساتھ مثنوی گلشنِ راز مکمل کی-

پروفیسر براؤن نے تاریخِ ادبیاتِ عجم جلد ۳ صفحہ ۱۴۷ پر گلشنِ راز کا سنہ تصنیف ۷۱۰ھ (۱۳۱۱ء) لکھا ہے- براؤن کی اس تاریخ میں کلام ہے کیونکہ برصغیر پاک وہند، ایران اور یورپ کے مطبوعہ نسخوں، نیز بمبئی کے قلمی نسخے صفحہ ۳ پر یہ مصرع صاف لکھا ہے:

گذشتہ ہفت و دہ از ہفتصد سال

معلوم نہیں پروفیسر براؤن نے کہاں سے اور کس بنا پر وہ تاریخ لکھی ہے-

گلشنِ راز کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ مشرق ومغرب کے نکتہ دانوں اور صاحبِ ذوق اربابِ علم نے اپنی بیشتر توجہ اسی کتاب کی جانب مبذول کی ہے، اور نہایت جانفشانی سے متنوں اور شرحوں کو شائع کیا ہے-

محمود شبستری بڑے زبردست صوفی اور عالم تھے- انہوں نے پہلے اجمالاً اور پھر تفصیلاً نہایت جامعیت سے ان سوالات کا جواب لکھا ہے اور اس زمانے کے عقائد وخیالات کی ترجمانی کی ہے-

پروفیسر براؤن نے تاریخ ادبیاتِ عجم میں شبستری کو خوب سراہا ہے اور جلد ۳ صفحہ ۱۴۸ پر لکھا ہے کہ "گلشنِ راز تصوف کے بہترین مقالوں میں سے ایک مقالہ ہے"- شبلی نے بھی گلشنِ راز کو اہم مانا ہے-

گلشنِ راز کی کئی شرحیں مختلف زبانوں میں لکھی گئی ہیں- مولانا جامی نے لکھا ہے کہ کم وبیش ۲۸ شرحیں ان کی نظر سے گذری ہیں- سب سے مشہور شرح محمد بن یحییٰ بن علی لاہجی کی ہے-

یورپ کا وہ طبقہ جو فارسی اور تصوف سے دلچسپی رکھتا ہے، گلشنِ راز کی سیر سے محروم نہیں ہے- سب سے پہلے جس نے اس کتاب کو یورپ سے روشناس کرایا، وہ ثولک ہے- یورپ کی متعدد زبانوں میں اس کے ترجمے ہوئے ہیں- ان میں حامر پرگس تال اور وین فیلڈ کے جرمنی اور انگریزی ترجمے قابلِ ذکر ہیں-

مثنوی گلشن راز اس شعر سے شروع ہوتی ہے:

بنامِ آنکہ جاں را فکرت آموخت
چراغِ دل بنورِ جاں برافروخت

باقر سلمانی نے گلشنِ راز کے سوالات کی تعداد ۷ بتائی ہے جو صحیح نہیں، کیونکہ اصل کتاب میں صرف ۱۵ سوال پائے جاتے ہیں-!

۞

"مرا زیں شاعری خود عار ناید
کہ در صد قرن یک عطار ناید"

(ص ۸۶/۴۳۰)

یہ شعر محمود شبستری کا ہے-

۞

حوالہ کتاب

E.G. Browne, A Literary History of Persia,vol.iii,pp146-150.

-۱

F.Lederer, The Secret Rose Garden. +

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ہر کجا از ذوق و شوق خود گری
نعرۂ من دیگرم تو دیگری

(ص ۱۵/۴۸۷)

""من دیگرم تو دیگری" امیر خسرو کے مندرجہ ذیل شعر کی طرف اشارہ مقصود ہے:

(محفلِ سماع،ص ۵۵)

من تو شدم، تو من شدی، من تن شدم، تو جاں شدی
تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

❁

"ہر کہ عاشق شد جمال ذات را
اوست سید جملہ موجودات را"

(ص۱۷/۴۸۹)

یہ شعر رومی کا ہے۔

❁

بے درد جہانگیری آں قرب میسّر نیست
گلشن بکریباں کش اے بو بگلاب اندر

(ص۴۳/۵۱۵)

"بو بگلاب اندر" اشارہ ہے خواجہ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی کے اس شعر کی طرف:

اے زاہد ظاہر بیں از قرب چہ می پرسی
او در من و من در وے چوں بو بگلاب اندر

❁

چشمِ خاصانِ عرب گردیدہ کور
بر نیائی اے زہیر از خاک گور

(ص۵۴/۵۲۶)

"زہیر"۔ زہیر بن ابی سلمیٰ، اصلی نام زہیر ابن ربیعہ ابن قرط ہے۔ زہیر مزینہ قبیلہ کا ایک فرد اور دورِ جاہلیت کا اخلاقی شاعر تھا۔ بعض نقادوں کے نزدیک عرب کا سب سے بڑا جاہلی شاعر ہے۔ گو زہیر مزینہ قبیلے سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس نے اپنی تمام عمر قبیلہ غطفان میں بسر کی۔ زہیر کے موجودہ دیوان میں مزینہ قبیلے کی تعریف میں اشعار نہیں ملتے بلکہ جو اشعار ہیں، وہ بیشتر قبیلہ غطفان ہی کی تعریف میں ہیں۔ اس کے دیوان میں ایسے اشعار بھی ہیں جو اس کی آپ بیتی کی غمازی کرتے ہیں۔ نقادانِ سخن نے زہیر کو امرء القیس اور نابغہ کا ہم پلہ قرار دیا ہے

- معلقات میں اس کا قصیدہ بھی شامل ہے۔۱

۞

اے ترا اندر دو چشمِ ماوثاق
مہلتے ان کنت ازمعت انفراق
(ص ۵۵/۵۲۷)

اس شعر میں امرءالقیس کے ایک مصرع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔یہ مصرع مختلف نسخوں میں اس طرح ہے

"وان کنت قد از معت صرمی فاجملی"

(اور اگر تو نے جدائی کا پختہ ارادہ کرلیا ہے تو اس کو خوش اسلوبی سے عمل میں لانا۔)

"امرءالقیس":- امرءالقیس بن حجر الکندی اہلِ نجد سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے اپنی محبوبہ فاطمہ کی شان میں بہت اشعار لکھے ہیں۔اس پر اس کے باپ نے امرءالقیس کو گھر سے نکال دیا۔ عربی میں پہلی مرتبہ امرءالقیس نے نازک اور لطیف مضامین شعر میں باندھے۔یہ ان سات مشہور شعرا میں سے ایک ہے جو دورِ جاہلیت میں شعروسخن میں ممتاز تھے۔ اس کا ایک قصیدہ اپنے محاسن کی وجہ سے سبع معلقہ میں شامل اور اس کو خانہ خدا پر آویزاں کیا گیا۔ امرءالقیس کا انتقال ۵۳۰ء اور ۵۴۰ء کے درمیان ہوا۔ وہ عہدِ جاہلی کے مشہور ترین شعرا میں تھا۔ ۲

۞

آدمی را دید و چوں گل بر شگفت
در زبانِ طوسی و خیام گفت
(ص ۱۰۴/۵۷۶)

"خیام":-خیام کا نام عمر تھا؛ کنیت ابوالفتح اور ابوالحفص ،لقب غیاث الدین ،باپ کا نام ابراہیم تھا۔ عمر خیام، فارسی کا مشہور شاعر اصلاً خیمہ دوز تھا جیسا کہ اس کے تخلص "خیام" سے ظاہر ہے۔اس کی رباعیات اپنی طرز خاص میں مشہور ہیں جن کا یورپ تک میں شہرہ ہے اور انگریزی میں اس کا ترجمہ اور اصل کئی مرتبہ چھپ چکی ہے۔ عمر خیام صرف شاعر ہی نہ تھا بلکہ حکیم اور عالمِ ہیئت بھی تھا۔ نیشاپور میں تقریباً ۱۰۵۰ء میں پیدا ہوا۔ حسن بن صباح کا ہم عصر تھا۔ علومِ فلسفہ میں بلند پایہ رکھتا تھا۔ رباعیات کے علاوہ علومِ حکمت وہندسہ میں کئی تصانیف اس سے یادگار ہیں۔ سالِ وفات میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۱۱۲۳ء اور بعض نے ۱۱۲۱ء لکھا ہے۔۳

غالب و حلاج و خاتونِ عجم
شورہا افگندہ در جانِ حرم
(ص۱۱۹/۵۹۱)

''خاتونِ عجم'':- اشارہ قرۃ العین کی طرف ہے-

قرۃ العین ایران کی وہ مشہور خاتون جس نے بانی فرقہ بابیہ کی بڑی سرگرمی سے پیروی کی اور اس مذہب کی تبلیغ و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا- وہ شاعرہ بھی تھی- جناب طاہرہ اور زریں تاج کے نام سے بھی مشہور ہے - بڑی حسین و جمیل تھی- ۱۸۵۲ء میں قرۃ العین طاہرہ کو کچھ اور بابیوں کے ساتھ قتل کیا گیا - اس کی غزلوں میں جوشِ بیان، سرمستی اور زور اس قدر ملتا ہے کہ کم شعرا کو نصیب ہوا ہوگا-[۴]

''قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختۂ چیست''
(ص۱۲۶/۵۹۸)

یہ شعر غالب کا ہے، اقبال نے اس کے مصرع میں خفیف سا تصرف کر دیا ہے- اصل شعر غالب کا یوں ہے :(دیوان غالب اردو، ص۱۸۴)

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ
اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

خلق و تقدیر و ہدایت ابتدا است
رحمۃ للعالمینی انتہا ست
(ص۱۲۸/۶۰۰)

اقبال نے یہ شعر غالب کے اس شعر سے متاثر ہو کر کہا ہے:

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃ للعالمینے ہم بود-[۵]

با نسیم آوارہ بودم در نشاط
'بشنواز نے' می سرودم در نشاط
(ص ۱۶۱/۶۳۳)

''بشنواز نے'' رومی کی ترکیب ہے اور پورا شعر یوں ہے (دفتر اول، ص ۲، مثنوی معنوی، رمضانی)

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائی ہا شکایت می کند

❁

نکتہ آرائے کہ نامش برتری است
فطرتِ او چوں سحابِ آذری است
(ص ۱۶۸/۶۴۰)

''برتری'': - راجا بھرتری ہری، راجا بکرماجیت کے بھائی تھے - یہ عالم اور شاعر تھے - انہوں نے راج چھوڑ دیا تھا - یہ چھٹی صدی عیسوی کے بعد ہوئے ہیں - ان کی کتاب بھرتری ہری شتک ہے جس میں سیاست، عشق اور زہد کے مضامین ہیں - جوڈ کے بیان کے مطابق بھرتری ہری، ہرش وردھن کے درباری شعرا میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے - [6]

❁

ناصر خسرو علوی

(ص ۱۴۴/۶۴۶)

ابو معین ناصر بن خسرو علوی گیارہویں صدی کے مشہور ترین فارسی شعرا میں سے تھا - وہ بلخ کے قریب ۳۱۴ھ (۱۰۰۳ء) میں پیدا ہوا - ایرانی مؤرخ عام طور پر اس کو علوی کہتے ہیں - اس نے مختلف اساتذہ سے تحصیلِ علم کی اور مروجہ علوم میں کمال پیدا کیا - ۱۰۴۵ء میں دفعتہً اس کی زندگی میں ایک انقلاب رونما ہوا جس کے صحیح اسباب معلوم نہیں لیکن ناصر نے خود انہیں الہام کے طور پر بیان کیا ہے - اس نے خواب کے بعد دنیوی وجاہت کو چھوڑ کر حج کا ارادہ کیا اور چار مرتبہ کعبہ کا طواف کیا - یہ سفر ناصر کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا - اس نے ایران اس وقت چھوڑا جب ایران میں مختلف سلاطین تخت کے لیے برسرِ پیکار تھے، اور یہ ایران کی تاریخ میں ایک نازک وقت تھا - اس نے دورانِ سفر تقریباً تمام اسلامی ممالک میں یہی حالت دیکھی؛ البتہ مصر میں یہ کشمکش نہ تھی - مصر میں اس وقت اسمٰعیلی خاندان حکمران تھا - ناصر نے سوچا کہ اس کی بدولت اسلام کی محافظت ہو سکتی ہے اور

یہی خاندان اس وقت اسلام کی زبوں حالی کو دور کر سکتا ہے- اس نے حکمران خاندان کے متعدد ممتاز عہدہ داروں سے ملاقات پیدا کی اور آخر کار اس مذہب کو قبول بھی کر لیا اور اس طرح اس نے خلیفہ المستنصر کی ہمدردی حاصل کی- بلخ واپس ہونے کے بعد ناصر نے اسمٰعیلی فرقے کی تبلیغ شروع کی لیکن سلجوقیوں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ ناصر کی تبلیغی سرگرمی ہمارے مفاد کے خلاف ہے- بالآخر اس کو بلخ سے بھاگنا پڑا- پہلے وہ مازندران پہنچا لیکن وہاں بھی عافیت نہ دیکھی- بعد ازاں بدخشاں کے پہاڑوں کی طرف نکل گیا جہاں اس نے اپنی عمر کے آخری ایام بسر کیے- یہیں اس نے اپنی اہم تصانیف مکمل کیں اور ۴۵۳-۴۵۲ھ (۶۱-۱۰۶۰ء) میں انتقال کیا-

ناصر کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کی تصانیف نہایت درجہ غیر مربوط انداز میں پائی جاتی ہیں- اس کی تصانیف میں دیوان، روشنائی نامہ، جو فلسفیانہ مباحث میں بوعلی سینا کے مقالات سے بہت مشابہت رکھتا ہے اور سعادت نامہ جس میں مطلق العنان حکومت کی مذمت اور کسانوں کی حکومت کو سراہا گیا ہے، قابل ذکر ہیں- اس کی سب سے مشہور نثری تصنیف سفر نامہ ہے جو مکہ کے سفر پر مشتمل ہے- اس میں تاریخ کو گراں بہا معلومات مل جاتی ہیں- اس کی تصانیف زادالمسافرین، سفر نامہ، روشنائی نامہ اور سعادت نامہ مشہور ہیں -

❁

خوش	سرود	آں	شاعرِ	افغاں	شناس
آنکہ	بیند	،	باز	گوید	بے	ہراس

(ص ۱۷۵/۶۶۷)

"شاعرِ افغاں شناس":- مراد خوشحال خان خٹک سے ہے-

خوشحال خان خٹک پشتو کا مشہور وطن دوست شاعر ۱۰۲۰ھ (۱۶۱۳ء) میں پیدا ہوا- اس کے باپ کا نام شہباز خان تھا- خوشحال خاں اپنے باپ کے بعد خٹک قوم کا سردار تسلیم کیا گیا- شاہ جہاں نے اس کی قابلیت اور اثر کا پورا اندازہ کر لیا تھا؛ چنانچہ مغل حکمت عملی کے مطابق اس کی مدد کی گئی تا کہ برصغیر اور افغانستان کے درمیان رسل و رسائل کا سلسلہ بند نہ ہونے پائے۔ اورنگ زیب نے تخت نشین ہونے کے بعد کسی وجہ سے خوشحال خاں کی گرفتاری کا حکم جاری کیا؛ چنانچہ اس کو گرفتار کر کے گوالیار کے قلعے میں تقریباً سات سال رکھا گیا- اسیری کے زمانے میں اس نے بہت سے نظمیں لکھیں- بعد ازاں اس کو رہا کر دیا گیا- رہا ہونے کے بعد وطن واپس پہنچ کر اس نے تقریباً تمام افغان قبائل کو مغلوں کے خلاف برانگیختہ کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے مغلوں کو افغانستان سے نکال دیا- خوشحال خاں نے ۷۸ سال کی عمر میں انتقال کیا-[۸]

حوالہ کتب

۱- ابن قتیبہ، کتاب الشعر والشعرا، ص ۵۷-۸۲-

+ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۴، ص ۱۲۳۶-۱۲۳۷

۲- ابن قتیبہ، کتاب الشعر والشعرا، ص ۳۷-۵۶-

+ حسن السیدوبی، شرح دیوان امرء القیس، ص ۱۲۸، مطبوعہ قاہرہ-

+ مصطفیٰ الغلاینی، رجال المعلقات العشر، ص ۹۷، مطبوعہ بیروت-

+ نواب محمد یار جنگ بہادر، احسن المسبک، ص ۵۵، مطبوعہ حیدرآباد دکن-

+ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۲، ص ۴۷۷

Philip K.Hitti, History of the Arabs, pp 93-94.

+

۳- شبلی- شعر العجم، ج ا، ص ۱۸۸-۲۲۱-

+ آقای دکتر رضازادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، ص ۱۵۷-۱۶۳-

+ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج ۳، ص ۶۸۵-۶۸۶

Encyclopaedia of Religion and Ethics vol.ii,pp300-302.

-۴

E.G.Browne, Materials for the Study of the Babi Religion,

+

pp343-351.

۵- نیرنگ خیال، اقبال نمبر، ص ۲۲۵

J.M. Kennedy, Wise Sayings of Bhartrihari.

-۶

CEM Joad, Story of Indian Civilization,p 98 +

۷- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳، ص ۸۶۹--۸۷۰-

+ آقای دکتر رضازادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران ص ۱۳۸-۱۴۳

H.G.Raverty, The Poetry of the Afghans, pp. 142-248.

-۸

بالِ جبریل

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

حدیثِ بے خبراں ہے تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز!
(ص۳۰/۳۵۴)

"تو با زمانہ بساز":- مسعود سعد سلمان کا پورا شعر اس طرح ہے:

اگر سپہر بگردد ز حالِ خود تو مگرد
و گر زمانہ نسازد تو با زمانہ بساز!-

"ما از پے سنائی و عطار آمدیم!"
(ص۳۵/۳۵۹)

یہ مصرع رومی کے صاحبزادے سلطان کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

عطار روح بود و سنائی دو چشم او

ما از پے سنائی و عطار آمدیم

حکیم سنائی کے جس قصیدے کی پیروی میں اقبال نے یہ اشعار لکھے ہیں، اس میں ۹۳ شعر ہیں- اس قصیدے کا پہلا اور آخری شعر حسبِ ذیل ہے:

مکن در جسم و جاں منزل کہ ایں دونست و آں والا
قدم زیں ہر دو بیروں نہ، نہ اینجا باش و نہ آنجا

بہر چہ از اولیا گویند رزقنی و وفقنی
بہر چہ از انبیا گویند آمنا و صدقنا ۲-

ندا آئی کہ آشوبِ قیامت سے یہ کیا کم ہے
"گرفتہ چینیاں احرام و مکّی خفتہ در بطحا"

(ص ۳۷/۳۶۱)

مصرعِ ثانی سنائی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

چو علمت ہست خدمت کن چو بے علماں کہ زشت آید
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا ۲-

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
"کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را"

(ص ۳۸/۳۶۲)

مصرعِ ثانی بہ ادنیٰ تغیر صائب کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے:

ازاں خورشید بر گردِ جہاں سر گشتہ می گردد
کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بندد سرِ خود را ۳-

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا

(ص ۳۹/۳۶۳)

''سنائی'':- ابوالمجد مجدود ابنِ آدم سنائی کا وطن غزنی تھا- ان کی زندگی کے حالات تذکرہ نگاروں نے بہت کم لکھے ہیں- یہ بہرام شاہ بن مسعود شاہ غزنوی کے زمانے میں تھے- سنائی کی مشہور تصنیف جو انہوں نے بہرام شاہ کے سامنے پیش کی، حدیقہ یا حدیقۃ الحقیقت ہے- یہ کتاب ۱۱۳۱ء میں ختم ہوئی اور اسی سال مصنف کا انتقال ہو گیا- سنائی اوائل عمر میں قصیدہ نگار تھے اور بہرام شاہ کے درباری شاعر بھی، مگر چند واقعات نے ان پر ایسا گہرا اثر کیا کہ انہوں نے مدح سرائی ترک کر دی اور اپنے لیے دوسرا میدان تلاش کر لیا جس کی وجہ سے آج تک ان کا نام زندہ ہے-

صوفیانہ خیالات کو مثنوی کی صورت میں پیش کرنے والوں میں سنائی صف اول میں آتے ہیں- انہوں نے متعدد مثنویاں لکھی تھیں جن میں حدیقہ سب سے زیادہ مقبول ہوئی -۴

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لیے

(ص ۵۶/۳۸۰)

مصرع ثانی شیفتہ کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے:

فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں پر کچھ کچھ
بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیبِ داستاں کے لیے

ہے یاد مجھے نکتۂ سلمانِ خوش آہنگ
دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لیے تنگ
کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے، طاؤس فقط رنگ

(ص ۷۷/۴۰۱)

اقبال کا یہ قطعہ مسعود سعد سلمان کے مندرجہ ذیل قطعہ سے ماخوذ ہے۔

باہمت باز باش و با کبر پلنگ
زیبا بگہ شکار و پیروز بجنگ
کم کن بر عندلیب و طاؤس درنگ

کا نجا ہمہ بانگ آمد و اینجا ہمہ رنگ

مسعود سعد کے مضمون کو اقبال نے اپنی جدت فکر سے بغایت بام ترقی پر پہنچا دیا ہے۔

''سلمان'':۔ مسعود سعد سلمان ۱۰۴۶ء میں لاہور میں پیدا ہوا۔ باپ کا نام سعد سلمان تھا جو شاہ غزنی کی طرف سے لاہور اور دوسرے مقامات میں بہت سی جائداد کا مالک تھا۔ اس کے مرنے پر لوگوں نے سلمان کو اس جاگیر سے محروم کردیا۔ یہ دادخواہی کے لیے غزنی پہنچا۔ وہاں اس کے مخالفین نے غلط الزامات لگا کر اس کو قید کرادیا۔ اس نے شاہ غزنی کی شان میں ایک قصیدہ لکھا جس میں اپنی تکالیف کا بھی اظہار کیا۔ بادشاہ خوش ہوا اور سلمان نے قید سے نجات پائی۔ سلمان مرثیہ بھی خوب لکھتا تھا۔ اس کا انتقال ۲۲-۱۱۲۱ء یا ۱۱۲۵ء میں ہوا۔ اس کے حبسیہ قصائد تاثیر اور درد کے لحاظ سے جواب نہیں رکھتے۔ تمام تذکرہ نگاروں نے اس کو اپنے عہد کا بڑا شاعر تسلیم کیا ہے۔۵

۞

عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام
(ص۸۷/۴۲۱)

''کاس الکرام''۔ یہ ترکیب رومی کے اس شعر سے ماخوذ ہے:

جرعۂ بر ریختی زاں خفیہ جام
بر زمینِ خاکِ من کاس الکرام۔۶

اور یہی ترکیب عربی کے مندرجہ ذیل شعر میں بھی آئی ہے:

شربنا واھرقنا من الماء جرعة
وللارض من کاس الکرام نصیب

(مطلب یہ ہے کہ جب ہم نے شراب پی، اس کا ایک گھونٹ زمین پر بھی بہا دیا۔ بس ثابت ہوا کہ سخی کے پیالے میں زمین یعنی دوسروں کا حصہ بھی ہوتا ہے۔)

۞

حق را بسجودے، صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغِ حرم و دیر بجھا دو
(ص۱۱۳/۴۳۷)

''حق را بسجودے''- یہ ترکیب غالب کے مندرجہ ذیل قطعہ سے ماخوذ ہے- اقبال کے مصرع اولیٰ میں ''فریبند''محذوف ہے-

فرصت اگرت دست دہد مغتنم انگار
ساقی و مغنی و شرابے و سرودے
زنہار ازاں قوم نباشی کہ فریبند
حق را بسجودے و نبی را بہ درودے

❁

دریغ آدم زاں ہمہ بوستاں
تہی دست رفتن سوئے دوستاں
(ص۱۱۴/۴۳۸)

یہ شعر سعدی کا ہے-

❁

سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحابِ شب
کوہِ اضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
گرد سے پاک ہے ہوا ، برگِ نخیل دھل گئے
ریگِ نواحِ کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں
(ص۱۱۴/۴۳۸)

''اضم اور کاظمہ''اقبال نے یہ دونوں لفظ عربی کے مشہور قصیدۂ بردہ سے لیے ہیں-قصیدۂ بردہ کا وہ شعر (۲) یہ ہے:

ام ھبت الریح من تلقاء کاظمۃ
واو مض البرق فی الظلماء من اضم
(یا تو مقامِ کاظمہ کی طرف سے محبت کی ہوا چل پڑی یا پھر موضع اضم کی جانب سے بجلی کوندی-)

❁

''فرصتِ کشمکش مدہ ایں دل بے قرار را
یک دو شکن زیادہ کن گیسوئے تابدار را''

(ص۱۱۶/۴۴۰)

یہ شعر زبورِ عجم کا ہے جو صفحہ ۳۷۶ پر ہے۔

❁

"اگر یک سر موئے بر تر پرم
فروغ تجلّی بسوزد پرم"

(ص۱۳۳/۴۵۷)

یہ شعر سعدی کا ہے۔ (کلیات سعدی، ص۲۰۴)

❁

"جاتا ہوں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں"

(ص۱۵۴/۴۷۸)

غالب کا اصل شعر یوں ہے: (دیوان غالب اردو، ص۸۱)

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ
پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

❁

"عاقبت منزل ما وادیٔ خاموشان است
حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز"

(ص۱۵۶/۴۸۰)

یہ شعر حافظ کا ہے -(ص۲۳۹، دیوانِ حافظ، قاضی سجاد)

❁

رومتہ الکبریٰ دگر کوں ہو گیا تیرا ضمیر
اینکہ می بینم بہ بیداری است یارب یا بخواب

(ص۱۵۷/۴۸۱)

دوسرا مصرع انوری کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔(دیوان انوری، ج۱، ص۲۵، مطبع دانش گاہ تہران)

اینکہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب

خویشتن را در چنین نعمت پس از چندیں عذاب

❁

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات

(ص ۱۶۲/۴۸۶)

''معری''۔معری کا پورا نام ابوالعلا احمد بن عبداللہ التنوخی تھا۔وہ بمقام معرۃ ۹۷۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۰۵۷ء میں وفات پائی۔اس نے شام میں یونانی حکمت اور ہندی فلسفہ کی تعلیم پائی۔اس کے بعد بغداد پہنچا جہاں اس نے اپنے لیے عربی ادب میں ایک مقام پیدا کیا۔معری کے جوانی کے اشعار بہت مبالغہ آمیز ہیں اور وہ متنبی کی تقلید کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔اس کے اشعار میں علمی اصطلاحات کی بڑی کثرت ہے۔اس کے ہاں مبہم تراکیب بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔وہ بیک وقت شاعر اور فلسفی تھا۔غفران اور لزومیات اس کی تصانیف ہیں۔۷

❁

یہ کہتا ہے فردوسی دیدہ ور
عجم جس کے سرمے سے روشن بصر

(ص ۱۶۶/۴۹۰)

''فردوسی'':۔ فردوسی کا پورا نام ابوالقاسم حسن بن اسحاق بن شرف تھا اور فردوسی تخلص۔ وہ تقریباً ۹۴۱ء میں پیدا ہوا اور ۱۰۲۰ء یا ۱۰۲۵ء میں فوت ہوا۔اس کا شمار ایران کے مشہور ترین شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ دور غزنویہ کا سب سے بلند پایہ شاعر تھا۔ فردوسی اپنے زندۂ جاوید شاہنامہ کی وجہ سے غیر معمولی شہرت کا مالک ہے۔ شاہنامہ کی ابتدا دقیقی نے کی لیکن تکمیل اس کو فردوسی نے کیا۔ شاہنامہ ایک بحر زخار ہے۔فردوسی نے شاہنامہ ۳۵ سال کی مسلسل کاوش کے بعد مکمل کیا۔ اس کا آغاز طوس میں ہوا تھا اور تکمیل غزنی میں ہوئی۔ فردوسی کو فارسی ناقدوں نے مثنوی کا پیغمبر مانا ہے اور ہر زمانے میں اس کا کلام عزت کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔۸

❁

نکتۂ دل پذیر تیرے لیے
کہہ گیا ہے حکیم قاآنی

(ص ۱۷۰/۴۹۴)

''قاآنی'':۔ قاآنی کا پورا نام مرزا حبیب اللہ تھا اور قاآنی تخلص۔ وہ ۱۸۰۷ء میں بمقام شیراز پیدا ہوا اور

۱۸۵۴ء میں وفات پائی - شاعری اس کو ورثہ میں ملی تھی - اوائل عمر میں قاآنی نے اپنی ذہانت سے پورا فائدہ اٹھا کر تحصیلِ علم میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور حکمت و بلاغت اور علوم و فنون میں کامل دستگاہ پیدا کی - اکتسابِ علم سے فراغت کے بعد قاآنی نے اپنی تمام تر توجہ شاعری کی طرف مبذول کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اپنی شیریں کلامی کی وجہ سے دور و نزدیک مشہور ہو گیا - قصیدے میں اس نے متقدمین کی پیروی کی اور ان کے طرز کو پایۂ کمال تک پہنچایا - ۹

حوالہ کتب

۱- علی اکبر دہخدا، کتابِ امثال و حکم، ج ۲، ص ۹۱۳

۲- مدرس رضوی، دیوان سنائی، ص ۴۸-۵۴

۳- کلیاتِ صائب، ص ۴۷، مطبوعہ نول کشور لکھنو

۴- آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخِ ادبیاتِ ایران، ص ۱۱۵-۱۲۱

۵- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳، ص ۴۰۲-۴۰۳-

+ شیخ محمد اکرام، ارمغانِ پاک، ص ج-د

۶- مثنوی معنوی دفتر پنجم، ص۲۶ مطبوعہ نول کشور، لکھنو

۷- احمد حسن الزیات، تاریخ الادب العربی، ص۳۰۱-۳۰۶

۸- شبلی-شعر العجم، ج۱، ص۷۸-۱۵۱-

+ آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، ص۷۸-۹۹

E.G. Browne - A Literary History of Persia, vol.ii,pp129-149. +

۹- آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، ص۳۶۱-۳۶۵

مسافر

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

چشمِ صائب از سوادش سرمہ چیں

روشن و پایندہ باد آں سر زمیں

(ص۵۶/۷۳۲)

''از سوادش سرمہ چیں''-پورا شعر صائب کا اس طرح ہے:

خوشا وقتے کہ چشم از سوادش سرمہ چیں گردد
شوم چوں عاشقان و عارفاں از جاں گرفتارش ۱۔

❁

ہزار مرتبہ کابل نکوتر از دلی است
کہ آں عجوزہ عروسِ ہزار داماد است

(ص۵۹/۳۵ے)

مصرع ثانی حافظ کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:(ص۵۴، دیوانِ حافظ، قاضی سجاد)

مجو درستی عہد از جہانِ سست نہاد
کہ ایں عجوزہ عروسِ ہزار داماد است

❁

دولت محمود را زیبا عروس
از حنا بندانِ او دانائے طوس

(ص۵۹/۳۵ے)

''دانائے طوس'':۔ اشارہ فردوسی کی طرف ہے اور یہ ترکیب نظامی کی ہے:

سخن گوئے پیشینہ دانائے طوس
کہ آراست زلفِ سخن چوں عروس

❁

آں حکیم غیبؑ آں صاحب مقام
ترک جوشِؑ رومی از ذکرش تمام

(ص۶۰/۳۶ے)

''حکیمِ غیب'' اور ''ترک جوش'' کی ترکیبیں رومی سے لی گئی ہیں:

ترک جوشی کردہ ام من نیم خام
از حکیمِ غزنوی بشنو تمام
در الٰہی نامہ گوید شرح ایں
آں حکیم غیب و فخر العارفین ۲۔

❁

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب ، دیں از نظر
(ص ۶۱/۷۳۷)

یہ شعر اکبرالہ آبادی کے مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ ہے:

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

❁

نکتہ سنجِ طوس را دیدم بہ بزم
لشکرِ محمود را دیدم بہ رزم
(ص ۶۴/۷۴۰)

''نکتہ سنجِ طوس'':- اشارہ فردوسی کی طرف ہے۔

❁

صدق و اخلاص و صفا باقی نماند
''آں قدح بشکست و آں ساقی نماند''
(ص ۶۵/۷۴۱)

مصرع ثانی عطار کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے:

از جمالش ذرۂ باقی نماند
آں قدح بشکست و آں ساقی نماند ۔۳

❁

او بہ بندِ نقرہ و فرزند و زن
گر توانی سومناتِ او شکن
(ص ۶۵/۷۴۱)

''نقرہ وفرزندوزن'':- یہ الفاظ رومی کے اس شعر سے لیے گئے ہیں:

چیست دنیا از خدا غافل بدن

نے تماش و نقرہ و فرزند و زن ۴-

حوالہ کتب

۱- کلیاتِ صائب، ص۲۹۲ مطبوعہ نول کشور لکھنو

۲- مثنوی معنوی- دفتر سوم- ص۲۵۶- مطبوعہ نول کشور، لکھنو

۳- مصیبت نامہ، ص۱۳۹، مطبع نور، مشہد، ذیقعدہ الحرام ۱۳۵۵ھ ق

۴- مثنوی معنوی، دفتر اول، ص۸۹، مطبوعہ نول کشور، لکھنو

پس چہ باید کرد

(کلیاتِ اقبال فارسی، ۱۹۹۰ء)

حمد بیحد مر رسولِ پاک را

آں که ایماں داد مشتِ خاک را

(ص ۳۴/۷۱۰)

اصل شعرِ عطار کا یوں ہے:

حمد بیحد مر خدائے پاک را

آں که ایماں داد مشتِ خاک را

⁂

بہرِ یک ناں نشترِ لا و نعم

منتِ صد کس برائے یک شکم

(ص ۴۴/۷۲۰)

"لاونعم" - اشارہ ہے عرفی کے مندرجہ ذیل شعر کی طرف: (کلیاتِ عرفی۔ص ۹)

اقبالِ کرم میگزد اربابِ ہمم را

ہمت نخورد نیشترِ لا و نعم را

⁂

ضربِ کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو،۱۹۹۰ء)

بگیر ایں همه سرمایۂ بہار از من

"که گل بدستِ تو از شاخ تازه تر ماند"

(ص۲۱/۵۲۱)

مصرع ثانی طالب آملی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

ز غارتِ چمنت بر بہار منت ہاست
کہ گل بدستِ تو از شاخ تازہ تر ماند

❁

آوازۂ حق اٹھتا ہے کب اور کدھر سے
"مسکیں دلکم ماندہ دریں کشمکش اندر"

(ص۳۹/۵۳۹)

مصرع ثانی قاآنی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

آں میبردش از چپ و ایں میکشد از راست
مسکیں دلکم ماندہ دریں کشمکش اندر!

❁

"عشق ناپید و خرد مے گزدش صورتِ مار"
عقل کو تابعِ فرمانِ نظر کر نہ سکا

(ص۸۳/۵۸۳)

پہلا مصرع زبورِ عجم (کلیاتِ فارسی) کا ہے۔ پورا شعر (صفحہ ۵۶/۴۰۰) پر اس طرح ہے۔

عشق ناپید و خرد می گزدش صورتِ مار
گرچہ در کاسۂ زر لعل روانے دارد

❁

"غافل منشیں نہ وقتِ بازی ست
وقتِ ہنر است و کار سازی ست"

(ص۱۰۰/۶۰۰)

یہ شعر نظامی گنجوی کا ہے۔۲

❁

نایاب نہیں متاعِ گفتار
صد انوری و ہزار جامی
(ص۱۰۱/۲۰۱)

''انوری'':- محمد نام، اوحد الدین لقب اور انوری تخلص تھا- اپنی ذہانت اور خداداد طبعِ رسا کی وجہ سے شاعری میں نام پیدا کیا- انوری، سلطان سنجر سلجوقی کا مداح تھا، سلطان اس کی بہت عزت کرتا تھا- رشید اور ظہیر اس کے ہم عصر تھے- انوری کا فارسی نظم میں بڑا درجہ ہے- قصیدہ گوئی اور بذلہ سنجی میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز تھا، جیسا کہ کہا گیا ہے:

در شعر سہ تن پیمبرانند
ہر چند کہ لانبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را
فردوسی و انوری و سعدی

اس کی وفات تقریباً ۱۱۹۱ء میں ہوئی- دیوان وقصائد انوری اب تک مقبول ہیں-۳

❁

اپنے نورِ نظر سے کیا خوب
فرماتے ہیں حضرتِ نظامی
(ص۱۰۱/۲۰۱)

''نظامی'':- نظام الدین نام، نظامی تخلص، شہر گنجہ کے رہنے والے تھے- فارسی شاعری کے مسلم الثبوت استاد مانے جاتے ہیں- ان کی کتاب 'سکندر نامہ' بہت مقبول ومشہور ہے- خمسۂ نظامی یعنی پانچ کتابوں کا مجموعہ فارسی میں بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس میں مخزن الاسرار، لیلیٰ ومجنوں، خسرو شیریں، ہفت پیکر اور سکندر نامہ شامل ہیں- ان کی پیدائش ۱۱۳۶ء میں ہوئی- وفات ۱۱۹۹ء میں پائی- ایک دیوان بھی یادگار ہے-۴

❁

آیا کہاں سے نالۂ نے میں سرورِ مے
اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوبِ نے؟
(ص۱۲۶/۶۲۶)

یہ شعر اس شعر سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے:

دم که مردنائی اندر نائے کرد
در خور نائے است نے در خورد مرد

❁

وہ صاحب تحفۃ العراقین
ارباب نظر کا قرۃ العین
(ص ۱۳۲/۶۳۲)

"صاحب تحفۃ العراقین":- مراد خاقانی سے ہے- ایران کا مشہور قصیدہ نگار خاقانی، منوچہر بادشاہ شروان کے عہد میں گذرا ہے- اس کو سلطان الشعرا کا خطاب ملا تھا- اس کا نام افضل الدین ابراہیم بن علی شروانی تھا- شروان کا رہنے والا، ابوالعلا گنجوی کا شاگرد تھا جس نے اسے خاقانی کا تخلص عطا کیا تھا- تحفۃ العراقین کا مصنف ہے جس میں عراق عجم اور عراق عرب کا حال نظم کیا گیا ہے- ایک ضخیم مجموعۂ قصائد اور ایک دیوانِ غزلیات اور مثنوی تحفۃ العراقین اس سے یادگار ہیں- بمقام تبریز ۱۱۸۶ء میں وفات پائی- اس کے قصائد رفعتِ خیال اور مشکل پسندی کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں- نعتِ رسول ﷺ سے اس کو خاص شغف تھا، اسی لیے حسان العجم کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے-۵

❁

حوالہ کتب

۱- کلیاتِ دیوان حکیم قاآنی شیرازی-ص ۹۱-چاپ خانۂ علمی تہران، ۱۳۱۸ خورشیدی

۲- نظامی گنجوی از مثنوی لیلی مجنوں، ص ۴۵ سبعۂ حکیم نظامی گنجوی، ج ا، از وحید دستگیری شرکت چاپ و انتشارات علمی چاپ دوم، مہر ۱۳۶۳ ش

۳- شبلی شعر العجم، ج ا، ص ۲۲۲-۲۴۲-

+ آقای دکتر رضا زادہ شفق-تاریخ ادبیات ایران ص ۱۶۹-۱۷۵

۴- شبلی-شعر العجم، ج ا، ص ۲۴۳-۲۹۷

۵- آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، ص ۱۹۶-۲۱۳

ارمغانِ حجاز
(کلیاتِ اقبال، فارسی ۱۹۷۵ء)

صبحت الکاس عنّا امّ عمرو
و کان الکاس مجراہا الیمینا
اگر این است رسمِ دوستداری
بدیوارِ حرم زن جام و مینا
(ص ۲۰/۷۷۲)

''امّ عمرو'': - عمرو ابن کلثوم، شاعر معلقات، سردار بنی تغلب مشہور جاہلی شاعر تھا - وہ ۶۰۰ء میں زندہ تھا - اس کی پیدائش و وفات کی صحیح تاریخ کا علم نہیں لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ۱۵۰ سال زندہ رہا - اس کی ماں تغلبی شاعر کی بیٹی تھی - اس نے اپنی ماں کی بے عزتی کا انتقام شہزادہ عمرو بن ہند سے لیا - ۱

بہ آں قوم از تو می خواہم کشادے
فقیہش بے یقینے، کم سوادے
بسے نادیدنی را دیدہ ام من
''مرا اے کاشکے مادر نہ زادے''
(ص ۲۳/۷۷۵)

چوتھا مصرع سعدی کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے:

خردمندان پیشیں راست گفتند
مرا خود کاشکی مادر نزادی - ۲

''ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا''
(ص ۲۹/۷۸۱)

اقبال نے عزت بخاری کے اس شعر کو ایک عنوان بنایا ہے۔

سید عبد الولی نام، عزت تخلص، والد کا نام سعد اللہ تھا جو نہایت نیک عالم اور اورنگ زیب کے معتمد علیہ تھے۔ عزت اپنے والد کی وفات کے بعد مرشد آباد چلے آئے۔ الہ وردی خاں نے ان کی مدد کی۔ اپنے مربی کی وفات کے بعد ۱۷۵۶ء میں یہ ملک دکن پہنچے اور وہیں انتقال کیا۔ یہ صاحب دیوان تھے۔[۳]

❁

"الا یا خیمگی خیمہ فروہل
کہ پیش آہنگ بیروں شد ز منزل"
خرد از راندنِ محمل فروماند
زمامِ خویش دادم در کفِ دل

(ص ۳۱/۷۸۳)

یہاں پہلا شعر منوچہری کا ہے۔

"منوچہری":۔ منوچہری غزنوی دور کا شاعر ہے اور تمام تذکرہ نگاروں نے اس کی قصیدہ نگاری کو سراہا ہے۔ اس کے کلام کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علوم متداولہ اور عربی ادب میں دستگاہ کامل رکھتا تھا۔

اس کی کنیت ابو النجم، نام احمد اور تخلص منوچہری تھا۔ وہ امیر منوچہر کے دربار سے تعلق رکھتا تھا اس لیے منوچہری تخلص اختیار کیا۔ بعد کو غزنوی دربار کا متوسل ہوا۔ آخر ۴۳۲ھ (۱۰۴۰ء) میں وفات پائی۔ اس کے قصائد میں عربی معاشرت کی مرقع کشی ملتی ہے اور وہ قصیدہ نگاروں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔[۴]

❁

گناہِ عشق و مستی عام کردند
دلیلِ پختگاں را خام کردند
بآہنگِ حجازی می سرائیم
نخستیں بادہ کاندر جام کردند

(ص ۳۲/۷۸۴)

چوتھا مصرع عراقی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

نخستیں بادہ کاندر جام کردند
ز چشمِ مستِ ساقی وام کردند

حرم جز قبلۂ قلب و نظر نیست
طوافِ او طوافِ بام و در نیست
میانِ ما و بیت اللہ رمزیست
کہ جبریل امیں را ہم خبر نیست
(ص ۸۵/۸۳۷)

دوسرا شعر مندرجہ ذیل شعر سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

فرنگ آئینِ رزاقی بداند
بایں بخشد، ازو وامی ستاند
بہ شیطان آنچناں روزی رساند
کہ یزداں اندر آں حیراں بماند
(ص ۱۱۵/۸۶۷)

ان اشعار کا بنیادی تصور سعدی کے حسب ذیل اشعار سے لیا گیا ہے: (کلیات سعدی، ص ۶۸)

اگر روزی بدانش در فزودی
ز ناداں تنگ تر روزی نبودی
بناداں آنچناں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیران بماند

حوالہ کتب

۱- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، ص ۳۳۵-

+ یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، ص ۱۳۸۲-۱۳۸۳

Reynold A. Nicholson, A Literary History of the Arabs,

+ pp.109-113.

Philip K. Hitti, History of the Arabs, pp.83-93. +

۲- کلیات شیخ سعدی با تصحیح کامل جناب آقای محمد علی فروغی، کتاب فروشی و چاپ خانہ محمد علی علمی طہران ۱۳۳۸، ص ۴۸۳

۳- نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر، ج ۲، ص ۸۳

۴- شبلی، شعر العجم، ج ۱، ص ۱۸۲-۲۰۲، طبع اعظم گڑھ

وہ کلیم بے تجلی! وہ مسیح بے صلیب!
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب!
(ص۱۳/۷۰۵)

مصرع ثانی اس شعر سے ماخوذ ہے۔

من چہ گویم وصفِ آں عالی جناب
نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

❁

کون بحر روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چون صنوبر گاہ نالد چوں رباب
(ص۱۴/۷۰۶)

مصرع ثانی قاآنی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے۔

گاہ گریم چوں صراحی، گاہ خندم چوں قدح
گاہ بالم چوں صنوبر، گاہ نالم چوں رباب

❁

اخلاصِ عمل مانگ نیا گانِ کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را
(ص۲۲/۷۱۴)

مصرع ثانی ہلالی کا ہے اور پورا شعر یوں ہے:

گر یار کند میل ہلالی عجبے نیست
شاہان چہ عجب گر بنوازند گدا را!۔

❁

"صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد دگر است
خبر بگیر کہ آواز تیشہ و جگر است"

(ص۶۰/۷۵۲)

یہ شعر مرزا مظہر جان جاناں کے "خریطۂ جواہر" سے ہے۔

مرزا مظہر جان جاناں کے والد مرزا جان شاعر تھے، گویا شاعری مظہر جان جاناں کو ورثے میں ملی تھی۔ مرزا مظہر کا دیوان مشہور ہے۔ اس کو اہلِ تصوف نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ۱۱۱۰ھ (۱۶۹۸ء) میں بمقام آگرہ پیدا ہوئے۔ زیادہ حصہ عمر کا دہلی میں بسر کیا اور وہیں ۱۰ محرم ۱۱۹۵ھ (۶ جنوری ۱۷۸۱ء) کو انتقال کیا۔ ۲

حوالہ کتب

۱۔ دیوان ہلالی، ص۲، مطبوعہ نول کشور لکھنو

۲۔ نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر، ج ۱، ص ۱۶۶

باقیاتِ اقبال

(طبع اول، ۱۹۵۲ء)

المدد سیّد مکّی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی
(ص ۲۶)

یہ شعر قدسی کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔ (ارمغان پاک، ص ۱۶۸)

مرحبا سید مکّی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

تیری الفت کی اگر ہو نہ حرارت دل میں
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا
(ص ۲۷)

مصرع ثانی غالب کا ہے اور پورا شعر یوں ہے: (دیوان غالب اردو، ص ۱۶)

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

خاک ہو کر یہ ملا اوج تری الفت میں
کہ ''فرشتوں نے لیا بہر تیمّم مجھ کو''
(ص ۳۱)

مصرع ثانی داغ دہلوی کا ہے اور پورا شعر اس طرح ہے:

دیکھ اے وادیٔ ایمن مجھے وہ خاک ہوں میں
کہ فرشتوں نے لیا بہر تیمّم مجھ کو

موج خونِ سرمد و تبریزی و منصور ہے
کس قدر رنگیں ہے یا رب داستانِ اہلِ درد
(ص ۱۰۱)

''سرمد'':- سرمد آرمینیا کے رہنے والے ایک شاعر تھے- مذہباً یہودی یا عیسائی مگر نوجوانی ہی میں مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے- ان کا خاندانی نام معلوم نہیں، نہ یہ پتہ چلتا ہے کہ قبول اسلام کے بعد کیا نام رکھا گیا- وہ اپنے تخلص سرمد ہی سے مشہور رہیں اور یہی نام قدیم تذکروں میں بھی پایا جاتا ہے- علم و فضل میں درجہ کمال رکھتے تھے- عربی زبان میں یدِ طولیٰ حاصل تھا- ابتدائی پیشہ تجارت تھا، اسی سلسلے میں شاہ جہاں کے عہد میں ایران سے برصغیر پاک و ہند آئے- شہر ٹھٹھہ (سندھ) میں بھی گزر رہا- یہاں ایک ہندو لڑکے پر عاشق ہو گئے- یہ عشق مجازی حقیقت کا زینہ ثابت ہوا- عقل و حواس جاتے رہے، جذب و جنون طاری ہو گیا- سندھ کے ریگزاروں میں بلا لحاظ سرد و گرم عریاں پھرتے رہے- آخر میں شاہ جہاں آباد پہنچے، شہزادہ دارا شکوہ سے ملاقات ہوئی، وہ ان کا معتقد ہو گیا- جب عالمگیر مالکِ تاج و تخت ہوا تو برہنگی کی خبریں اس کے کان تک پہنچائی گئیں- بادشاہ نے قاضی القضاۃ کو سرمد کے پاس برہنگی کی وجہ دریافت کرنے کے لیے بھیجا- جواب ملا:

دزدے عجبے برہنہ کردست مرا

بادشاہ نے یہ سن کر سرمد کو مجمع عام میں بلایا اور ان سے لباس پہننے کے لیے کہا- انہوں نے کچھ التفات نہ کیا- اس پر عالمگیر نے علماء سے کہا کہ محض برہنگی وجہ قتل نہیں ہو سکتی، ان سے کلمہ طیبہ پڑھنے کے لیے کہا جائے؛ چنانچہ کلمہ پڑھوایا گیا- لیکن انہوں نے لا الٰہ تک ہی پڑھا اور فرمایا کہ میں ابھی تک نفی میں مستغرق ہوں، درجۂ اثبات تک نہیں پہنچا- اس پر علماء نے کفر کا فتویٰ دیا: چنانچہ ان کو قتل کر دیا گیا- یہ واقعہ ۱۶۶۰ء کا ہے اور جامع مسجد دہلی کے قریب گذرا ہے-۱

تبریزی کا اشارہ شمس تبریزی کی طرف ہے-

درس گیر از گرامی ہمہ ورد
کہ برید از خود و باو پیوست

(ص ۱۲۷)

''گرامی'':- شیخ غلام قادر گرامی جالندھر کے ایک قصبے میں ۱۸۵۶ء میں پیدا ہوئے- وہ ایک متمول خاندان کے فرد تھے- انہوں نے تعلیم کی ابتدا جالندھر ہی میں کی- بعد ازاں وہ لاہور چلے آئے جہاں منشی فاضل امتیاز کے ساتھ پاس کیا- شعر و شاعری کا ذوق بچپن ہی سے تھا- گرامی نے اسکول کی معلمی بھی کی اور پولیس کی ملازمت بھی- رام پور بھی گئے اور حیدرآباد بھی- وہ حیدرآباد دکن میں کوئی پینتیس برس رہے- حیدرآباد کے قیام ہی میں گرامی دربار دکن کے شاعر خاص رہے- ۱۹۱۵ء میں دکن کو خیرباد کہہ کر ہوشیارپور چلے آئے اور وہیں

۲۶ مئی ۱۹۲۷ء کو انتقال کیا۔ گرامی کے کلام میں مغلیہ شعرا کا رنگ جھلکتا ہے۔ زبان میں پختگی اور شائستگی ہے اور بعض جگہ نہایت نفیس خیالات بڑے دل آویز طریقے سے نظم کیے ہیں۔۲

دریغا که رخت از جہاں بست اکبر
حیاتش بحق بود روشن دلیلے
(ص ۱۳۰)

''اکبر'':- خان بہادر سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی ۱۶ نومبر ۱۸۴۶ء کو پیدا ہوئے۔۱۸۶۷ء میں وکالت کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔۱۸۸۰ء میں منصف، ۱۸۸ء میں سب جج اور ۱۸۹۴ء میں جج ہوئے۔فن شاعری سے خاص لگاؤ تھا۔وحید الہ آبادی کے مایہ ناز تلامذہ میں تھے۔مغربی خیالات کو ایشیائی لباس پہنانا اور انگریزی الفاظ کو اردو میں ضم کرنا، اور ظرافت کے پہلو میں مغربی تعلیم وتہذیب کے برے اثرات کا خاکہ اڑانا ان کا رنگِ خاص تھا۔ ان سے چار دیوان یادگار ہیں۔ ۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو انتقال کیا۔۳

لیکن شنیدهٔ که دمِ گردشِ شراب
پیرِ عجم چه گفت برندانِ مے پرست
دانا که دید شعبدهٔ چرخ حقه باز
ہنگامه باز چید و درِ گفتگو بہ بست
(ص ۱۳۵)

پیرِ عجم کا اشارہ حافظ کی طرف ہے اور دوسرا شعر حافظ کا ہے، لیکن اس طرح ہے: (ص ۸۲، حافظ)

دانا چو دید بازیٔ ایں چرخ حقه باز
ہنگامه باز چید و درِ گفتگو بہ بست

الوداع اے سیر گاهِ شیخ شیراز الوداع
اے دیارِ بالمیکِ نکته پرداز الوداع
(ص ۱۵۰)

''بالمیک'':- بالمیک، وردھن کا لڑکا تھا۔ادھیاتما رامائن کی رو سے اگرچہ بالمیک برہمن تھا لیکن وہ چوروں اور

ڈاکوؤں کے ساتھ رہا کرتا تھا، بالمیک کو رہزنی میں خاصی مہارت ہوگئی تھی اور اس کا یہ مشغلہ ایک مدت تک جاری رہا۔ ایک روز بالمیک کا سابقہ ایک صاحبِ کرامات بزرگ سے پڑا۔ اس نے عادت کے مطابق اس بزرگ کو قتل کی دھمکی دی اور اس کا مال و اسباب چھیننا چاہا، لیکن اس صاحبِ کرامات بزرگ نے کہا کہ تو پہلے اپنے گھر جا اور اپنی بیوی اور بچوں سے مشورہ کر کہ آیا وہ تیری اس لوٹ مار کی زندگی میں شریک ہیں؛ چنانچہ بالمیک اپنے گھر پہنچا اور جواب نفی میں پا کر مایوس ہوا۔ اس بزرگ نے اسے ایک لفظ 'مارا' بار بار پڑھنے کی تلقین کی (مارا، راما کی بگڑی ہوئی صورت) اور خود غائب ہوگیا۔ یہ صاحبِ کرامات بزرگ ایک طویل مدت کے بعد واپس ہوا تو اس نے دیکھا کہ ڈاکو بالمیک مسلسل اس کا ورد کر رہا تھا۔ آخر کار یہ ڈاکو اس بزرگ کی دعا اور اس ورد کے صلے میں خود بھی باکمال ہوا۔ صاحبِ کرامات بالمیک صاحبِ تصنیف بھی تھا۔ اس کی غیر فانی تصنیف رامائن ہے۔[۴]

حوالہ کتب

۱۔ شیخ محمد اکرام، ارمغانِ پاک، ص ۶۱-۶۲، ادارۂ مطبوعات پاکستان، کراچی، اشاعت ثانی ۱۹۵۳ء۔

+ نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر، ج ا، ص ۲۸۷-۲۸۸

۲۔ شیخ محمد اکرام۔ ارمغانِ پاک، ص ۷۷، ادارۂ مطبوعات پاکستان، کراچی، اشاعت ثانی، ۱۹۵۳ء۔

+ نقوش، شخصیات نمبر، ۵۶-۶۲

۳۔ طالب الہ آبادی، اکبر الہ آبادی

The Encyclopaedia Indica(HindiEdition),

۴۔

Calcutta 1930,Vol:21,pp,226-228.

رحلتِ سفر

(نقش اول، جنوری ۱۹۵۲ء)

"نقش فریادی ہے تیری شوخیِ تحریر کا"

"کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا"

(ص-۸)

غالب کے شعر میں معمولی سا تصرف کیا گیا ہے- اصل شعر یوں ہے: (دیوان غالب اردو، ص ۱)

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

۞

کر دیا قدرت نے پیدا ایک دونوں کا نظیر
داغ یعنی وصلِ فکرِ میرزا و دردِ میر

(ص-۹)

"فکرِ میرزا اور دردِ میر" کا اشارہ بالترتیب مرزا غالب اور میر تقی میر کی طرف ہے-

"میر":- میر محمد تقی نام، میر تخلص- اردو زبان و ادب کے ماہرِ فن کی تاریخ پیدائش و وفات میں اختلاف ہے- سال پیدائش تقریباً ۱۱۳۷ء (۱۷۱۴ء)- سالِ وفات ذکرِ میر کے حوالے سے ۱۲۲۵ھ (۱۸۰۹ء) ہوتا ہے- میر کی تصانیف میں ذکرِ میر، نکات الشعرا اور چھ ضخیم دیوان غزلوں کے زیادہ مشہور ہیں- میر اردو غزل کے مسلم الثبوت استاد تھے- ان کے اشعار صاف، سادہ اور تیر و نشتر کا کام دینے والے، درد و اثر سے مملو ہوتے ہیں- اظہار جذبات، چستی بندش اور ترنم میں وہ اپنی آپ نظیر ہیں- ان کے کلام میں جو حزن و ملال اور حسرت و مایوسی ہے، وہی ان کی شاعری کی جان ہے- میر شاعری اور زبان دانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے- میر کی شہرت خاص طور پر ان کی غزلوں اور مثنویوں پر مبنی ہے- غزلوں میں تو فی الحقیقت ان کا جواب نہیں- میر کے کلام کی حلاوت و دل آویزی، ان کے اشعار کا درد و اثر اور رنگینی آج تک مشہور ہے بلکہ جب تک اردو زبان باقی ہے، مشہور رہے گی-۱

۞

زندگی جزو کی ہے کل میں فنا ہو جانا
"درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا"

(ص ۱۳۶)

مصرع ثانی غالب کا ہے اور پورا شعر یوں ہے: (دیوان غالب اردو، ص ۳۹)

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا
درد کا حد سے گزرنا ہے دوا ہو جانا

نسیم و تشنہ ہی اقبال کچھ نازاں نہیں اس پر
مجھے بھی فخر ہے شاگردیِ داغ سخنداں کا ۔۲

(ص۳۸۶)

نسیم اشارہ ہے، سید شبیّر حسین جعفری نسیم بھرت پوری کی طرف۔
تشنہ سے مراد ہے حافظ محمد یوسف خان تشنہ۔

حوالہ کتاب

۱۔ مرزا محمد عسکری، تاریخ ادب اردو، صفحہ ۱۴۵-۱۷۴۔
۲۔ باقیات اقبال، طبع ۱۹۷۸ء، آئینہ ادب لاہور۔

باب ہشتم

اقبال کے کلام میں بعض خاص شخصیتوں کا ذکر

اسرارِ خودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

عاشقی آموز و محبوبے طلب
چشمِ نوحے ، قلبِ ایوبے طلب
(ص ۲۲/۳۸)

''نوحؑ'':- اشارہ حضرت نوحؑ کی طرف ہے۔

حضرت نوحؑ بن لامخ یا لمک عراق میں ایک نہایت قدیم پیمبر گذرے ہیں۔حسبِ روایت توریت حضرت آدم سے دسویں پشت میں تھے۔آپ گریہ وزاری بہت کیا کرتے تھے۔عمر ۹۵۰ سال کی پائی۔ا

''ایوبؑ'':- اشارہ حضرت ایوبؑ کی طرف ہے۔

حضرت ایوبؑ اسرائیلی تو نہ تھے لیکن اسحاقی و ابراہیمی تھے یعنی حضرت ابراہیمؑ سے پانچویں پشت میں۔ حضرت اسحاقؑ کے بڑے صاحبزادے عیص کی اولاد میں تھے۔توریت میں ہے کہ عوض کی سرزمین کے رہنے والے تھے اور عوض کے متعلق علمائے فرنگ کی تحقیق ہے کہ یہ عرب کے شمال مغرب میں فلسطین کی شرقی سرحد کے قریب کا ملک تھا۔ زمانہ آپ کا متعین نہ ہوسکا۔ علمائے یہود کا بیان ہے کہ آپ کی عمر ۲۱۰ سال کی ہوئی اور آپ فرزندانِ یعقوب کے ہم عصر ہیں۔پیغمبر ہونے کے ساتھ آپ امیر کبیر بھی تھے اور کثیر الاولاد بھی۔

توریت میں ہے:

''عوض کی سرزمین میں ایوب نام کا ایک شخص تھا۔وہ شخص کامل اور راستباز اور خدا سے ڈرتا اور بدی سے دور رہتا تھا۔ اس کے ہاں سات بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اس کے پاس سات ہزار بھیڑیں اور تین ہزار

اونٹ اور پانچ سو جوڑی بیل اور پانچ سو گدھیاں اور بہت سے نوکر چاکر تھے، ایسا کہ اہلِ شرق میں وہ بڑا آدمی تھا''۔۲

کاملِ بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

(ص ۴۱/۲۵)

''کاملِ بسطام'':- مراد خواجہ بایزید بسطامیؒ ہیں۔حضرت بایزیدؒ بسطام کے مشہور ترین صوفی تھے۔ ان کا اصلی نام طیفور تھا۔ اسی وجہ سے بعض ان کو بایزید طیفور البسطامی بھی کہتے ہیں۔ان کے دادا گبر تھے بعد میں مسلمان ہوگئے تھے۔بایزیدؒ اپنے زمانے کے ممتاز ترین صوفیہ میں شمار ہوتے تھے۔ان کی عبادت، زہد و تقویٰ اور فنا فی الرسولؐ ایسی چیزیں تھیں جو آنے والے صوفیہ اور اولیا کے لیے مشعل راہ ثابت ہوئیں۔بایزیدؒ کو رسول کریمؐ کی ذات گرامی سے والہانہ عشق تھا۔ اس کا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے تمام عمر اس خیال سے خربوزہ نہیں کھایا کہ معلوم نہیں رسول اکرمؐ نے کس طرح اس کو تراش کر کھایا ہے۔آپ چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی ترک نہیں کرتے تھے۔۲۶۱ھ (۸۷۵ء) میں انتقال کیا۔ ابن خلکان کے نزدیک بایزید کا سال وفات ۸۷۷/۸۷۸ء ہے۔ ۳

با تو می گویم حدیثِ بو علی
در سوادِ ہند نامِ او جلی

(ص ۴۴/۲۸)

''بو علی'':- نام شیخ شرف الدین اور لقب بو علی قلندر تھا۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے والد ۶۰۰ھ (۱۲۰۳ء) میں عراق سے برصغیر پاک و ہند آئے۔وہ جید عالم تھے۔شیخ بو علی قلندر ۶۰۵ھ (۱۲۰۸ء) میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔کمسنی میں تمام علومِ ظاہری حاصل کیے اور بیس برس تک دہلی میں قطب مینار کے پاس ان کا درس جاری رہا۔لیکن جب تصوف کی طرف مائل ہوئے اور عبادت و ریاضت کی تو جذب و سکر کی حالت میں علوم و فنون کی تمام کتابیں دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی اور پانی پت کے مضافات، کرنال کے نواح میں آخر وقت تک مقیم رہے۔ لیکن اس جذب و سکر کی حالت میں بھی آپ تبلیغ و اشاعتِ اسلام میں مصروف رہے۔ چنانچہ ڈاکٹر آرنلڈ نے اپنی زندۂ جاوید تصنیف ''پریچنگ آف اسلام'' میں لکھا ہے کہ بہت سے راجپوت

خاندان آپ ہی کی وجہ سے اسلام لائے -حضرت بوعلی قلندرؒ کے ہم عصر سلاطین کو ان سے بڑی عقیدت تھی - ان سلاطین میں جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی کے نام قابل ذکر ہیں - ان کا انتقال ۷۲۴ھ (۱۳۲۳ء) میں ہوا اور کرنال میں مدفون ہوئے ، لیکن ان کے بعض اعزہ نے پوشیدہ طور پر نعش کو پانی پت لے جا کر دفن کر دیا- قلندرؒ پانی پتی صاحبِ تصنیف بزرگ تھے -ان کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں - ۱-مکتوبات بنام اختیار الدین- ۲-قلم نامۂ شرف الدین- ۳-مثنوی کنزالاسرار اور ۴-رسالۂ عشقیہ- حضرت بوعلی قلندرؒ برصغیر پاک و ہند کے ممتاز صوفیہ میں سے ہیں- رسالۂ عشقیہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

مرحبا اے بلبلِ باغِ کہن
از گلِ رعنا بگو با ما سخن -۴

۞

ماہی و از سینہ تا سر آدم است
چوں بناتِ آشیاں اندر یم است
(ص ۳۷/۵۳)

''بناتِ آشیاں'':- سمندر کی تین پریاں جن کو انگریزی میں سائرنز (Sirens) اور عربی میں بنات البحر کہتے ہیں-ہومر (Homer) کے ہاں ان کی تعداد دو ہے اور متاخرین کے ہاں بالعموم تین- ملاحوں کے توہمات کی رو سے ان کا آدھا جسم مچھلی کا ہے اور آدھا انسان کا اور جہاز ران ان کے پرکیف نغموں سے بے راہ ہو کر دریا میں ڈوب جاتے ہیں- ابتدائی ادب میں ان پریوں کی ہیئت یوں بھی آئی ہے کہ یہ چڑیاں ہیں جو عورتوں جیسا سر رکھتی ہیں -بعد ازاں ان کی تعریف یہ بھی کی گئی کہ وہ ایسی عورتیں ہیں جن کے پیر چڑیوں کی طرح ہیں اور بازو ہیں بھی اور نہیں بھی -۵

۞

دل بہ سلمائے عرب باید سپرد
تا دمد صبحِ حجاز از شامِ کرد
(ص ۳۹/۵۵)

''سلمیٰ'':- ادبیاتِ عرب میں ایک محبوبہ کا نام ہے -دوسرے مصرع میں شیخ حسام الدین ضیاء الحق کے مقولے کی طرف اشارہ ہے-

اسسیتُ کُردیاً و اصحبت عربیاً ،یعنی میں شام کو کُردی تھا اور صبح کو عربی بن گیا -مطلب یہ کہ رات

ہی رات کے اندر خدا کے فضل سے وہ علوم و معارف حاصل ہو گئے کہ صبح ہوتے ہی ایک جاہل و نادان انسان فاضل اجل اور خازنِ اسرارِ الٰہی بن گیا۔

شیخ صلاح الدین زرکوب کی وفات کے بعد مولانا رومؒ نے حسام الدین چلپی کو جو مولانا کے معتقدان خاص میں سے تھے، ہمدم و ہمراز بنا لیا تھا اور جب تک وہ زندہ رہے، انہی سے دل کو تسکین دیتے رہے۔ باوجودیکہ وہ مولانا کے مرید تھے لیکن مولانا ان کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے کہ دیکھنے والوں کو گمان ہوتا تھا کہ شاید یہ مولانا کے پیر و مرشد ہیں۔ مثنوی کی تصنیف کے اصلی محرک حسام الدین ہی تھے۔ مثنوی کے سلسلۂ تصنیف میں حسام الدین کو خاص دخل رہا ہے: چنانچہ مثنوی کے چھ دفتروں میں سے بجز دفتر اول کے ہر دفتر حسام الدین ضیاء الحق کے نام سے مزین ہے۔ ۶

❁

سیّد	ہجویرؒ	مخدومِ	امم
مرقدِ	او	پیر	سنجر را حرم

(ص ۵۱/ ۶۷)

"سید ہجویرؒ": ابوالحسن کنیت اور علی نام تھا۔ ہجویر اور جلاب غزنین کے دو گاؤں ہیں۔ شروع میں ان کا قیام یہیں رہا، اس لیے ہجویری اور جلابی کہلائے۔ آخرِ زندگی میں لاہور آ کر رہے اس لیے لاہوری بھی مشہور ہوئے۔ ولادت ۴۰۰ھ (۱۰۰۷ء) میں ہوئی اور وفات ۴۶۵ھ (۱۰۷۲ء) میں لاہور میں ہوئی۔ بھاٹی دروازے کے قریب آپ کا مزار ہے۔ آپ نے روحانی کسبِ کمال کے لیے تمام اسلامی ممالک شام، عراق، بغداد، پارس، قہستان، آذربائیجان، طبرستان، خوزستان، کرمان، خراسان، ماوراء النہر اور ترکستان کا سفر کیا اور وہاں کے اولیاء اور صوفیہ سے مستفیض ہوئے۔ باطنی اور روحانی تعلیم ابوالفضل محمد بن الحسن ختلی سے پائی جو جنیدیہ سلسلے میں منسلک تھے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی جو سید ہجویرؒ کے اعلیٰ روحانی کمال کی دلیل ہے۔ جب چلّے سے فارغ ہوئے تو یہ شعر پڑھا:

گنج	بخشِ	فیضِ	عالم،	مظہرِ	نورِ خدا
ناقصاں	را	پیرِ	کامل،	کاملاں	را رہنما

عوام سید ہجویر کو داتا گنج بخش کے نام سے جانتے ہیں۔

علی ہجویریؒ صاحبِ تصنیف بزرگ تھے۔ آپ کی تصانیف کے نام یہ ہیں (۱) منہاج الدین (۲) کتاب الفنا والبقا (۳) اسرار الخرق والمؤنات (۴) کتاب البیان لاھل العیان (۵) بحر القلوب (۶) الرعایۃ لحقوق

اللہ اور (۷) کشف المحجوب - ان میں سے صرف کشف المحجوب ہی ملتی ہے - باقی کتابیں مفقود ہیں - کشف المحجوب ہی میں آپ کے ایک دیوان کا بھی ذکر ملتا ہے - کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے - یہ کتاب ہر زمانے میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے مثل سمجھی گئی ہے - ۷

''پیر سنجر'': - اشارہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کی طرف ہے -

برصغیر پاک وہند میں سلسلہ چشتیہ کے بانی، خواجہ معین الملت والدّین حسن چشتی سجزی، سجستان میں پیدا ہوئے - آپ کے والد غیاث الدین حسن سجزی ایک نہایت صاحبِ جاہ وثروت بزرگ تھے - پندرہ برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا - ترکے میں ایک باغ ملا، اس کی نگہبانی کرتے تھے - ایک روز ابراہیم قلندر نامی ایک مجذوب باغ میں آئے - ان بزرگ کی صحبت سے خواجہ معین الدینؒ علائق دنیا کو چھوڑ کر خدا کی طلب میں مشغول ہو گئے اور سمرقند پہنچے - یہاں قرآن حفظ کیا اور علومِ ظاہری کی تعلیم میں منہمک رہے - سمرقند سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے - قصبہ ہارون میں شیخ عثمان ہارونیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے شرفِ بیعت حاصل کیا - آپ کا شمار برصغیر پاک وہند کے مشہور ترین صوفیہ میں ہے - آپ کے کمالاتِ ظاہری وباطنی اظہر من الشمس ہیں - آپ ۵۶۱ھ (۱۱۶۵ء) میں اجمیر وارد ہوئے - آپ کی تاریخِ وفات ۶ رجب ۶۳۳ھ (۱۲۳۵ء) ہے اور آپ اجمیر میں مدفون ہیں - خواجہ معین الدینؒ کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے مگر ان کے نام سے کئی تصانیف منسوب ہیں مثلاً رسالہ درکسبِ نفس، رسالہ وجودیہ، حدیث المعارف، گنج الاسرار، دیوانِ معین، انیس الارواح اور دلیل العارفین - ۸

ماندہ	ایم	از	جادۂ	تسلیم	دور
تو ز	آزر	من	ز	ابراہیم	دور

(ص ۵۸/۷۴)

''آزر'': - تاریخ اور توریت میں حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارح آتا ہے اور قرآن عزیز میں آزر - اس باب میں علماء اور مفسرین نے دو راہیں اختیار کی ہیں - ایک تو یہ کہ دونوں ناموں کے درمیان مطابقت ہو جائے اور یہ اختلاف جاتا رہے، اور دوسرے یہ کہ تحقیق کے بعد فیصلہ کن بات کہی جائے کہ ان دونوں میں سے کون صحیح ہے اور کون غلط، یا دونوں صحیح ہیں مگر دو جدا جدا ہستیوں کے نام ہیں - اصل بات یہ ہے کہ ''آدار'' کالدی زبان میں بڑے پجاری کو کہتے ہیں اور عربی میں یہی آزر کہلایا - تارح چونکہ بت تراش اور سب سے بڑا پجاری تھا اس لیے آزر ہی کے نام سے مشہور ہو گیا؛ حالانکہ یہ نام نہیں بلکہ لقب تھا، اور جب لقب نے نام کی جگہ لے لی

تو قرآن عزیز نے بھی اسی نام سے پکارا-۹

''ابراہیم'':- حضرت ابراہیم بڑے جلیل القدر پیمبر گزرے ہیں-توریت میں آپ کا نام ابرام اور ابراہیم دونوں طرح آیا ہے-سالِ ولادت سرچارلس مارسٹن محقق اثریات کی جدید ترین تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ ق م ہے اور آپ کی عمر توریت میں ۱۷۵ سال درج ہے-سالِ وفات اس حساب سے ۱۹۸۵ ق م ٹھہرتا ہے-والد کا نام تارح تھا یا عربی تلفظ میں آزر-نام کا تلفظ قدیم زبانوں میں کئی کئی طرح آیا ہے-وطنِ آبائی ملک بابل کے کلدانیہ (انگریزی تلفظ میں کالڈیا) تھا- جدید جغرافیے میں اسی ملک کو عراق کہتے ہیں-جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام توریت میں اور (UR) آیا ہے-۱۰

❁

حضرتِ	شیخِ	میانمیرؒ	ولی
ہر خفی	از	نورِ جانِ	او جلی

(ص ۶۱/۷۷)

''میانمیر'':- شیخ میاں میرؒ قادری سلسلے کے بہت مشہور بزرگ ہوئے ہیں-آپ کا اصلی نام میر محمد تھا اور لقب میاں میر-آپ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کی اولاد میں سے تھے-شیخ میاں میر ٹھٹھہ کے قریب ۹۵۷ھ (۱۵۵۰ء) میں پیدا ہوئے- بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ آپ سیستان میں پیدا ہوئے اور شیخ سیستان ہی کے خلیفہ تھے- نہایت درجے کے عابد و زاہد تھے- سیستان چھوڑ کر لاہور تشریف لائے اور یہیں ۱۰۴۵ھ (۱۶۳۵ء) میں انتقال کیا- آپ کا مزار لاہور ہی میں ہے- شہنشاہ جہانگیر کئی مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا- شاہ جہاں بھی دو مرتبہ آپ سے ملنے آیا- داراشکوہ جس کو آپ سے دلی ارادت تھی، کئی مرتبہ حاضرِ خدمت ہوا- ملا عبدالحکیم سیالکوٹی جو معقولات میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، کئی مرتبہ شیخ میاں میرؒ کے پاس آئے اور روحانی فیض حاصل کیا- شہزادہ داراشکوہ نے فارسی میں ایک کتاب شیخ میاں میرؒ کی کرامات اور حالاتِ زندگی سے متعلق قلمبند کی ہے- اخلاق کی مشہور کتاب ضیا العیون حضرت میاں میرؒ ہی کی تصنیف ہے-۱۱

❁

اندرز میر نجات نقشبند المعروف بہ بابائے صحرائی کہ برائے مسلمانان ہندوستان رقم فرمودہ است

(ص ۶۲/۷۸)

میر نجات نقشبند، یہ ایک فرضی نام ہے-

❁

پیر تبریزی ز ارشادِ کمال

جُست راہِ ملّتِ ملّا جلال

(ص ۶۴/۸۰)

''پیر تبریزی'':- مراد شمس الدین محمد تبریزیؒ ہیں۔شبلی نے ان کے والد کا نام علاء الدین لکھا ہے اور جامی نے نفحات الانس میں علی بن ملک داؤد تبریزی بتایا ہے۔بعض کہتے ہیں کہ شیخ رکن الدین سنجاسی کے مرید تھے۔آپ کو شیخ ابوبکر زنبیل باف تبریزی کا بھی مرید کہا گیا ہے اور بابا کمال الدین جندی کا بھی ممکن ہے۔آپ سب کی خدمت میں پہنچے ہوں اور سب سے فیض حاصل کیا ہو۔شبلی کے بیان کے مطابق ان کے والد کیا بزرگ کے خاندان سے تھے جو فرقہ اسمٰعیلیہ کا امام تھا، لیکن انہوں نے اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا۔شمسؒ نے تبریز میں علوم ظاہری کی تحصیل کی۔بعد ازاں بابا کمال الدین جندی کے مرید ہو گئے لیکن عام صوفیوں کی طرح پیری مریدی اور بیعت و ارادت کا طریقہ اختیار نہیں کیا۔ایک دفعہ مناجات کے وقت دعا مانگی کہ الٰہی کوئی ایسا بندۂ خاص ملتا جو میری صحبت کا متحمل ہو سکتا؛ چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور شمس تبریزیؒ روم کو روانہ ہوئے اور قونیہ پہنچ کر مولانا رومؒ سے ملے۔بعض وجوہ سے مولانا روم اور شمس تبریزؒ کی ملاقات کا یہ سلسلہ زیادہ عرصے تک قائم نہ رہ سکا۔مولانا روم نے صرف دو سال ان کی صحبت میں فیض اٹھایا۔شمس تبریزؒ کو مولانا کے بعض مریدوں نے حسد کی وجہ سے قتل کر دیا۔نفحات الانس میں ۶۴۵ھ (۱۲۴۷ء) شمسؒ کی شہادت کا سال درج ہے۔ مولانا روم شمس تبریزؒ کے فیض یافتہ تھے۔[۱۲]

''کمال'':- مراد بابا کمال الدین جندی ہیں۔بابا کمال، شمس تبریزؒ کے پیر ہیں۔آپ نے شیخ نجم الدین کی صحبت میں رہ کر علوم ظاہری و باطنی میں درجہ کمال پیدا کیا۔شیخ نجم الدین ہی کے ارشاد کے بموجب انہوں نے مولانا شمس الدین مفتی کے صاحبزادے احمد مولانا سے بھی تربیت حاصل کی۔ بابا کمال کے حکم کے مطابق شمس تبریزؒ مولانا روم سے جا کر ملے۔ وہ اپنے عہد کے مشہور صوفیوں میں سے تھے۔[۱۳]

❁

از تہی دستاں رخ زیبا مپوش

عشقِ سلمانؓ و بلالؓ ارزاں فروش

(ص ۷۳/۸۹)

''سلمانؓ '':- سلمان فارسیؓ کا نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک خاندان سے تھا۔مجوسی نام مابہ تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کا نام سلمان رکھا گیا اور دربار رسالتؐ سے سلمان الخیر کا لقب عطا ہوا۔ ابوعبد اللہ کنیت

تھی۔ ایک مرتبہ کسی نے سلمانؓ سے ان کا نسب پوچھا تو انہوں نے جواب دیا   سلمان ابن اسلام۔حضرت سلمانؓ نے اجتہادی طور پر اکثر مذاہب کو جانچنے کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ اسلام لانے سے پہلے آپ کا آبائی مذہب مجوسی تھا۔ آپ عبادت میں بہت غلو سے کام لیتے تھے؛ چنانچہ آتش پرستی میں بھی بڑا انہماک تھا۔ دفعتہً مجوسیت سے نفرت ہوئی اور نصرانیت کی طرف مائل ہو گئے۔ جب نصرانی ہوئے تو یہاں بھی غلو سے کام لیا۔ کچھ عرصے بعد آپ اس مذہب سے بھی دل برداشتہ ہو گئے۔ بالآخر مذہبِ حق کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ سفر میں طرح طرح کے مصائب برداشت کیے اور مدینہ پہنچے، اور رسول کریم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ آپ غزوۂ خندق میں رسول اکرمؐ کے ہمراہ تھے۔ اسی موقع پر رسول کریمؐ نے فرمایا "سلمان ہمارے اہلِ بیت میں سے ہے"۔ حضرت سلمانؓ زیادہ وقت رسول اکرمؐ کی خدمت میں بسر کرتے اس لیے قدرتاً آپ علوم و معارف سے کافی بہرہ ور ہوئے۔ حضرت علیؓ آپ کے مبلغ علم کے بڑے مداح تھے۔ فیاضی، رحم دلی، راست بازی اور قناعت آپ کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ حضرت سلمانؓ کا انتقال ۳۳ھ (۶۵۳ء) میں بمقام مداین ہوا۔[۱۴]

"بلالؓ ":- بلال نام، ابوعبداللہ کنیت، والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا۔ یہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن پیدا مکے میں ہوئے تھے۔ آپ امیہ ابن خلف کافر کے غلام تھے۔ اسی حالت میں اسلام قبول کیا جس کی وجہ سے کافر آقا آپ پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتا تھا۔ آخر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت بلالؓ کو اس کافر سے خرید کر آزاد کر دیا۔ رسول کریمؐ کے عاشقِ صادق اور خادمِ خاص تھے اور مسجد نبوی کے مؤذن بھی۔ رسول اکرمؐ کے وصال کے بعد ہجرت کر کے شام چلے گئے تھے اور وہیں ۲۰ھ (۶۴۱ء) میں حضرت عمرؓ کے عہد میں وفات پائی۔[۱۵]

حوالہ کتب

۱- مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج ۱، صفحہ ۱۳۰، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور و کراچی-

+ توریت، پیدائش، باب ۹، آیت ۲۹

۲- توریت، ایوب، باب ۱، آیت ۱-۳

۳- شبلی، سوانح مولوی روم، صفحہ ۹-

+ فرید الدین عطار، تذکرہ الاولیا اردو، صفحہ ۱۲۴-۱۵۴-

+ جامی، نفحات الانس اردو، صفحہ ۶۴-۶۵-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، صفحہ ۶۸۶

۴- سیر الاقطاب صفحہ ۹۰- خزینۃ الاصفیا، ج ۱، صفحہ ۳۲۸-

+ سید صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم صوفیہ صفحہ ۲۳۵-۲۶۰

۵- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۲۰، صفحہ ۱۸-۱۹، طبع چہاردہم

۶- شبلی- سوانح مولوی روم صفحہ ۱۶-

+ جامی، نفحات الانس اردو صفحہ ۴۹۷-۴۹۸-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۷۸۲

۷- جامی، نفحات الانس اردو، صفحہ ۳۴۷-۳۴۸-

+ سید صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم صوفیہ، صفحہ ۱-۳۴-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، صفحہ ۹۲۷

۸- سید صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم صوفیہ، صفحہ ۳۵-۶۲

۹- محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۱، صفحہ ۱۳۲-۱۳۵ مطبوعہ ندوۃ المصنفین،

طبع دوم ۱۹۴۶ء

۱۰- مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج ۱، صفحہ ۴۸، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور و کراچی-

+ توریت، پیدائش، باب ۲۵، آیت ۸

۱۱- سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، ج ۱، صفحہ ۲۲۹

۱۲- جامی، نفحات الانس اردو، صفحہ ۴۹۴ - ۴۹۷-

+ شبلی، سوانح مولوی روم صفحہ ۷-۱۳-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۳۴۴ - ۳۴۵

۱۳- جامی، نفحات الانس اردو، صفحہ ۴۶۲ - ۴۶۳

۱۴- شاہ معین الدین احمد ندوی، مہاجرین، حصہ دوم صفحہ ۸۷-۱۰۳-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۱۱۶-۱۱۷

۱۵- شاہ معین الدین احمد ندوی- مہاجرین، حصہ اول، صفحہ ۱۹۶-۲۰۴-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، صفحہ ۱۸۷-۱۹۷

رموزِ بیخودی

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰ء)

بو عبید آں سیدِ فوجِ حجاز
در وغا عزمش ز لشکر بے نیاز

(ص ۱۰۱/۱۱۷)

''بوعبید'':- عامر نام، ابوعبیدہ کنیت، امین الامت لقب- کو والد کا نام عبد اللہ تھا لیکن دادا کی طرف منسوب ہو کر ابن الجراح کے نام سے مشہور ہوئے- حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعوت و تبلیغ پر آپ اسلام قبول فرما کر رسول اکرم ﷺ کے صحابہ سابقون الاوّلون میں داخل ہوئے- آپ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ حضرت ابوعبیدہؓ اسلام کے مشہور سپہ سالاروں میں سے تھے- آپ نے مختلف جنگوں میں حصہ لیا اور نمایاں طور پر کامیاب ہوئے- جن لڑائیوں میں آپ شریک ہوئے، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق- بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی پیش پیش رہے-

حضرت ابوبکرؓ نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ (۶۳۴ء) میں ملک شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا اہتمام کیا- آپ ہی اس فوج کے سپہ سالار عام تھے- حضرت ابوعبیدہؓ جب عرب کی سرحد سے باہر نکلے تو رومی فوج بڑی تعداد میں دیکھی- یہ دیکھ کر آپ نے تمام اسلامی فوج کو جمع کر لیا اور دربارِ خلافت سے مزید کمک طلب کی؛ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید کو آپ کی امداد کے لیے بھیجا گیا- بالآخر متحدہ فوج نے دمشق کا محاصرہ کیا اور فتح کر لیا-

جنگِ یرموک میں حضرت ابوعبیدہؓ نے غیر معمولی بہادری دکھائی - یرموک فتح ہونے کے بعد تمام ملک شام مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آنے کو تیار تھا - آپؓ نے اور حضرت خالدؓ نے حمص اور قنسرین کو فتح کرنے کے بعد تمام شام پر آسانی سے قبضہ کرلیا - بعد ازاں بیت المقدس بھی فتح ہوگیا -

۱۸ھ (۶۳۹ء) میں تمام مفتوحہ ممالک میں نہایت شدت کے ساتھ طاعون کی وبا پھیلی، خصوصاً شام میں اس نے بڑا نقصان پہنچایا - اسی طاعون میں مبتلا ہوکر ۵۸ برس کی عمر میں حضرت ابوعبیدہؓ نے جابیہ میں انتقال کیا اور اس قلیل مدت میں اپنے حیرت انگیز کارنامے دکھا کر اس دنیا سے رخصت ہوگئے -

حضرت ابوعبیدہؓ کے اخلاق و عادات کی نمایاں خصوصیت خدا ترسی، اتباعِ سنت، تقویٰ، زہد، تواضع، مساوات اور ترحم ہیں -[1]

نعرۂ حیدرؓ، نوائے بوذرؓ است
گرچہ از حلق بلالؓ و قنبرؓ است
(ص ۱۰۲/۱۱۸)

''بوذرؓ'':- جندب نام، ابوذر کنیت، مسیح الاسلام لقب تھا - ان کی والدہ کا نام رملہ تھا اور قبیلہ، بنو غفار سے تعلق رکھتی تھیں - حضرت ابوذرؓ کا قبیلہ بنو غفار رہزنی کیا کرتا تھا - جاہلیت میں آپ کا پیشہ بھی یہی تھا اور نہایت مشہور راہزن تھے - تن تنہا نہایت جرأت اور دلیری سے قبائل کو لوٹتے تھے - لیکن کچھ دنوں بعد ان کی زندگی میں دفعتہً ایک انقلاب آیا اور ایسا آیا کہ رہزنی یکلخت ترک کرکے ہمہ تن خدا پرستی کی طرف مائل ہوئے - چونکہ ابوذرؓ جاہلیت ہی سے راہِ حق کے جویاں تھے، اس لیے حق کی پکار سنتے ہی لبیک کہا؛ چنانچہ انہوں نے اس وقت دعوتِ حق کو قبول کیا جب چار آدمیوں کے سوا ساری دنیا کی زبانیں اس اعلانِ حق سے خاموش تھیں - اس اعتبار سے اسلام لانے والوں میں ان کا پانچواں نمبر ہے - کچھ دن مکے میں قیام کے بعد رسول کریمؐ نے ان کو گھر واپس بھیج دیا اور تاکید کی کہ تم اپنی قوم میں جاکر اسلام کی تبلیغ کرو شاید خاندان کو فائدہ پہنچے - چنانچہ انہوں نے آپؐ کے ارشاد کے مطابق تبلیغ کا فرض ادا کیا - پہلے ان کے بھائی انیس مشرف بہ اسلام ہوئے، اس کے بعد ان کے قبیلے کے بہت سے افراد نے اسلام قبول کیا - رفتہ رفتہ ان کا تمام قبیلہ مسلمان ہوگیا - ہجرت کے بعد حضرت ابوذرؓ مدینے چلے آئے تھے - مدینے کے قیام میں ان کا تمام وقت رسول کریمؐ کی خدمت اقدس میں گذرتا تھا - چونکہ ہجرت کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا اس لیے مہاجرین زیادہ تر اسی میں مشغول رہتے تھے - غزوات میں حضرت ابوذرؓ کی شرکت کے تفصیلی حالات نہیں ملتے، صرف غزوۂ تبوک میں شرکت کا پتہ چلتا ہے - حضرت

ابوذرؓ فطرتاً فقیر منش، زہد پیشہ اور عزلت پسند تھے اور اسی لیے رسول اکرمؐ نے ان کو "مسیح الاسلام" کا لقب عطا فرمایا تھا۔ حضرت ابوذرؓ نے ۳۱ھ (۶۵۱ء) میں بمقام ربذہ وفات پائی۔ انتقال کے وقت ان کی ملکیت میں صرف تین گدھے، کچھ بکریاں اور چند سواریاں تھیں۔ آپ کے علم وفضل کے بارے میں حضرت علیؓ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ابوذرؓ نے اتنا علم محفوظ کر لیا تھا کہ لوگ اس کے حاصل کرنے سے عاجز تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے نقاد آپ کو علم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر سمجھتے تھے جو اپنی وسعت علم کے لحاظ سے حبر الامتہ کہلاتے تھے۔ حضرت ابوذرؓ کے زہد وتقویٰ کے بارے میں رسول کریمؐ نے فرمایا "میری امت میں ابوذرؓ میں عیسیٰ بن مریم جیسا زہد ہے"۔ یہی زہد کی زندگی آخر دم تک قائم رہی۔ عموماً زہاد خشک اور روکھے ہوتے ہیں لیکن حضرت ابوذرؓ کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی۔ ان کا اخلاق بدویوں تک کو مسحور کر لیتا تھا۔۲

"قنبرؒ":۔ حضرت قنبرؒ حضرت علیؓ کے غلام تھے اور انہیں اس غلامی پر بڑا ناز تھا۔۳

❁

موسیٰ و فرعون و شبیرؓ و یزید

ایں دو قوت از حیات آید پدید

(ص ۱۰۵/۱۲۱)

"موسیٰ":۔ موسیٰ بن عمران سلسلہ اسرائیلی کے مشہور وجلیل القدر پیغمبر کا نام ہے۔ توریت میں ہے کہ عمر ۱۲۰ سال کی پائی۔ آپ کا زمانہ مورخین اور اثرین کے تخمینے کے مطابق پندرھویں اور سولھویں صدی قبل مسیح کا تھا۔ سال ولادت غالباً ۱۵۲۰ ق م، سال وفات ۱۴۰۰ ق م۔۴

❁

از خطیب و دیلمی گفتار او

با ضعیف و شاذ و مرسل کار او

(ص ۱۱۷/۱۳۳)

(ضعیف حدیث اسے کہتے ہیں جس کا کوئی راوی غیر محتاط ہو، شاذ حدیث وہ ہے جو ثقات کی روایت کے خلاف ہو اور مرسل حدیث وہ کہلاتی ہے جس کی سند کا آخری حصہ ساقط ہو۔)

"خطیب":۔ اشارہ ہے ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی کی طرف۔

خطیب ۲۴ جمادی الثانی ۳۹۲ھ (۱۰۰۲ء) کو پیدا ہوئے۔ انہیں علم حدیث کی تحصیل کا شوق بچپن ہی سے تھا۔ اسی علم کے حصول کے لیے خطیب نے بصرہ، نیشاپور، اصفہان، ہمدان اور دمشق کا سفر کیا۔ بعد ازاں بغداد میں

سکونت اختیار کی اور خطابت پیشہ ٹھہرایا، اسی لیے خطیب بغدادی مشہور ہوئے ـ خطیب کی علمِ حدیث پر کتنی وسیع نظر تھی، اس کا کچھ اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے اکثر ہم عصر محدثین اپنی احادیث کے بارے میں انھی کی رائے پر بھروسا کرتے تھے۔ خطیب، امام شافعیؒ کے مقلد تھے ـ ان کی تصانیف کی تعداد تقریباً ایک سو ہے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور "تاریخ بغداد" ہے۔ اس کتاب میں بغداد کا حال بڑی تفصیل سے درج ہے۔ اس کا ترجمہ فرانسیسی میں بھی ملتا ہے۔ خطیب نے بغداد میں ۷ ذی الحجہ ۴۶۳ھ (۱۰۷۱ء) کو انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے ـ ۵

"دیلمی": ـ دیلمی سے مراد حافظ شیرویہ بن شہر دار ہیں ـ

دیلمی ہمدان میں پیدا ہوئے ـ علمِ حدیث کے لیے ہمدان، اصفہان، بغداد اور قزوین کا سفر کیا۔ ان کی تصانیف میں مشہور کتاب "فردوس" ہے جو احادیث کا مجموعہ ہے ـ اس میں احادیث حروفِ تہجی کے اعتبار سے ترتیب دی گئی ہیں۔ شاہ عبد العزیزؒ نے "بستان المحدثین" میں دیلمی کی فردوس کو "تو دہ واہیات" بتایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دیلمی نے احادیث کے جمع کرنے میں صحیح و سقیم کا لحاظ نہیں کیا ہے۔ دیلمی کی ایک اور کتاب "تاریخِ ہمدان" کے نام سے مشہور ہے۔ سال وفات ۵۰۹ھ (۱۱۱۵ء) ہے۔ ۶

شیخ احمد سیّد گردوں جناب
کاسب نور از ضمیرش آفتاب
(ص ۱۲۲/۱۳۸)

"شیخ احمد": اشارہ شیخ احمد رفاعیؒ کی طرف ہے۔

شیخ احمد رفاعیؒ طریقہ رفاعیہ کے بانی تھے۔ ۵۱۲ھ (۱۱۱۸ء) میں بصرہ کے نزدیک ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ـ ۵۴۷ھ (۱۱۵۲ء) میں مسند ارشاد پر بیٹھے اور ۵۷۸ھ (۱۱۸۲ء) میں انتقال فرمایا۔ شیخ احمد رفاعیؒ عراق کے بڑے مقبول مرشد تھے اور قبلہ القلوب کے لقب سے مشہور۔

شیخ احمد رفاعیؒ کی مدح میں ایک قصیدہ سید محمد ابوالہدیٰ نے عربی میں لکھا تھا ـ اس کی شرح سید محمود شہاب الدین الآلوسی نے ۱۳۰۵ھ (۱۸۸۷ء) میں الاسرار الالٰہیہ کے نام سے لکھی جو اسی سال مصر سے چھپ کر شائع ہوئی۔ شیخ احمد رفاعیؒ صاحبِ تصنیف بزرگ تھے ـ ان کی تصانیف کی تعداد چار ہے ـ ان میں حکم (الرفاعی) تصوف میں اور رحیق الکوثر ملفوظات کے بارے میں زیادہ مشہور ہیں ـ ۷

مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز

از سہ نسبت حضرتِ زہراؑ عزیز

(ص ۱۴۳/۱۵۹)

''مریم'':- حضرت مریمؑ، حضرت عمران کی صاحبزادی اور حضرت عیسیٰ کی والدہ تھیں- ان کی والدہ حنہ نے ان کا نام مریم رکھا تھا- سریانی میں اس کے معنی ''خادم'' کے ہیں- چونکہ یہ ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کر دی گئیں اس لیے یہ نام موزوں سمجھا گیا- قرآن میں حضرت مریمؑ کا ذکر کئی جگہ اختصار کے ساتھ آیا ہے- انتقال ۶۳ء میں ہوا-۸

''عیسیٰ'':- حضرت عیسیٰ سلسلۂ انبیائے بنی اسرائیل کے خاتم ہیں- سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے - ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے، وہی آپ کا آبائی وطن تھا- ولادت بیت لمقدس میں ہوئی- خاندان یوسف بن یعقوب بن ماشان نامی ایک حکیم کا تھا- شام اس وقت رومی مملکت کا ایک نیم خودمختار صوبہ تھا اور اس وقت شام کا حکمران ہیرودتھا- مسیحی تقویم میں تین سال کی غلطی ابتداء سے چلی آ رہی ہے اس لیے آپ کا سال ولادت وہ نہیں جس سے مسیحی تقویم شروع ہوئی ہے بلکہ اس سے تین سال بعد کا ہے- اس لحاظ سے کہنا یہ چاہیے کہ آپ کی ولادت سنہ ۳ء میں ہوئی- ۳۳ سال کی عمر میں آپ زندہ، جمہور اہل سنت کے عقیدے کے مطابق اور مسیحی عقیدے کے مطابق تین دن کے لیے وفات پا کر، آسمان پر اٹھا لیے گئے-۹

حوالہ کتب

۱- فتح الباری، ج۱۰،ص۱۵۹-

+ معین الدین ندوی، مہاجرین حصہ اول، ص۱۵۵-۱۷۱

۲- شاہ معین الدین احمد ندوی، مہاجرین، حصہ دوم، ص۶۷-۸۷

۳- ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، ج۴،ص۴۷۵-

+ نوراللہ شوستری- مجالس المومنین، ص۱۳۱ طبع ایران

۴- مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج۱،ص۲۲ مطبوعہ تاج کمپنی لاہور و کراچی-

+ توریت، استثنا، باب۳۴، آیت ۷

۵- شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، ج۳،ص۳۳۱-۳۴۰-

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج۲،ص۹۲۹-۹۳۰

۶- شاہ عبدالعزیز دہلوی، بستان المحدثین، ص۶۰-۶۱-

+ نواب سید صدیق حسن، اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء المحدثین، ص۲۶۰-

۷- تاریخ ابن الاثیر ج۱۱،ص۲۰۰-

+ ابن العماد، شذرات الذہب، ج۴،ص۲۵۹-

+ تاریخ ذہبی، ج ۲، ص ۲۶ -

+ امام شعرانی، طبقات ج ۱، ص ۱۵۶ -

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳، ص ۱۱۵۶ - ۱۱۵۷

۸- فتح الباری، ج ۶، ص ۳۶۵ -

+ مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۴، ص ۱۷

۹- مولانا عبد الماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج ۱، ص ۳۴ -

+ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۳، ص ۱۵ - ۲۸ مطبوعہ ۱۹۵۰ء

پیامِ مشرق

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰)

در مسلماں شانِ محبوبی نماند

خالدؓ و فاروقؓ و ایوبیؒ نماند

(ص ۲۴/۲۰۰)

"خالدؓ":- خالد نام، ابو سلیمان کنیت اور سیف اللہ لقب تھا- آپ کی والدہ کا نام لبابہ تھا جو ام المومنین حضرت میمونہؓ کی عزیزہ تھیں- خالدؓ کا خاندان زمانہ جاہلیت سے معزز چلا آتا تھا- فوج کی سپہ سالاری اور فوجی کیمپ کے انتظام کا عہدہ انہی کے خاندان میں تھا اور ظہورِ اسلام کے وقت خالد اس معزز عہدے پر فائز تھے-

ان کے اسلام کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں لیکن سب میں مستند روایت مسند احمد بن حنبل کی ہے- جس کی رو سے ان کے اسلام کا زمانہ ۶ھ اور ۸ھ (۶۲۷ء) اور (۶۲۹ء) کے درمیان ہے-

اسلام لانے کے بعد اول اول حضرت خالدؓ غزوہ موتہ میں شریک ہوئے- اس جنگ میں حضرت خالدؓ کے ہاتھ سے ۹ تلواریں ٹوٹی تھیں اور رسول کریمؐ نے اس کے صلے میں "سیف اللہ" کا معزز لقب ان کو عطا فرمایا

تھا۔

حضرت خالدؓ کی زندگی کا بڑا حصہ جہاد ہی میں گذرا۔ تقریباً سو سو لڑائیوں میں شریک ہوئے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ جب تک موت نہ آئے گی، میدانِ جنگ میں بھی بڑے سے بڑے دشمن کے ہاتھ سے قتل نہ ہوں گا۔ یہی عقیدہ ان کی حیرت انگیز شجاعت کی بنیاد تھا۔ جسم میں ایک بالشت حصہ بھی ایسا نہ تھا جو تیروں اور تلواروں کے زخموں سے چھلنی نہ ہوا ہو۔ ذوقِ جہاد میں اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے میدانِ جنگ کی سخت رات جس میں اپنے دشمنوں سے لڑوں، اس شبِ عروسی سے زیادہ مرغوب ہے جس میں میری محبوبہ مجھ سے ہمکنار ہو۔ آخر وقت جب اپنی زندگی سے مایوس ہو گئے تھے، کہتے تھے کہ افسوس میری ساری زندگی میدانِ جنگ میں گذری، آج میں بسترِ مرگ پر جانور کی طرح ایڑیاں رگڑ کر جان دے رہا ہوں۔ خدا نے آپ کے قدموں میں یہ خاص برکت دی تھی کہ جدھر رخ کیا، کبھی ناکام واپس نہ لوٹے۔ خود کہتے تھے کہ میں نے جس طرف کا رخ کیا، فتحیاب ہوا۔ اس قول کی صداقت پر تاریخ کا لفظ لفظ شاہد ہے۔ رسول کریمؐ کو ان کی شجاعت پر اس قدر اعتماد تھا کہ ان کے ہاتھ میں علم آ جاتا تو آپ مطمئن ہو جاتے۔ آپ کا انتقال مدینے میں ۲۲ھ (۶۴۲ء) میں ہوا۔ حضرت عمرؓ آپ کے جنازے میں شریک تھے۔

رسول اکرمؐ حضرت خالدؓ کے ذوقِ جہاد کی بہت قدر فرماتے تھے اور متعدد موقعوں پر مدحیہ لہجے میں اس کا اعتراف فرمایا ہے۔ ایک موقع پر لوگوں سے کہا کہ خالد کو تم لوگ کسی قسم کی تکلیف نہ دو کیونکہ وہ خدا کی تلوار ہے جس کو اس نے کفار پر کھینچا ہے۔[1]

بگو جبریلؑ را از من پیامے
مرا آں پیکرِ نوری نداند
ولے تاب و تبِ ما خاکیاں بیں
بنوری ذوقِ مہجوری نداند

(ص ۴۰/۲۱۶)

"جبریل":۔ اسلامی اصطلاح میں جبریل ایک فرشتۂ اعظم کا نام ہے۔ ان کے سپرد ایک اہم خدمت انبیاء تک وحی الٰہی پہنچانے کی رہی ہے۔[2]

بخاکِ ہند نوائے حیات بے اثر است

کہ مردہ زندہ نگردد ز نغمۂ داؤدؑ

(ص ۱۱۷/۲۹۳)

''داؤد'':- حضرت داؤدؑ کا زمانہ حکومت ۱۰۱۳ق م تا ۹۷۳ق م ہے- زبور کے نام سے اس وقت جو کتاب حضرت داؤدؑ کی جانب منسوب موجود ہے، وہ عہدِ عتیق کے مجموعۂ صحائف میں سے ایک صحیفہ ہے اور اس مجموعے کے نمبر ۱۹ پر ہے- اس میں احکام ومسائلِ شریعت درج نہیں بلکہ صرف حمد، مناجات، دعائیں وغیرہ ہیں اور جا بجا آخری نبیؐ کی بابت پیشگوئیاں بھی پیشگوئیوں کے ڈھکے ہوئے انداز میں موجود ہیں-۳

۞

دگر از یوسفؑ گم گشتہ سخن نتواں گفت

تپشِ خونِ زلیخا نہ تو داری و نہ من

(ص ۱۳۲/۳۰۸)

''یوسف'':- یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ، پیمبر زادہ اور خود بھی پیمبر تھے-شرف نبوت خاندان میں پشتوں سے چلا آ رہا تھا- زمانہ بقول اغلب ۱۹۰۰یا ۱۸۰۰ق م ہے-مولد ومسکن ارض فلسطین میں وادیٔ حبرون تھا جسے اب الخلیل بھی کہتے ہیں اور جویروشلم سے ۱۸ میل جنوب مغرب میں واقع ہے-ولادت حضرت یعقوبؑ کے محبوب ترین محل حضرت راحیل کے بطن سے ہوئی- خود بھی حسین وخوبرو اور والد کی نگاہ میں سب اولاد سے زیادہ محبوب تھے- آخر آگے چل کر پیمبر ہونے والے تھے، آثار رشد بچپن ہی سے کیونکر نمایاں نہ ہوتے! توریت میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے عمر ۱۱۰ برس کی پائی -حموی کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کو بلاطہ میں دفن کیا گیا جو فلسطین کے علاقہ نابلس کا ایک گاؤں ہے-حضرت یوسفؑ کا قرآن نے ۲۶ مرتبہ ذکر کیا ہے- انہیں یہ فخر بھی حاصل ہے کہ پرداداحضرت ابراہیمؑ کی طرح ان کے نام پر بھی قرآن کی ایک سورت سورۂ یوسف نازل ہوئی ہے جو ان کے واقعات سے متعلق عبرت وموعظت کا بے نظیر ذخیرہ ہے-۴

''زلیخا'':- عزیزِ مصر کی بیوی کا نام توریت میں تو نہیں البتہ روایاتِ یہود میں زلیخا آیا ہے، اور وہیں سے مسلمانوں میں چل پڑا- ان کے لیے عام طور پر مشہور ہے کہ بعد کو حضرت یوسفؑ کے عقدِ نکاح میں آ گئی تھیں۔ لیکن اس کی سند نہ قرآن سے ملتی ہے نہ حدیث صحیح سے، نہ توریت سے-۵

۞

می خورد ہر ذرّۂ ما پیچ و تاب

محشرے در ہر دمِ ما مضمر است

با سکندر خضر در ظلمات گفت
مرگ مشکل ، زندگی مشکل تر است

(ص ۳۴۱/۱۶۵)

''خضر'':- حضرت خضرؑ کے بارے میں چند باتیں قابلِ بحث ہیں:

(۱) خضر نام ہے یا لقب؟ (۲) خضر فقط عبدِ صالح (ولی) ہیں یا نبی یا رسول؟ (۳) ان کو حیاتِ ابدی حاصل ہے یا وفات پا چکے؟

مفسرین کے ہاں ان تینوں سوالات کے جواب میں بہت سے اقوال منقول ہیں- چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں بعض کہتے ہیں کہ خضر نام ہے اور اکثر کا قول ہے کہ یہ لقب ہے، اور پھر نام کے متعلق بھی مختلف اقوال ہیں مثلاً (۱) بلیا بن ملکان (۲) ایلیا بن ملکان (۳) خضرون، معمر، الیاس، الیسع وغیرہ-

دوسرے سوال کے جواب میں بعض کا قول ہے کہ وہ فقط ''عبدِ صالح'' تھے اور بعض کہتے ہیں کہ رسول تھے مگر جمہور کا قول یہ ہے کہ وہ نہ رسول تھے اور نہ فقط عبد صالح بلکہ ''نبی'' تھے-

اور تیسرے سوال کے جواب میں بعض علماء کا خیال ہے کہ ان کو حیاتِ ابدی حاصل ہے اور وہ اب تک زندہ ہیں، اور اس سلسلے میں کچھ روایات و حکایات بھی بیان کرتے ہیں- اور جلیل القدر محققین فرماتے ہیں کہ ان کے لیے حیات ابدی کا ثبوت نہ قرآن سے ثابت ہے اور نہ احادیث سے، لہٰذا وہ بھی عام انسانوں کی طرح اپنی طبعی موت سے وفات پا چکے ہیں- [۱]

(ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال حضرت خضرؑ کی حیاتِ ابدی کے قائل ہیں-)

حوالہ کتب

۱- شاہ معین الدین احمد ندوی، مہاجرین، حصہ دوم، ص ۱۶۱-۱۸۹-

۲- مولانا عبد الماجد دریابادی، تفسیرِ ماجدی، ج ۱، ص ۳۸، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور و کراچی-

۳- ایضاً، ج ۱، ص ۲۸ اور ۲۳۰ -

۴- مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۱، ص ۲۵۴-۳۱۱-

+ توریت، پیدائش، باب ۵۰، آیت ۲۶-

۵- مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲- ص ۲۶۷-

۶- مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۱، ص ۵۰۸-۵۱۱-

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ہاں آشنائے لب ہو نہ رازِ کہن کہیں
پھر چھڑ نہ جائے قصۂ دار و رسن کہیں

(ص ۶۲/۷۸)

"قصۂ دار و رسن": - اشارہ ہے حسین بن منصور حلاج کے واقعہ دار و رسن کی طرف-

"حلاّج": - حسین بن منصور حلاّج، فارس کے ایک قصبے میں تقریباً ۲۴۴ھ (۸۵۸ء) میں پیدا ہوئے- ان کو حضرت ابو ایوب انصاری کے خاندان سے بتایا گیا ہے- حلاج نے ۲۶۰ھ تا ۲۸۴ھ (۸۷۳ء تا ۸۹۷ء) کی مدت گوشہ نشینی میں بسر کی- آخر عوام سے رشتہ منقطع کر لیا اور خراسان اور فارس وغیرہ کا سفر کیا- ۲۹۶ھ (۹۰۸ء) میں وطن واپس ہوئے- اس اثنا میں ان کے مریدوں کی تعداد بہت بڑھ چکی تھی- صوفیہ کہتے ہیں کہ وہ وحدت الوجود کے قائل تھے اور انا الحق کہا کرتے تھے- اس پر اور ان کی بعض تصانیف پر علمائے وقت نے سزائے موت کا فتویٰ دیا؛ چنانچہ ان کو مقتدر، خلیفۂ بغداد کے حکم سے پھانسی دی گئی- حلاج صاحب تصنیف صوفی تھے- ان کی تصانیف عربی میں ہیں اور ان تصانیف کا موضوع فقہ، علم کلام اور تصوف پر حاوی

ہے۔[1]

سیّد کی لوحِ تربت

(ص ۶۸/۸۴)

اس نظم میں سر سید احمد خاں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اقبال، سر سید کی خدمات کے معترف تھے۔ سید احمد خان ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اور ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو دس بجے شب علی گڑھ میں انتقال کیا اور کالج کی مسجد میں دفن ہوئے۔ سر سید نے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ اس کا پہلا شمارہ ۲۴ دسمبر ۱۸۷۰ء کو نکلا۔ اس پرچے کے ذریعے اردو صحافت، انشاپردازی، اخلاق و معاشرت اور عام معلومات میں اس قدر ترقی ہوئی اور اتنا اچھا انقلاب پیدا ہوا کہ اس زمانے کے بیسیوں اردو رسائل اور اخبارات سے نہ ہو سکا تھا۔ سر سید کے علاوہ بہترین اہل علم و قلم اس کے مضمون نگار تھے۔ لیکن سر سید کا کام اسی پر ختم نہیں ہو جاتا، وہ ایک تحریک کے بانی تھے جس نے مذہب، تعلیم، تہذیب و معاشرت سب کو متاثر کیا۔ یہاں سر سید کی خدمات کا تجزیہ مقصود نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ کیا، وہ دوسروں سے نہ ہو سکا۔ سید احمد خاں نے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا سنگ بنیاد رکھا جو آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے نام سے تمام دنیا میں مشہور ہے۔ اس کالج کے قیام کے سلسلے میں سر سید کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے ان مشکلات و مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ سر سید نے فرقہ بندی کی مذمت کی اور اس کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کیا، برعکس اس کے اتحادِ قومی کے لیے ہمیشہ کوشش کرتے رہے۔ سر سید اظہارِ حق میں بڑے بیباک تھے۔ وہ حق بات کہنے میں کسی کی پروا نہیں کرتے تھے۔[2]

نالۂ فراق

(آرنلڈ کی یاد میں)

(ص ۸۸/۱۰۴)

یہ نظم اقبال نے اپنے شفیق استاد ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ کی یاد میں لکھی تھی۔ مولانا سید میر حسن نے جس طرح اقبال کو فارسی ادب اور شعر و سخن کا شیدائی بنا دیا تھا، اسی طرح آرنلڈ نے اقبال کو فلسفے کا گرویدہ کیا۔ آرنلڈ ۱۸۸۷ء میں علی گڑھ میں فلسفے کے پروفیسر تھے۔ ان کی فلسفے میں قابلیت مسلم تھی۔ علی گڑھ میں انہوں نے شبلی سے عربی ادب کی بعض بلند پایہ کتابیں پڑھیں اور شبلی نے آرنلڈ سے فرنچ سیکھی تھی۔ غالباً ۱۸۹۷ء میں آرنلڈ علی

گڑھ سے لاہور آئے اور یہاں اقبال کو ان کی شاگردی کا موقع ملا۔ ۱۸۹۵ء میں آرنلڈ نے اپنی مشہور کتاب ''پریچنگ آف اسلام'' شائع کی۔ اس کتاب میں اس اعتراض کو رفع کیا گیا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے۔ سرسید کے ایما سے اس کتاب کا اردو ترجمہ عنایت اللہ دہلوی نے کیا اور ''دعوت اسلام'' نام رکھا۔ آرنلڈ ۱۹۰۴ء کے شروع میں ولایت واپس چلے گئے اور وہیں ۱۹۳۰ء میں انتقال کیا۔[۳]

تجھے نظارے کا مثلِ کلیم سودا تھا
اویسؓ طاقتِ دیدار کو ترستا تھا

(ص ۹۱/۱۰۷)

''اویسؓ '':۔ اویسؓ بن عامر قرنی، رسول اکرم ﷺ کے غائبانہ عاشق تھے۔ آپ کا شمار تابعین میں ہے اور آپ کو رسول کریمؐ سے خیر التابعین کا لقب عطا ہوا۔ حضرت اویسؓ یمن کے رہنے والے قبیلہ قرن سے تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جو لڑائی ہوئی تھی، اس میں آپ ۳۷ھ (۶۵۷ء) میں شہید ہوئے۔ رسول اکرمؐ نے آپ کی نسبت فرمایا ہے کہ ''اویس قرنی احسان ولطف کی رو سے تابعین میں سب سے بہتر ہیں''۔ حضرت اویسؓ بوجہ غلبۂ حال رسول کریمؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ ان کی والدہ بوڑھی تھیں اور وہ شتربانی کر کے ان کی خدمت بجا لاتے تھے۔ رسول اکرمؐ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ آپ کے پاس پہنچے اور رسول کریم ﷺ کے ارشاد کے بموجب ان کا خرقہ حضرت اویسؓ کو دیا۔[۴]

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری، فیض عام ہے تیرا

(ص ۱۰۶/۱۲۲)

اس شعر میں حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

نام محمد، القاب محبوب الٰہی، سلطان المشائخ، سلطان الاولیا، سلطان السلاطین اور نظام الدین اولیا تھے۔ حضرت شیخ نظام الدین اولیا کا خاندان بخارا سے ہجرت کر کے لاہور آیا پھر وہاں سے بدایوں میں سکونت پذیر ہوا اور اسی شہر میں حضرت نظام الدین ماہ صفر ۶۳۴ھ (۱۲۳۶ء) میں پیدا ہوئے۔ سن تمیز کو پہنچ کر علوم شرعیہ میں کمال اور تبحر پیدا کیا یہاں تک کہ ہر مباحثے میں آپ ہی کامیاب رہتے۔ بیس برس کی عمر میں دنیوی معاملات سے دست کش ہو کر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ کی خدمت میں پہنچے اور مرید ہوئے۔ ایک عرصے تک پیر کی

خدمت میں رہے اور فیض اٹھایا۔ شعر و سخن کا بھی مذاق پایا تھا۔ آپ کا انتقال ۷۲۵ھ (۱۳۲۳ء) میں ہوا۔ مزار دہلی میں ہے۔ محبوبِ الٰہی کے ملفوظات جن کی حیثیت گویا ان کی تصانیف کی ہے، یہ ہیں: (۱) فوائد الفواد (۲) فضل الفواد (۳) راحت المحبین اور (۴) سیر الاولیا۔۵

وہ شمعِ بارگہِ خاندانِ مرتضوی
رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجھ کو
(ص ۱۰۷/۱۲۳)

اس شعر میں شمس العلما مولانا سید میر حسن سیالکوٹی مرحوم کی طرف اشارہ ہے۔

''میر حسن'':۔ مولانا سید میر حسن مرے کالج سیالکوٹ میں عربی کے استاد تھے۔ جب اقبال اس کالج میں انٹرمیڈیٹ میں داخل ہوئے تو مولانا کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ اقبال کو اپنے استاد سید میر حسن سے بڑی عقیدت تھی اور ان کے تبحر علمی کے بڑے مداح تھے۔ سید میر حسن اگرچہ انگریزی سے نابلد تھے تاہم پرنسپل، کالج کے امور میں ان سے مشورہ کیا کرتا تھا۔ سیالکوٹ میں شرفا کا طبقہ مولانا سے واقف تھا۔ انہوں نے اقبال کو بڑی محنت سے درس دیا اور اقبال نے پوری تن دہی سے اس درس سے فائدہ اٹھایا۔ آخر میں سید میر حسن اپنے شاگرد پر بڑا ناز کرنے لگے تھے۔ مولانا، مشرقی اخلاق کا نمونہ تھے۔ خودداری، وضع داری اور شگفتہ مزاجی ان کے نمایاں اوصاف تھے۔ وہ ہر طبقے میں مقبول تھے۔ ان کا انتقال ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ہوا۔۶

وہ میرا یوسفِ ثانی، وہ شمعِ محفلِ عشق
ہوئی ہے جس کی اخوت قرارِ جاں مجھ کو
(ص ۱۰۷/۱۲۳)

''یوسف ثانی'':۔ اشارہ ہے علامہ اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی طرف۔

شیخ عطا محمد، علامہ اقبال کے برادر اکبر تھے۔ غالباً ۱۸۵۸ء میں پیدا ہوئے۔ شیخ عطا محمد نے کچھ مروجہ تعلیم مکتب میں حاصل کی اور غالباً تین چار سال سرکاری مدرسے میں بھی تعلیم پائی۔ سترہ اٹھارہ سال کی عمر ہی میں فوج کے رسالے میں ملازم ہو گئے۔ کچھ عرصے بعد فوج والوں نے انہیں رڑکی انجینئرنگ اسکول میں انجینئرنگ کی تعلیم و تربیت کے لیے بھیج دیا۔ اس تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد فوج کے محکمۂ تعمیر میں ان کی تعیناتی ہو گئی۔ رفتہ رفتہ ترقی کرتے ہوئے وہ سب ڈویژنل افسر ہو گئے۔ وہیں سے ۱۹۱۴ء کے قریب پنشن پائی۔ نقشے اور تعمیر کے فن

میں بڑے ماہر خیال کیے جاتے تھے۔ پنشن پانے کے تین چار سال بعد فوج والوں نے انہیں دوبارہ ملازمت پر بلا لیا تھا۔ دو تین سال کے بعد انہوں نے ملازمت ترک کر دی۔ بڑی بارعب شخصیت کے مالک تھے لیکن دوستوں کی محفلوں میں ان کی بذلہ سنجی مشہور تھی۔

شیخ عطا محمد، اقبال سے عمر میں تقریباً پندرہ سال بڑے تھے۔ چالیس سال کی عمر تک ان کے اپنے ہاں کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس لیے چھوٹے بھائی کو بیٹے کی طرح پالا، تعلیم دلائی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان اور جرمنی بھیجا۔ دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے سے محبت نہیں، عشق تھا۔ علامہ اقبال کے کلام میں اس غیر معمولی تعلق کا ایک سے زائد بار ذکر آیا ہے۔

انگلستان جاتے ہوئے درگاہ حضرت نظام الدین اولیا پر جو منظوم دعائیں علامہ اقبال نے کیں، ان میں اپنے بڑے بھائی کے لیے بھی ان الفاظ میں دعا کی:

جلا کے جس کی محبت نے دفترِ من و تو
ہوائے عیش میں پالا ، کیا جواں مجھ کو
ریاضِ دہر میں مانندِ گل رہے خنداں
کہ ہے عزیز تر از جاں وہ جانِ جاں مجھ کو

(ص ۱۰۷/۱۲۳)

اپنی والدہ مرحومہ کی وفات پر علامہ اقبال نے ایک نظم کہی تھی جس کا عنوان ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' ہے۔ اس نظم میں بھائی کا ذکر ان اشعار میں کیا ہے:

وہ جواں ، قامت میں ہے جو صورتِ سروِ بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر ، وہ بازو مرا

(ص ۲۴۱/۲۵۷)

علامہ اقبال کی وفات کے وقت شیخ عطا محمد کی عمر تقریباً ۸۰ سال کی تھی اور اس عمر کے لحاظ سے ان کی صحت بھی اچھی تھی لیکن بھائی کی وفات کے صدمے نے ان کی کمر توڑ دی۔ علامہ اقبال کی وفات کے بعد تقریباً اڑھائی سال زندہ رہے۔ ان ایام میں علامہ اقبال کے کلام کو پڑھنا اور اشکباری کرنا ان کا روز کا معمول تھا۔ ۲۲ دسمبر ۱۹۴۰ء کو ۸۲ سال کی عمر میں اپنے وطنِ مالوف سیالکوٹ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

سوامی رام تیرتھ

(ص ۱۲۳/۱۳۹)

سوامی رام تیرتھ ۱۸۷۳ء میں ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والدین غریب تھے اس لیے تعلیم کا زمانہ تنگدستی میں بسر ہوا۔ میٹرک کے بعد وہ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور بی اے کیا۔ بعد ازاں یہیں سے ریاضی میں ایم اے بھی کیا اور مشن کالج لاہور میں ریاضی کے استاد مقرر ہوئے۔ شروع ہی سے ان پر ویدانت کا رنگ غالب تھا۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی، یہ رنگ کچھ اور گہرا ہوتا گیا۔ جب ان پر رام کی محبت کا غلبہ ہوتا تو وہ ہفتوں بارہ دری کامران (دریائے راوی کے کنارے) میں محویت کے عالم میں بیٹھے رہتے اور بعض اوقات اپنے محبوب کی تلاش میں بہت دور نکل جاتے۔ کچھ دنوں بعد ان کے رام بھگتی (رام سے عشق) کا شہرہ ہو گیا اور حالت یہ ہوئی کہ لاہور کے بڑے بڑے امیر ان کے معتقد ہو گئے۔ رام سوامی تیرتھ ہر سال گرمی کی تعطیلات گزارنے کے لیے باہر جایا کرتے تھے؛ چنانچہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء کو وہ اپنے معمول کے مطابق ہردوار گئے ہوئے تھے۔ ایک دن اپنے شاگردوں اور عقیدت مندوں کے ساتھ دریائے گنگا کے کنارے بیٹھے ہوئے، ویدانیت کا درس دے رہے تھے۔ دفعتہً انہوں نے غسل کا ارادہ کیا اور تیرتے ہوئے دور نکل گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان پر اسی حالت میں رام کی محبت کا غلبہ ہوا اور عین دریا میں جذب و مستی کی حالت طاری ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لہروں میں ڈوب گئے۔ تین دن بعد ان کی نعش خود بخود کنارے پر آ گئی جسے ان کے عقیدت مندوں نے بڑے احترام کے ساتھ نذرِ آتش کر دیا۔

سوامی رام تیرتھ نے جاپان، امریکہ اور مصر کا سفر کیا اور وہاں ان کی پذیرائی کی گئی۔ امریکہ سے واپسی پر سوامی رام تیرتھ نے بمبئی، آگرہ، متھرا اور لکھنؤ میں اپنے تاثرات اور تجرباتِ سفر تقریروں میں بیان کیے۔ ان مقامات پر بھی ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔

سن اے طلبگارِ دردِ پہلو! میں ناز ہوں تو نیاز ہو جا
میں غزنوی سومناتِ دل کا ہوں تو سراپا ایاز ہو جا

(ص ۱۳۹/۱۵۵)

"ایاز": ایاز، سلطان محمود غزنوی کا نہایت معتمد غلام تھا۔ جواہر خانہ اس کے سپرد تھا۔ جب وہ وہاں جاتا، اپنی غلامی کا لباس جو اس نے محفوظ رکھا تھا، پہن لیتا۔ درباری اس سے رشک کرتے تھے۔ ایک دن سلطان کو

اطلاع ملی کہ خدا معلوم ایاز تنہا جواہر خانے میں کیا کیا کرتا ہے۔ بادشاہ نے اس معمے کو حل کرنا چاہا اور اپنی آنکھوں سے ایاز کے اس تبدیلی پوشاک کے واقعے کو دیکھا۔ وجہ دریافت کی، جواب ملا کہ میں اپنی پہلی حالت کو روزانہ یاد کرلیتا ہوں تا کہ غرور سر میں نہ سما جائے۔ بادشاہ اس پر خوش ہوا اور مراتب و مناصب میں ترقی دی۔[۸]

❁

عبدالقادر کے نام

(ص ۱۴۲/۱۵۸)

''عبدالقادر'':۔ شیخ عبدالقادر، اقبال کے ہمدم دیرینہ، ۱۸۷۲ء میں لدھیانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد تھوڑے ہی عرصے بعد لاہور آ گئے تھے اور یہ ۱۸۸۲ء میں سنٹرل ماڈل اسکول میں تعلیم پانے لگے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد شیخ عبدالقادر کا سب سے بڑا احسان اردو ادب پر یہ ہے کہ انہوں نے ۱۹۰۱ء میں اپنا مشہور رسالہ مخزن جاری کیا۔ اس رسالے نے اردو ادب کی بڑی خدمت کی۔ اس رسالے کی بدولت اقبال، اکبر، ظفر علی خاں، حسرت موہانی، داغ، مرزا محمد ہادی اور عزیز لکھنوی جیسے شعراء اردو دان طبقہ روشناس ہوا۔ نثاروں میں سے شبلی، شرر، نذیر احمد اور حالی جیسی ہستیوں نے اس میں مضامین لکھے۔ شیخ عبدالقادر نے لندن کے قیام میں ''ہندوستانی اسپیکنگ یونین'' قائم کی جس کو بڑا فروغ ہوا۔ تاریخ وفات ۹ فروری ۱۹۵۰ء ہے۔ سر عبدالقادر کا نام اردو ادب کے محسن کی حیثیت سے ہماری قومی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ شیخ مرحوم ایک مرنجاں مرنج قسم کے انسان تھے۔ ان سے جو ملتا تھا، ان کی ادبی قابلیت اور خلوص سے ضرور متاثر ہوتا تھا۔[۹]

❁

نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا

تربتِ ایوب انصاریؓ سے آتی ہے صدا

(ص ۱۵۶/۱۷۲)

''ایوب انصاری'':۔ خالد نام، ابو ایوب کنیت، قبیلۂ خزرج کے خاندان نجار سے تھے۔ حضرت ایوب انصاریؓ بھی ان منتخب بزرگانِ مدینہ میں سے ہیں جنھوں نے عقبہ کی گھاٹی میں رسول کریمؐ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ خدا نے اہلِ مدینہ کے قبولِ دعوت سے اسلام کو ایک مامن عطا کر دیا اور مسلمان مہاجرین مکے اور اطراف سے آ آ کر مدینے میں پناہ گزیں ہوئے لیکن رسول کریمؐ جو قریش کے ظلم و ستم کا حقیقی نشانہ تھے، وہ اب تک ظالموں میں گھرے ہوئے تھے۔ آخر ماہ ربیع الاول میں نبوت کے تیرہویں سال آپ بھی عازمِ مدینہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر اترے۔ اس طرح حضورؐ کی میزبانی کا شرف سب سے پہلے حضرت

ایوب انصاریؓ کو نصیب ہوا- حضرت امیر معاویہؓ نے ۵۲ھ (۶۷۲ء) میں روم پر فوج کشی کی تو دیگر اصحاب کبار کی طرح حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی اس پُر جوش فوج کے سپاہی تھے- اسی سفرِ جہاد میں عام وبا پھیلی اور مجاہدین کی بڑی تعداد اس کی نذر ہو گئی- حضرت ابوایوبؓ نے بھی اسی وبا میں انتقال کیا- آپ قسطنطنیہ کی فصیل کے ساتھ دفن کیے گئے-۱۰

❁

فلسفۂ غم

(ص ۱۸۲/۱۶۶)

(میاں فضل حسین صاحب بیرسٹر ایٹ لا، لاہور کے نام)

میاں فضل حسین ۱۴ جون ۱۸۷۷ء کو بمقام پشاور پیدا ہوئے- ۱۸۹۳ء میں ۱۶ سال کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک کیا- انگریزی، عربی، فارسی اور فلسفے کے ساتھ ۱۸۹۷ء میں پنجاب ہی سے بی اے کیا- فضل حسین کے اساتذہ میں ڈاکٹر آرنلڈ اور مولانا محمد حسین آزاد خاص طور پر قابل ذکر ہیں- آرنلڈ ہی کے مشورے سے فضل حسین اعلیٰ تعلیم کے لیے کیمبرج گئے- کیمبرج میں اقبال بھی میاں فضل حسین کے ساتھ تھے- میاں فضل حسین وہاں سے بیرسٹر ہو کر آئے- بیرسٹری کا آغاز سیالکوٹ میں کیا- بعد ازاں ۱۹۰۵ء میں لاہور چلے آئے- ان کو بیرسٹری میں بڑی کامیابی ہوئی- میاں فضل حسین کو شروع ہی سے اہلِ پنجاب کے مسائل سے دلچسپی تھی؛ چنانچہ انہوں نے پنجاب کے سماجی، تعلیمی اور اصلاحی کاموں میں نمایاں حصہ لیا- وہ انگریزوں کو طاقت کے ذریعے نکالنے کے حامی نہ تھے گویا وہ ایک طرح سے مہاتما گاندھی کی اہنسا والی حکمتِ عملی کے قائل تھے- حکومتِ برطانیہ نے میاں فضل حسین کی خدمات کا اعتراف کیا اور سر کے خطاب سے سرفراز کیا- میاں فضل حسین پنجاب میں وزیرِ تعلیم اور مرکز میں وزیرِ قانون بھی رہے- انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر کے فرائض بھی انجام دیے- ۹ جولائی ۱۹۳۶ء کو انتقال کیا-۱۱

❁

کیسی پتے کی بات جگندر نے کل کہی
موٹر ہے ذوالفقار علی خاں کا کیا خموش

(ص ۲۰۶/۱۹۰)

*جگندر:- سردار جگندر سنگھ ۲۵ مئی ۱۸۷۷ء کو پیدا ہوئے- یہ ایک بہت بڑے تعلقہ دار تھے- ان کو ۱۹۱۹ء میں

حکومتِ برطانیہ کی طرف سے سر کا خطاب ملا۔ یہ نواب ذوالفقار علی خاں کے دوست تھے۔نواب ہی نے ان کو اقبال سے متعارف کرایا تھا۔ سردار جگندر سنگھ انگریزی اور فارسی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے۔ انہوں نے انگریزی میں اسرارِ خودی پر بعض اچھے مضامین لکھے۔وہ سکھوں کے مسلمہ لیڈر تھے۔سردار جگندر سنگھ سکھ ایجوکیشنل کانفرنس کے صدر بھی رہے اور کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر بھی۔ انہوں نے East and West کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیے۔ ان کی تصانیف میں کملا، نورجہاں اور نسرین قابلِ ذکر کتابیں ہیں ۔ سردار جوگندر سنگھ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۷ء تک وزیر زراعت بھی رہے۔ ریاست پٹیالہ میں وزیر داخلہ کی حیثیت سے بھی کام کیا اور پنجاب یونیورسٹی کے فیلو بھی نامزد ہوئے۔۱۲

''ذوالفقار علی خاں'':۔ نواب سر ذوالفقار علی خاں کا آبائی وطن مالیر کوٹلہ تھا اور یہ وہاں کے حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۸۷۶ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۳۳ء میں وفات پائی۔ وہ مسلمانوں کے ہمدرد اور علم و ادب کے بڑے قدر دان تھے۔ علامہ اقبال سے ان کی ملاقات ۱۹۰۸ء میں ہوئی اور یہ سلسلۂ ملاقات آخر وقت تک قائم رہا۔ Voice from the East or the Poetry of Iqbal لکھ کر انہوں نے اقبال کو یورپ اور امریکہ سے روشناس کیا۔ انہوں نے لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند سے علامہ اقبال کے لیے سر کے خطاب کی سفارش کی اور ۱۹۰۱ء میں اقبال کو انہی کی کوشش سے سر کا خطاب ملا۔ یہ نظم (موٹر) ۱۹۱۳ء میں لکھی گئی۔ پہلا شعر موٹر ہی میں کہا گیا اور باقی اشعار نواب سر ذوالفقار علی خاں کی کوٹھی پر لکھے گئے۔ اس موٹر کا نام ٹالبوٹ (Talbot) تھا۔ پنجاب کے مسلمانوں میں سے یہ موٹر صرف انہی کے پاس تھا۔ سر ذوالفقار علی خاں، اقبال کے بہترین احباب میں سے تھے۔ ہفتے میں دو یا تین مرتبہ ان کے مکان پر ادبی محفل ہوا کرتی تھی۔ اس محفل میں میاں محمد شفیع، سر فضل حسین، سر عبدالقادر، سر جگندر سنگھ، سر شہاب الدین وغیرہم شریک ہوا کرتے تھے۔بعض اوقات مہاراجگان بھی آیا کرتے تھے۔ ان محفلوں میں کبھی کبھی سیاسی لیڈر مثلاً حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور ڈاکٹر انصاری بھی شریک ہوا کرتے تھے۔ یہ کوٹھی جہاں اس قسم کی محفلیں ہوا کرتی تھیں، ۱۹۱۰ء میں بنی تھی۔ اقبال ہی نے اس کا نام ''زرافشاں'' تجویز کیا تھا۔۱۳

❁

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
اہلِ قلم میں جس کا بہت احترام تھا
(ص ۲۵۵/۲۷۱)

''مغربی حق شناس'':۔ اشارہ ڈوئچ کی طرف ہے۔

عمانوئل آسکر مینہم ڈوچ (Immanuel Oscar Menham Deutsch) سامی زبان وادب کا جرمن فاضل جو یہودی النسل تھا، ۲۸ اکتوبر ۱۸۲۹ء کو پیدا ہوا- برلن یونیورسٹی میں اس کے عمیق مطالعے نے اسے یہودی اور کلاسیکل زبانوں کا ماہر بنا دیا اور ۱۸۵۵ء میں وہ برٹش میوزیم لائبریری میں اسسٹنٹ ہو گیا- اس نے تالمود پر بڑی محنت سے کام کیا اور چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں ۱۹۵ مضامین لکھے- اس کا مشہور مقالہ تالمود سے متعلق کوارٹرلی ریویو (Quarterly Review) میں شائع ہوا- اس کا یورپ کی متعدد زبانوں میں ترجمہ کیا گیا - اس کا انتقال اسکندریہ میں ۱۲ مئی ۱۸۷۳ء کو ہوا- اسی سال اس کی کتاب Literary Remains کو لیڈی اسٹرینگ فورڈ (Lady Strangford) نے مرتب کر کے شائع کیا-۱۴

اسمتھ ایک جگہ لکھتا ہے:۱۵

"Bilal, a 'blind' Negro became the first Muezzin; and as Deutsch remarks, even Alexander the Great is at this day an unknown personage in Asia compared to him"

❁

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی
تیری چنگاری چراغ انجمن افروز تھی !

(ص ۲۶۶/۲۸۲)

"ہمایوں": - پنجاب کے میاں خاندان میں ۱۲ اپریل ۱۸۶۸ء کو میاں محمد شاہ دین ہمایوں پیدا ہوئے- ہمایوں اس صدی کے ربع اوّل میں ہند و پاکستان کے مسلمانوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے- علامہ اقبال ان کی بڑی عزت کرتے تھے- ہمایوں کی ذات پر سر سید اور ان کے رفقا کو بھی بڑا ناز تھا جس سے ان کی غیر معمولی ذہانت، قابلیت اور قومی خدمات پر خاصی روشنی پڑتی ہے- ہمایوں اصول کے پابند تھے- انہوں نے ملک وملت کی خدمت و اصلاح میں عمر صرف کر دی- ان کو ابتدا ہی سے ادبی ذوق تھا- گورنمنٹ کالج لاہور میں وہ مولانا محمد حسین آزاد کے شاگرد ہوئے- ہمایوں اصلاح اور ترقی تعلیم کے بڑے حامی تھے- ان کو شاعری سے بھی لگاؤ تھا؛ چنانچہ انہوں نے ہمایوں تخلص اختیار کیا اور اپنے کلام کا ایک مجموعہ 'جذبات ہمایوں' کے نام سے یادگار چھوڑا -

ہمایوں کے فرزند میاں بشیر احمد نے اپنے والد کی یاد میں ہمایوں نامی ماہنامہ جاری کرنا چاہا تو وہ علامہ اقبال

کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گذارش کی کہ میں ہمایوں رسالہ نکالنا چاہتا ہوں، آپ والد کی علمی وادبی خدمات کے صلے میں کوئی نظم تحریر فرمائیں- علامہ اقبال نے رسالے کے لیے ایک نظم لکھی اور وہ اس کی پہلی اشاعت کے ساتھ ۱۹۲۲ء میں شائع ہوئی - رسالہ ہمایوں اس وقت سے اب تک پابندی سے شائع ہوتا رہا ہے- ہمایوں کا انتقال ۲ جولائی ۱۹۱۸ء کو ہوا-

❁

اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات
(ص ۲۷۵/۲۹۱)

''شاخِ آہو'':- اشارہ فارسی کی مندرجہ ذیل ضرب المثل کی طرف ہے:

برات عاشقاں بر شاخِ آہو- ۱۲

❁

''کھل گئے'' یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیرِ حرفِ ''ینسلون''
(ص ۳۰۶/۳۲۲)

''یاجوج اور ماجوج''-یاجوج اور ماجوج کا ذکر قرآن میں دو دفعہ آیا ہے- ایک تو سورۂ کہف میں اور دوسرا سورۂ انبیاء میں-یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہدِ عتیق میں آیا ہے، حزقی ایل نبی کی کتاب میں- عہدِ عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفاتِ یوحنا میں بھی ملتا ہے-

یاجوج اور ماجوج کے لیے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہو گئے ہیں اور شارحینِ توریت کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے توریت کے ترجمہ سبعینی (ترجمہ سبعینی سے مقصود توریت کا وہ پہلا یونانی ترجمہ ہے جو اسکندریہ میں شاہی حکم سے ہوا تھا اور جس میں ستر علمائے یہود شریک تھے) میں اختیار کیے گئے تھے-

تمام تاریخی قرائن متفقہ طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں- یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقتور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لے کر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا، جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لیے چینیوں کو سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی، جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا

آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا اور ایشیا میں تا تاریوں کے نام سے - اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین (Scythian) کے نام سے پکارا ہے اور اس کے حملوں کی روک تھام کے لیے سائرس (ذوالقرنین) نے سد تعمیر کی تھی -

شمال مشرق کے اس علاقے کا بڑا حصہ اب ''منگولیا'' کہلاتا ہے - لیکن ''منگول'' لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی، اس کے لیے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام ''موگ'' تھا - یقیناً یہی موگ ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں ''میگ'' اور ''مے گاگ'' پکارا جاتا ہوگا اور یہی عبرانی میں ''ماجوج'' ہوگیا -

چین کی تاریخ میں ہمیں اس علاقے کے ایک اور قبیلے کا ذکر بھی ملتا ہے جو ''یواجی'' (Yueh-Chi) کے نام سے پکارا جاتا تھا - یہ ''یواجی'' ہے جس نے مختلف قوموں کے مخارج و تلفظ سے گزر کر کوئی ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ عبرانی میں ''یاجوج'' ہوگیا - ١٧

وفد ہندستاں سے کرتے ہیں سر آغا خاں طلب
کیا یہ چورن ہے پئے ہضمِ فلسطین و عراق؟

(ص ٣٠٧/٣٢٣)

''سر آغا خاں'': - سلطان محمد شاہ نام، سال پیدائش ١٨٧٧ء ہے - حکومت برطانیہ، شاہان یورپ اور شاہ فارس سے مختلف خطابات و اعزاز حاصل کیے - آٹھ سال کی عمر میں ان کے والد نے ان کو فرق اسمٰعیلیہ کا باضابطہ امام اور جانشین مقرر کیا - آغا خان اس فرقے کے ۴۸ ویں امام تھے - نواح بمبئی میں ان کے مرید کثرت سے پائے جاتے ہیں جو خوجے کہلاتے ہیں - اس کے علاوہ اسمٰعیلیہ فرقے کے لوگ جو ان کی امامت پر ایمان رکھتے ہیں ایران، افغانستان، روس، وسط ایشیا، چین، ترکستان، مصر، شمالی افریقہ وغیرہ میں بھی ملتے ہیں - ١٨٩٨ء میں پہلی مرتبہ آغا خاں کو علی گڑھ کالج دیکھنے کا موقع ملا، اسی وقت سے وہ مسلمانوں کے قومی کاموں میں دلچسپی لینے لگے - سب سے بڑھ کر یہ کہ مسلم یونیورسٹی کی اسکیم کو عمل میں لانے کے لیے آغا خاں نے مختلف مقامات کے سفر کیے - ان کا زیادہ وقت یورپ میں گزرتا تھا - آغا خاں نے فلسطین و عراق کا مسئلہ طے کرانے کے لیے برصغیر پاک و ہند سے وفد بھی طلب کیا تھا - یہ وفد لارڈ کرزن کے ایما پر طلب کیا گیا تھا جس کا مقصد یہ تھا کہ ارکان وفد مجلس اقوام میں انگریزوں کے طرز عمل کی حمایت کریں اور باقاعدہ درخواست کریں کہ جب فرانس کو شام دے دیا گیا تو عراق اور فلسطین پر انگریزوں کا تسلط تسلیم کیوں نہ کیا جائے - سیاست ہند پر آغا خاں نے ایک

کتاب مرتب کی جو جون ۱۹۱۸ء میں لندن سے شائع ہوئی- اس کے بعد آغا خاں کی خودنوشت سوانح کے بعض اجزا شائع ہوئے ہیں- ۱۱ جولائی ۱۹۵۷ء کو آغا خاں نے انتقال کیا-[۱۸]

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے، برسوں میں نمازی بن نہ سکا
(ص ۳۰۸/۳۲۴)

اس شعر کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ بیرون شاہ عالمی دروازہ اہل لاہور نے اپنے جوشِ ایمان کے تحت ایک مسجد ایک رات ہی میں بنا ڈالی- کسی شخص نے علامہ اقبال کو یہ واقعہ سنایا تو انہوں نے مسلمانوں کی حرارت ایمانی سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا-

۱- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، ص ۲۳۹-۲۴۰

۲- حالی، حیاتِ جاوید

+ حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، صفحہ ۲۷۰-۲۸۰-

+ شیخ محمد اکرام، موج کوثر، صفحہ ۴۵-۵۹

۳- اقبال نمبر، نیرنگ خیال

+ شیخ عبدالقادر، دیباچہ بانگِ درا

۴- شاہ معین الدین احمد ندوی، تابعین، صفحہ ۳۴-۴۸

+ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیا اردو، صفحہ ۲۲-۲۹

۵- سید صباح الدین عبد الرحمٰن، بزم صوفیہ، صفحہ ۱۸۰-۲۳۴

۶- محمد طاہر فاروقی، سیرت اقبال، صفحہ ۶-۷

+ محمود نظامی، ملفوظات اقبال صفحہ ۲۱۴-۲۱۸

۷- پنڈی داس، سوانح عمری سوامی رام تیرتھ

Beale-An Oriental Biographical Dictionary, W.A Allen & Co., -۸

London, 1984,pp.85.

۹- مخزن، مارچ ۱۹۵۰ء

۱۰- مولانا سعید انصاری، سیر انصار حصہ اول، صفحہ ۱۰۹-۱۱۶

+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، صفحہ ۷۵

Azim Hussain, Fazl -i- Husain. -۱۱

The Indian Year Book & Who's Who, 1939-40,pp.1024-1025 -۱۲

The Indian Year Book & Who's Who, 1939-40,pp.1024-1025 -۱۳

۱۴- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۷، ص ۲۸۱

Smith, R. Bosworth, Mohammad and Mohammadenism,

۱۵-

John Murray, London,1889,p.211

۱۶- بہارِ عجم، ج۲،ص۱۴۶،مطبوعہ نول کشور، لکھنو

۱۷- مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ج۲، ص۴۲۰

۱۸- انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ج۱،ص۱۸۰

زبورِ عجم

(کلیاتِ اقبال، فارسی،۱۹۹۰ء)

کلیسا	سبحۂ	پطرس	شمارد
کہ او	با	حاکمی	کارے ندارد

(ص۹۵/۴۳۹)

''پطرس'':- پطرس (Simon Peter) ایک ماہی گیر اور حضرت عیسٰی کا حواری تھا- اس نے جلد ہی حضرت عیسٰی کا قرب حاصل کر لیا تھا- پطرس کا شمار حضرت عیسٰی کے مشہور ترین حواریوں میں ہوتا ہے- کچھ عرصہ یہ سینٹ پال کے ساتھ بھی رہا- حضرت عیسٰی اس پر بڑا اعتماد کرتے تھے- آگے چل کر سینٹ پال سے پطرس کے تعلقات کشیدہ ہو گئے- اس کی تبلیغ زیادہ تر پونٹس، گلاتیا، ایشیا وغیرہ تک محدود رہی- پطرس کی شہادت کی تصدیق مذہبی روایات سے ہوتی ہے- اس نے جو دو خط لکھے ہیں، ان میں سے پہلا خط تو قابلِ اعتبار خیال کیا جاتا ہے لیکن دوسرا خط معتبر نہیں سمجھا جاتا- پطرس کا ذکر لوقا کی انجیل میں ملتا ہے-۱

کند	کور	تو	اندر	پیکرِ	تو
نکیر	و	منکرِ	او	در	برِ تو

(ص۱۰۹/۴۴۸)

''نکیر و منکر'':- وہ دونوں فرشتے جو قبر میں مردے سے سوال کریں گے کہ تیرا رب کون ہے، تیرا رسول کون ہے، تو نے کیا کیا وغیرہ وغیرہ-۲

فکرِ او ناداں و بے ذوقِ ستیز
بانگِ اسرافیل او بے رستخیز

(ص ۱۲۲/۴۶۵)

''اسرافیل''- اسرافیل اس فرشتہ مقرب کا نام ہے جو قیامت کے دن دو بار صور پھونکے گا- پہلی مرتبہ مخلوق نیست و نابود ہو جائے گی اور دوسری بار کل مخلوق زندہ ہو جائے گی-۳

حوالہ کتب

۱- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۷، ص ۶۴۶-۶۴۷

\+ James Hastings- Dictionary of the Bible, pp.713-718.

۲- ترمذی، ج ۲، ص ۳۳۹-

\+ نور اللغات، ج ۴، ص ۶۵۴

۳- مظاہر حق ترجمۂ مشکوٰۃ، ج ۴، ص ۳۶۵ مطبوعہ نول کشور لکھنو-

\+ نور اللغات، ج ۱، ص ۲۹۲

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، ۱۹۹۰)

این تماشا خانہ سحر سامری است
علم بے روح القدس افسو ں گری است

(صفحہ ۱۲/۶۸۴)

"سامری":- مولانا ابوالکلام آزاد کی تحقیق سامری کے بارے میں حسب ذیل ہے:

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سامری کون تھا، یہ اس کا نام تھا یا قومیت کا لقب- قیاس کہتا ہے کہ یہاں سامری سے مقصود سمیری قوم کا فرد ہے کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ہے، عربی میں اس کا نام قدیم سے سامری آ رہا ہے اور اب بھی عراق میں ان کا بقایا اسی نام سے پکارا جاتا ہے- یہاں قرآن کا "سامری" کہہ کے اسے پکارنا صاف بتا رہا ہے کہ یہ نام نہیں، اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ شخص اسرائیلی نہیں سامری تھا-

حضرت مسیحؑ سے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس پہلے دجلہ و فرات کے دوآبے میں دو مختلف قومیں آباد ہو رہی تھیں- ان میں سے ایک قوم جو جنوب سے آئی تھی، عرب تھی- دوسری جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ شمال سے اتری، سمیری تھی- اسی قوم کے نام سے تاریخ قدیم کا شہر سامرہ' اور 'آباد ہوا تھا جس کا محل اب "تل ابیب" میں دریافت ہوا ہے اور وہاں سے پانچ ہزار برس پیشتر کے بنے ہوئے زیور اور سنہری ظروف برآمد ہوئے ہیں-

سمیری قوم کی اصل کیا تھی، اس بارے میں اب تک کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکتی لیکن نینوا میں اشوری پال (متوفی ۶۲۶ ق م) کا جو کتب خانہ نکلا ہے، اس میں تختیوں کا ایک مجموعہ (لغت کی کتاب کا بھی) جس میں اکاوی اور سمیری زبان کے ہم معنی الفاظ جمع کیے گئے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیری زبان کے اصوات سامی حروف کے اصوات سے چنداں مختلف نہیں تھے۔ یہ بہت ممکن ہے کہ وہ بھی انہی قبائل کے مجموعے سے کوئی دور کا تعلق رکھتے ہوں جن کے لیے ہم نے توریت کی اصطلاح 'سامی' اختیار کر لی ہے----- بہر حال سمیری قبائل کا اصل وطن عراق تھا مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے۔ مصر سے ان کے تعلقات کا سراغ ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آ چکا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ کا بھی معتقد ہو گیا اور جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ چلا آیا۔ اسی کو قرآن نے ''السامری'' کے لفظ سے یاد کیا ہے۔ گائے، بیل اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی۔ قرآن میں سامری کا واقعہ سورۂ طٰہٰ میں تفصیل سے درج ہے۔[1]

❁

صد	جبل	از	خانظین	و یلدرم
بر دہانش	دود	و	نار	اندر شکم

(ص ۳۵/۵۰۷)

''خانظین و یلدرم'': - فرضی نام ہیں۔

❁

عارف ہندی کہ بہ یکے از غار ہائے قمر خلوت گرفتہ و اہل ہند او را ''جہاں دوست'' می گویند۔

(ص ۲۶/۵۰۸)

''جہاں دوست'': - وشوامتر کا ترجمہ ہے۔ وشوامتر، رام کا استاد تھا۔

جہاں دوست کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہاں اشارہ دراصل شیوجی کی طرف ہے جو پاربتی کے شوہر تھے

۔

❁

دوش	دیدم	بر	فراز	قشمرود
ز آسماں		افرشتۂ	آمد	فرود

(ص ۳۹/۵۱۱)

''قشمر وذ'':- یہ ایک فرضی نام ہے-

حرکت بہ وادیٔ یرغمید کہ ملائکہ او را وادیٔ طواسین می نامند-

(ص۴۴/۵۱۶)

وادی یرغمید میں اقبال اور رومی داخل ہوتے ہیں- اس وادی کا نام فرشتوں کی زبان میں وادی ''طواسین'' ہے- منصور حلاج کی مشہور تصنیف کتاب الطواسین فرانس میں طبع ہو چکی ہے- طٰہٰ قرآن کی ایک سورت کا نام ہے اور قرآن کے حروف مقطعات میں سے ہے۔ منصور حلاج کی جدت کوشی کا یہ کمال تھا کہ اس نے اپنی تصنیف کے مختلف حصوں کو بجائے ابواب میں تقسیم کرنے کے ان کا نام طواسین (طٰا کی جمع) رکھا- بالکل اسی طرح جیسے کوئی مصنف لفظ ''لوح'' یا ''منزل'' بمعنی باب یا فصل استعمال کرتا ہے- چونکہ پاسِ ادب مانع تھا کہ پیغمبروں سے بالمشافہہ ملاقات کی جاتی، اس لیے اقبال نے اس امر پر اکتفا کی ہے کہ بجائے ان سے مل کر گفتگو کرنے کے، ان کی ''طواسین'' یا بالفاظ دیگر الواح فلک قمر میں پڑی ہوئی دکھائی ہیں جن کے کتبوں میں سے ہر ایک کی تعلیم کا اہم پہلو واضح ہو گیا ہے-۲

تیز تر نہ پا براہ یرغمید
تا بہ بینی آنچہ می بایست دید

(ص۴۵/۵۱۷)

''یرغمید'':- یہ ایک فرضی نام ہے-

درمیانِ کوہسارِ ہفت مرگ
وادیٔ بے طائر و بے شاخ و برگ

(ص۵۱/۵۲۳)

''ہفت مرگ'': -یہ ایک فرضی نام ہے-

گفت در چشم فسونِ سامری است
نام م افرنگین و کارم ساحری است

(ص۵۱/۵۲۳)

''افرنگین'':- یہ ایک فرضی نام ہے-

❁

نوحہ	روحِ	ابوجہل	در	حرمِ	کعبہ

(ص۵۳/۵۲۵)

''ابوجہل'':- اس کا اصلی نام ابوالحکم عمر بن ہشام بن المغیرہ تھا- ابوجہل کے لفظی معنی جہالت کے باپ کے ہیں -یہ رسول کریمؐ اور دین اسلام کا سخت ترین دشمن تھا- اگرچہ اس کے بیٹے عکرمہؓ نے بعد میں اسلام قبول کرلیا تھا مگر یہ خود دولت اسلام سے محروم رہا- ابوجہل ۲ھ (۶۲۴ء) میں مع اپنے بھائی کے جنگ بدر میں ہلاک ہوا-۳

❁

اعجمی	را	اصلِ	عدنانی	کجاست
گنگ	را	گفتارِ	سحبانی	کجاست

(ص۵۴/۵۲۶)

''سحبانی'':- اشارہ سحبان کی طرف ہے-

سحبان باہلہ قبیلے کا فرد تھا- عرب، فصاحت میں اس کا نام ضرب المثل کے طور پر استعمال کرتے ہیں- سعدی نے اپنی کتاب گلستان میں اس کی فصاحت کی بڑی تعریف کی ہے-۴

❁

پاک	مرداں	چوں	فضیل	و	بو سعید
عارفاں	مثلِ	جنید	و	بایزید	

(ص۶۰/۵۳۲)

''فضیل''-حضرت فضیلؒ بن عیاض صوفیہ کے طبقہ اول سے تعلق رکھتے ہیں- ان کا شمار مشائخ کبار میں ہے- آپ کے ہم عصر آپ کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے- آپ کی ریاضت اور زہد و تقوی بہت بلند و ارفع تھا- وطن آپ کا کوفہ تھا- بعض نے آپ کو خراسانی اور کچھ راویوں نے بخاری الاصل بتایا ہے- ابتدا میں یہ نہ صرف ایک ڈاکو تھے بلکہ ڈاکوؤں کے سردار بھی تھے- دفعتہً زندگی میں ایک انقلاب ہوا اور رہزنی ترک کرکے زہد و تقوی کی راہ اختیار کی- آپ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اکتسابِ فیض کیا- انتقال ۱۸۷ھ (۸۰۲ء) میں ہوا ۵-

''بوسعید'':- حضرت ابوسعیدؒ فضل اللہ بن ابی الخیر اپنے زمانے کے علوم وفنون میں دستگاہ کامل رکھتے تھے- زہد وتقویٰ میں بڑے راسخ تھے- آپ کے والد امرائے محمود غزنوی سے اکثر مذاکرے کیا کرتے تھے- اسی عہد میں یکم محرم ۳۵۷ھ (۷دسمبر ۹۶۷ء) کو ابوسعید پیدا ہوئے- ابوسعید نے مرو میں عبد اللہ حصیری کی خدمت میں پانچ سال گزارے اور وہیں سے علوم ظاہری وباطنی میں کمال پیدا کیا- اپنی زندگی کا بڑا حصہ صحرانوردی میں بسر کیا- اس کے بعد طریقِ ارشاد میں مشغول ہوئے- آپ کی فارسی رباعیاں بہت مشہور ہیں- سال وفات ۴۴۰ھ (۱۰۴۸ء) ہے -۶

''جنید'':- حضرت جنیدؒ بغدادی صوفیہ کے طبقہ دوم سے تعلق رکھتے ہیں- آپ کی کنیت ابوالقاسم ہے اور لقب قواریری اور زجاج وخراز ہے- زجاج اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے والد شیشہ فروخت کیا کرتے تھے اور خراز اس لیے کہا گیا کہ آپ ریشم کا کام کرتے تھے- آپ دراصل نہاوند کے رہنے والے تھے لیکن پیدا بغداد میں ہوئے - ابوثور کا مذہب رکھتے تھے جو امام شافعی کے بڑے شاگردوں میں سے ہیں اور بعض کے نزدیک آپ سفیان ثوری کا مذہب رکھتے تھے- حضرت سری سقطی اور حارث محاسبی وغیرہ کی صحبت سے فیض پایا اور ان کے شاگردوں میں سے ہیں- آپ صوفیوں کے امام وسردار ہیں- آپ سید الطائفہ کے لقب سے مشہور ہیں- کتاب الطبقات اور رسالہ قشیریہ میں آپ کا سال وفات ۲۹۷ھ (۹۰۹ء) درج ہے اور تاریخ یافعی میں ہے کہ ۲۹۸ھ (۹۱۰ء) میں انتقال فرمایا اور بعض کے نزدیک ۲۹۹ھ (۹۱۱ء) میں وفات پائی- ۷

۞

سرِ عشق از عالمِ ارحام نیست
او زِ سام و حام و روم و شام نیست
(ص ۶۸/ ۵۴۰)

''سام'':- توریت میں ہے کہ جب حضرت نوحؑ کی عمر پانچ سو برس کی تھی تو اس وقت سام پیدا ہوئے- توریت ہی میں ان کا نام سم بھی آیا ہے- بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو منصب نبوت بھی عطا کیا گیا تھا- عمر ۶۰۰ سال کی پائی- سام عربوں کے جد اعلیٰ ہیں -۸

''حام'':- حام کی پیدائش کے وقت بھی حضرت نوحؑ کی عمر پانچ سو برس کی تھی- حام حبشیوں کے جد اعلیٰ ہیں-۹

۞

بے خبر مرداں ز رزمِ کفر و دیں
جانِ من تنہا چوں زین العابدینؓ

(ص۸۸/۵۶۰)

''زین العابدین'':- امام زین العابدینؒ بن حسینؓ بن علیؓ- آپ بارہ اماموں میں سے چوتھے امام تھے- کنیت آپ کی ابومحمد وابوالحسن وابوالقاسم وابوبکر ہے، لقب آپ کا سجاد وزین العابدین وذکی وامین ہے اور نام آپ کا علی ہے- سالِ پیدائش ۳۸ھ (۶۵۸ء) ہے- اس جنگ میں جو حضرت امام حسینؓ اور یزید بن معاویہ کے درمیان ہوئی، آپ بوجہ علالت شریک نہ ہو سکے- آپ کو عمر بن سعد نے خلیفہ یزید کے پاس مع چند افراد کے بھیج دیا- خلیفہ نے عزت واحترام کے ساتھ مدینہ جانے کی اجازت دے دی- جب مدینے کے کچھ لوگوں نے یزید کے خلاف بغاوت کی تو انہوں نے باغیوں کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا- بعض کے نزدیک حضرت زین العابدینؒ کا انتقال ۹۲ھ (۷۱۰-۷۱۱ء) میں ہوا لیکن عام خیال یہ ہے کہ آپ ۹۴ھ (۷۱۲-۷۱۳ء) میں بقیدِ حیات تھے اور ۵۸ سال کی عمر پا کر انتقال کیا-۱۰

قبر ما را علم و حکمت بر کشود
لیکن اندر تربتِ مہدی چہ بود؟

(ص۹۶/۵۶۸)

''مہدی'':- محمد احمد بن سید عبداللہ، مہدی سوڈانی ۱۸۴۸ء میں ایک ملاح کے ہاں پیدا ہوئے- ان کا تعلق صوفیہ کے گھرانے سے تھا۔ ۲۲ سال کی عمر میں انہوں نے اسلام کی اصلی تعلیمات کی طرف لوٹنے کی دعوت دی۔ جلد ہی مہدی کا لقب اختیار کیا-۱۸۸۰ء میں خرطوم سے جنوب کی طرف ۵۰ میل کے فاصلے پر ان کی حکومت قائم ہو گئی- جب خرطوم میں اس کی خبر پہنچی تو وہاں کے گورنر نے ان کی گرفتاری کے احکام صادر کیے لیکن انہوں نے اطاعت سے انکار کیا اور جب فوج روانہ کی گئی تو انہوں نے اس کا قلع قمع کر دیا- مہدی ایک اچھے سپہ سالار اور ایک اچھے منتظم تھے-۲۲ جون ۱۸۸۵ء کو ان کا انتقال ہوا- انتقال کے وقت ان کی حکومت وسیع ہو چکی تھی یہاں تک کہ اس کی حدود مصر تک پہنچ گئی تھیں-

مہدی سوڈانی نے اپنے پیرووں کو تلقین کی کہ وہ پیدل چلیں بجز جنگ کے، گھوڑوں کے بجائے گدھوں پر سوار ہوں نیز یہ کہ شادی کے مصارف میں کمی کریں- بنابریں ان کے پیرووں نے درویش کا لقب اختیار کیا- وہ صوفیت کی طرف بھی مائل تھے- مہدی کو یورپ میں بڑی شہرت حاصل ہوئی -۱۱

گفت ''اے کشفر اگر داری نظر

انتقامِ خاکِ درویشے نگر
آسماں خاکِ ترا گورے نداد
مرقدے جز در یمِ شورے نداد
(ص۹۷/۵۶۹)

''کچنر'':- ہربرٹ کچنر (Herbert Kitchener) ۲۴ جون ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوا- اس نے مہدی سوڈانی کے پیروؤں کو، جو درویش کہلاتے تھے، ۱۸۱۸ء میں شکست دے کر جنرل گورڈن کی موت کا انتقام لیا اور جوشِ انتقام میں تہذیب کے دائرے سے اس قدر گزر گیا کہ مہدی سوڈانی کی قبر کھدوا ڈالی- اس 'کارِ خیر' کے صلے میں انگریز قوم نے تیس ہزار پونڈ کا انعام اور امیر خرطوم (Lord of Khartoum) کا خطاب عطا کیا- برصغیر کا کمانڈر ان چیف اور بعد کو مصر کا کونسل جنرل بنایا گیا- پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ء - ۱۹۱۸ء) کے دوران سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ جرمن آبدوز کشتی نے ۵ جون ۱۹۱۶ء کو سمندر کی گہرائیوں میں پہنچا دیا- جاوید نامہ میں کچنر کو ذوالخرطوم کا لقب دیا گیا ہے جو (Lord ofKhartoum) کا لفظی ترجمہ بھی ہے اور ایک تحقیری پہلو بھی رکھتا ہے- ۱۲

❁

ایں نواحِ مرغدین و برخیاست
برخیا نامِ ابو الآبائے ماست
(ص۱۰۵/۵۷۷)

''مرغدین اور برخیا'':- یہ دونوں یہاں فرضی نام ہیں-

❁

فرز مرز آں آمرِ کردار زشت
رفت پیشِ برخیا اندر بہشت
(ص۱۰۵/۵۷۷)

''فرزمرز'':- یہ ایک فرضی نام ہے-

❁

کاش بودے در زمانِ احمدے
تا رسیدے بر سرورے سرمدے

(ص۱۵۴/۶۲۶)

''احمدؒ'':- اشارہ ہے شیخ احمد سرہندیؒ کی طرف-

شیخ احمد نام، لقب مجدد الف ثانی تھا- زہد و علم میں بڑی شہرت رکھتے تھے- شیخ عبدالاحد فاروقی کے فرزند تھے- سرہند میں ۱۵۶۳ء میں پیدا ہوئے اور وہیں ۱۶۲۵ء میں انتقال کیا- آپ کا مزار سرہند ہی میں ہے- آپ اپنے کمالاتِ علمی و روحانی اور جہادِ قلمی و لسانی کے سبب بزرگانِ اسلام میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں-

شیخ احمد سرہندیؒ نے اکبر بادشاہ کے دینِ الٰہی کا سدباب کیا- اکبر کے بعد جب جہانگیر تخت نشین ہوا تو اس نے اس فتنے کو ختم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی- نتیجہ یہ نکلا کہ ملتِ اسلامیہ کا وجود خطرے میں پڑ گیا- ان حالات کو دیکھ کر شیخ احمدؒ نے اس فتنے کو ختم کرنے کا تہیہ کیا- گو آپ کے مخالفوں نے آپ کی اس کوشش کو جہانگیر کے سامنے ایک بغاوت کے رنگ میں پیش کیا لیکن آپ نے جہانگیر کی ذرا پروا نہ کی اور اس فتنے کا پورے طور پر استیصال کر دیا- آپ کے مکتوبات بڑی شہرت رکھتے ہیں جو آپ نے وقتاً فوقتاً تحریر کیے- [۱۳]

اس شعر میں بھی حضرت مجدد الف ثانی ہی کی طرف اشارہ مقصود ہے:

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

(بالِ جبریل، صفحہ ۲۷/۳۵۱)

سید السادات، سالارِ عجم
دستِ او معمارِ تقدیرِ امم

(ص۱۵۹/۶۳۱)

''سید السادات'':- اشارہ سید علی ہمدانی کی طرف ہے- سید علی ہمدان کے رہنے والے سادات عظام میں سے تھے- امیر تیمور کی ناراضگی کی وجہ سے ترکِ وطن کر کے سلطان قطب الدین کے زمانے میں کشمیر آئے- سات سو مریدوں کی جماعت آپ کے ہمراہ تھی- یہ ۱۳۸۰ء کا زمانہ تھا- چھ برس تک کشمیر میں رہے- کشمیر کو وہ باغ سلیمان کہتے تھے- جب ایران واپس جا رہے تھے تو راستے میں انتقال کیا- ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانی بھی ان کے بعد تین سو سیدوں کے ساتھ کشمیر آ کر آباد ہوئے اور بارہ برس تک وہاں رہے- انہوں نے جا بجا کشمیر میں حجرے بنوا دیے تھے جو اشاعتِ اسلام کا مرکز سمجھے جاتے تھے- ان کی تبلیغ سے ہزارہا افراد مسلمان ہو گئے- کشمیری سادات اب تک وہاں موجود ہیں- سید علی ہمدانی اور شاہ ہمدان ایک ہی ہیں-[۱۴]

"زندہ رود"

(ص ۱۹۰/۶۳۲)

"زندہ رود":- یہ ایک کردار ہے جسے اقبال نے خود اپنے لیے منتخب کیا ہے۔ زندہ رود کے معنی مسلسل بہتی ہوئی حیات آفریں ندی کے ہیں۔ اسی نام کا ایک دریا ایران میں بہتا ہے، جسے عموماً زائندہ رود کہا جاتا ہے۔ اس کی لمبائی چار سو کلومیٹر کے قریب ہے اور یہ مغربی ایران سے شروع ہو کر جنوب مشرق کی سمت سفر کرتا ہے۔ یہ دریا اصفہان کے نزدیک سے بھی گزرتا ہے جہاں اسکا پانی آبپاشی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

علم اگر کج فطرت و بد گوہر است
پیشِ چشمِ ما حجابِ اکبر است

(ص ۱۸۶/۶۵۸)

یہاں صوفیہ کے مقولے "العلم حجاب الاکبر" کی طرف اشارہ مقصود ہے۔

بایزید و شبلی و بوذر ازوست
امتاں را طغرل و سنجر ازوست

(ص ۱۵۹/۶۶۱)

"شبلی":- حضرت ابوبکر شبلیؒ بمقام بغداد ۲۴۷ھ (۸۶۱ء) میں پیدا ہوئے- آپ کا شمار صرف اپنے زمانے کے صوفیہ ہی میں نہ تھا بلکہ محدثین کے گروہ میں بھی شامل تھے- فقہ مالکی کے مقلد تھے اور جنیدؒ بغدادی کے خلیفہ و مرید- آپ کا اصلی وطن خراسان تھا- بغداد میں جمعہ کے دن ۳۳۴ھ (۹۵۴ء) میں انتقال کیا- حد درجہ مرتاض تھے- ۱۵

اہل حق را حجت و دعوی یکے است
خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکے است

(ص ۱۹۰/۶۶۲)

خیمہ ہائے ما جدا الخ- اس عربی ضرب المثل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے-

حیامنا شتیٰ و قلوبنا واحدۃ -

خطاب بہ جاوید

(ص۱۹۴/۶۶۶)

"جاوید":- اقبال نے یہاں اپنے فرزندِ دلبند جاوید اقبال کو خطاب کیا ہے-

جاوید اقبال ۵ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو لاہور میں پیدا ہوئے- پی ایچ ڈی کیمبرج سے کیا اور انگلستان ہی سے بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی- علامہ کو ان سے بڑی توقعات تھیں- متعدد علمی کتابوں کے خالق ہیں- علامہ کے سوانح کے ضمن میں ان کا بڑا کام ہے-

رفت ازو آں مستی و ذوق و سرور
دینِ او اندر کتاب و او بگور

(ص۱۹۵/۶۶۷)

'دینِ او اندر ... الخ' یہ مصرع اس مثل سے ماخوذ ہے: مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب-

صحبتش با عصرِ حاضر در گرفت
حرفِ دیں را از دو پیغمبر گرفت
آں زِ ایراں بود و ایں ہندی نژاد
آں زِ حج بیگانہ و ایں از جہاد!

(ص۱۹۵/۶۶۷)

اقبال نے ان اشعار میں "آں ز ایراں بود" اور "ایں ہندی نژاد" کہہ کر اشارہ بالترتیب بہا اللہ اور مرزا غلام احمد کی طرف کیا ہے-

بہا اللہ کا اصلی نام مرزا حسین علی نوری تھا- بابی مذہب کے پیروانِ خاص میں تھا- اس کو استاد ہی سے بہا اللہ کا لقب ملا تھا- ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء کو بمقام نور (مازندران) پیدا ہوا- تہران میں باب کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والے یہی تھا- باب کے ایک خادم نے ایک سازش میں شریک ہو کر جب ایران کے بادشاہ پر گولی چلائی تھی تو

اس وقت بابیوں کا قتل عام ہوا۔ اس وقت بہا اللہ جیل میں ڈالا گیا۔ اس پر بھی قتل کی سازش میں شرکت کا شبہ کیا گیا تھا لیکن تحقیقات کے بعد وہ شبہ غلط ثابت ہوا اور وہ بغداد چلا آیا جہاں بارہ سال تک قیام کیا۔ تین سال ادرنہ میں رہا، یہاں بھی اس نے بابی مذہب کی تبلیغ شروع کی۔ جنہوں نے ان کو "من یظہر اللہ" تسلیم کیا، وہ بابی کہلائے۔ بالآخر ایک طویل قید کے بعد ۲۹ مئی ۱۸۹۲ء کو انتقال کیا۔ اس کی تصانیف میں چند کتابیں بہت مشہور ہیں۔ کتاب الاقدس، کتاب الایقان، کلمات فردوسیہ اور تجلیات۔ آج بہائی مذہب کے ماننے والے دنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں۔ ۱۶

مرزا غلام احمد ۱۸۳۹ء میں پیدا ہوا۔ قادیان ضلع گورداس پور وطن تھا۔ ۱۸۹۰ء میں ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالی جو فرقہ احمدیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس سے پہلے اپنے ایک کتاب "براہان احمدیہ" کے نام سے لکھی جس میں اسلام کی حقانیت اور سچائی ثابت کی گئی تھی۔ اس کتاب میں اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ آریا، عیسائی اور اسلام کے دیگر فرقوں سے اکثر مناظرے کیے۔ مرزا غلام احمد کی تصانیف کی تعداد خاصی ہے جو سب مذہبی مناظرے کا رنگ لیے ہوئے ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں انتقال کیا اور قادیان میں دفن ہوا۔ اس کو مسیحِ موعود اور مہدی معہود ہونے کا بھی دعویٰ تھا۔ اس وقت احمدیوں میں دو فرقے ہیں۔ ایک وہ جو مرزا کی نبوت پر ایمان رکھتا ہے دوسرا وہ جو اسے صرف مجدد خیال کرتا ہے۔ یہ دونوں فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ ۱۷

یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ علامہ نے ان اشعار میں جہاں ان دونوں کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی بتایا ہے کہ بہاء اللہ حج کی فرضیت کا منکر تھا اور مرزا غلام احمد جہاد کی فرضیت سے انکار کرتا تھا۔

حوالہ کتب

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ج ۲، ص ۴۶۴-۴۶۵

۲۔ اقبال نمبر، نیرنگ خیال، ص ۲۱۶

۳۔ Thomas William Beale-An Oriental Biographical Dictionray,p.21

+ قاموس المشاہیر، ج ۱، صفحہ ۴۲

۴۔ شیخ عبداللہ بستانی، البستان، ج ۱، صفحہ ۱۰۵۸، بیروت طبع اول ۱۹۳۰ء

۵- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۲، صفحہ ۱۱۷۔
+ جامی۔نفحات الانس اردو، صفحہ ۴۲-۴۳
۶- آقای دکتر رضازادہ شفق، تاریخ ادبیات ایران، صفحہ ۱۱۰-۱۱۳،

E.G.Browne, A Literary History of Persia. vol.1 pp.104-105.

+

۷- جامی، نفحات الانس اردو، صفحہ ۹۰-۹۴ -
+ فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیا، صفحہ ۲۸۴-۳۰۳ -
+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، صفحہ ۱۰۶۲ -
۸- توریت، پیدائش-باب ۵، آیت ۳۲ -
+ امین بغدادی، سبائک الذہب، صفحہ ۱۲ -
۹- امین بغدادی، سبائک الذہب، صفحہ ۱۲ -
۱۰- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۱، صفحہ ۲۸۸ -

Encyclopaedia of Religion & Ethics vol.Viii.pp.339-340.

۱۱-

F.R. Wingate, Mahdiism and the Egyptian Sudan.

+

۱۲- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۳، صفحہ ۴۱۹-۴۲۰ -
۱۳- ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، حضرت مجدد کا نظریہ توحید -
۱۴- محمد اعظم، تاریخ کشمیر اعظمی، صفحہ ۳۶-۳۷۔
+ مفتی غلام سرور خزینۃ الاصفیا، صفحہ ۹۳۸-۹۴۱ -
+ قاموس المشاہیر، ج ۱، صفحہ ۳۱۷-۳۱۸ -
۱۵- فرید الدین عطار، تذکرۃ الاولیا اردو، صفحہ ۳۷۱-۳۷۸۔
+ جامی، نفحات الانس اردو صفحہ ۲۰۲-۲۰۷ -
+ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، صفحہ ۳۶۰-۳۶۱ -

Encyclopaedia of Religion & Ethics vol.ii.pp301-304.

-۱۶

Edward G. Browne, Material for the study of the Babi

Religion, +

pp.3-100

Encyclopaedia of Religion & Ethics vol.X.pp.530-531.

-۱۷

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی؟
(ص ۳۵۳/۲۹)

''اسمٰعیلؑ'':- حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت ابراہیمؑ کے فرزند اکبر تھے، آپ کی مصری بیوی ہاجرہ کے بطن سے- سال ولادت غالباً ۲۰۷۴ق م، سال وفات غالباً ۱۹۳۷ق م- آپ کی عمر توریت میں ۱۳۷ سال درج ہے- آپ کے بارہ فرزند ہوئے اور ان سے بارہ نسلیں چلیں-۱

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحبِ کشاف
(ص ۴۰۲/۷۸)

''صاحبِ کشاف''- مراد ہیں مشہور مفسر علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری-

محمود بن عمر زمخشری ۲۷ رجب ۴۶۷ھ (۸ مارچ ۱۰۷۵ء) کو موضع زمخشر میں پیدا ہوئے اور ۹ ذی الحجہ ۵۱۸ھ (۱۴ جون ۱۱۴۴ء) کو انتقال کیا- ان کی عمر کا بڑا حصہ مکے میں گزرا- زمخشری، عقائد میں معتزلی تھے لیکن جہاں تک ادب و بلاغت کا تعلق ہے، اہل سنت بھی ان کی نکتہ سنجیوں کے پوری طرح قائل و معترف ہیں- ابنِ خلکان نے انہیں تفسیر، حدیث، فقہ، کلام، نحو، لغت، معانی اور بیان میں اپنے وقت کا امام تسلیم کیا ہے- ان کی کتابیں مختلف فنون پر ملتی ہیں لیکن ان کی تین کتابیں تفسیر میں کشاف، لغت میں اساس البلاغت اور نحو میں المفصل بہت مشہور ہیں- زمخشری صاحبِ دیوان شاعر تھے-۲

دمِ عارف نسیم صبحدم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے
(ص ۴۱۳/۸۹)

''شعیبؑ'':- توریت میں حضرت شعیبؑ کے دونام آتے ہیں-یترو اور حوباب- آپ حضرت موسیٰ کے ہم عصر تھے اور سن میں ان سے بڑے- آپ کی بعثت مدین یا مدیان میں ہوئی- مدین کسی مقام کا نہیں بلکہ ''قبیلے'' کا نام ہے- اس قبیلے کے نام پر بستی کا نام بھی ''مدین'' مشہور رہا- حضرت شعیبؑ کا انتقال حضرموت میں ہوا اور یہیں ان کی قبر ہے- آپ مدین کی ہلاکت کے بعد یہاں بس گئے تھے-۳

۞

تازہ مرے ضمیر میں معرکہَ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ ! عقل تمام بو لہب!

(ص ۱۱۷/۴۴۱)

''بولہب'':- مراد کفر و شرک- بولہب خاندان قریش کا ایک دولت مند و معزز فرد تھا- رسول کریمؐ کا چچا تھا- اس کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا- یہ رسول کریمؐ اور دین اسلام کا سخت دشمن تھا- جب رسول کریمؐ کسی مجمع میں وعظ فرماتے تو ابولہب ہر جگہ آپ کے ساتھ جاتا اور آپ کے ہر بیان کے بعد کہتا کہ یہ جھوٹ ہے- جنگِ بدر میں کفار کی شکست سے اس کو دلی رنج ہوا اور اس واقعے کے ایک ہفتے کے اندر مر گیا-۴

۞

خضر بھی بے دست و پا ، الیاس بھی بے دست و پا
میرے طوفاں یم بہ یم ، دریا بہ دریا ، جو بہ جو

(ص ۱۵۰/۴۷۴)

''الیاسؑ'':- حضرت الیاسؑ، حزقی ایل کے جانشین اور بنی اسرائیل میں ایلیا کے نام سے مشہور تھے- انجیل یوحنا میں ان کو ایلیا ہی کہا گیا ہے- قرآن میں حضرت الیاسؑ کا ذکر دو جگہ آیا ہے، سورۂ انعام میں اور سورۂ والصافات میں- سورۂ انعام میں تو ان کو صرف انبیاء کی فہرست میں شمار کیا ہے، اور سورۂ والصافات میں بعثت اور قوم کی ہدایت سے متعلق حالات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے-۵

۞

گر کبھی خلوت میسر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو؟

(ص ۱۵۰/۴۷۴)

''آدمؑ'' - حضرت آدمؑ ہی سب سے پہلے بشر تھے اسی لیے ابوالبشر کہلاتے ہیں اور خلیفۃ اللہ کے اولیں

مصداق - جنت سے جب زمین پر آئے تو غالباً دجلہ وفرات کے دوآبے میں آباد ہوئے جو اب ملک عراق کہلاتا ہے - توریت میں ہے کہ آپ کے تین صاحبزادے تھے: ہابیل، قابیل اور شیث - توریت ہی میں درج ہے کہ عمر ۹۳۰ سال کی پائی - عربی میں ان کا یہ نام کس مناسبت سے پڑا، کسی نے کہا کہ زمین کی جلد (ادیم) سے پیدا ہوئے اور کسی نے کہا کہ اپنی جلد کی سرخی کی بنا پر - ٦

حوالہ کتب

١ - مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج ا، ص ۴۹ -

\+ توریت، پیدائش، باب ۲۵ آیت ۱۲ اور ۱۸ -

۲ - انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۴، ص ۱۲۰۵ - ۱۲۰۷ -

\+ یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ، ص ۹۷۳ - ۹۷۶ -

۳ - مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ا، صفحہ ۳۱۲ اور ۳۲۲ -

۴ - انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ا، صفحہ ۹۷ - ۹۸ -

۵ - مولانا محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ج ۲، ص ۲٦ -

٦ - توریت، پیدائش، باب ۵، آیت ۵ -

\+ مولانا عبدالماجد دریابادی، تفسیر ماجدی، ج ا، ص ١٦ -

مسافر

(کلیاتِ اقبال فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

ہر کہ او را از محبت رنگ و بوست
در نگاہم ہاشم و محمود اوست

(ص۵۷/۷۳۳)

''ہاشم ومحمود'':- نادرشاہ خاں (مرحوم) والیِ افغانستان کے بھائیوں کے نام ہیں-

سردار ہاشم خاں، نادرشاہ کے عہد میں افغانستان کے صدر اعظم تھے-۱

سردار شاہ محمود خاں، نادرخاں (مرحوم) کے سب سے چھوٹے بھائی ہیں- ان میں ہر دلعزیزی اور محبوبیت کی شان معلوم ہوتی ہے- یہ نادرخاں (مرحوم) کے عہد میں وزیر جنگ تھے-۲

ہم ازاں مردے کہ اندر کوہ و دشت
حق ز تیغِ او بلند آوازہ گشت

(ص۷۲/۷۴۸)

''مردے'':- اشارہ شاہ ولی خاں کی طرف ہے-

شاہ ولی خاں، نادرخاں (مرحوم) والیِ افغانستان کے بھائی تھے، یہ پاکستان میں افغانستان کے سفیر بھی تھے- ۱۷ اپریل ۱۹۷۷ء کو انتقال کیا -۳

حوالہ کتب

۱- مولانا سید سلیمان ندوی، سیرِ افغانستان، ص۳۲ اور ۶۵

۲- ایضاً ص۳۳-۳۴ اور ۶۳ -

۳- ایضاً ص۳۴ -

ضربِ کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

تھی خوب حضورِ علما باب کی تقریر
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعراب سمٰوٰت

(ص۵۹/۵۵۹)

"باب"- اشارہ مرزا علی محمد باب کی طرف ہے-

مرزا علی محمد باب شیراز کے ایک سید خاندان کا فرد تھا- اس نے ۱۰۶۰ھ (۱۸۴۴ء) میں تہران میں دعویٰ کیا کہ میں مامور من اللہ ہوں تا کہ لوگوں کو مہدی اور مسیح موعود کے قبول کرنے کے لیے تیار کروں جو میرے بعد ظاہر ہوں گے، اسی لیے اپنے باب کا لقب اختیار کیا، یعنی وہ دروازہ جس سے مسیح موعود دنیا میں داخل ہوگا- باب کے علم و فضل کا عالم یہ تھا کہ وہ صحیح عربی پڑھنے سے قاصر تھا-

مرزا علی محمد باب کا نیا مذہب ایران میں بڑی تیزی سے پھیلا جس کی اشاعت سے شیعی مذہب اور خود شاہ ایران نے خطرہ محسوس کیا؛ چنانچہ اس کے ایک مرید نے شاہِ ایران پر قاتلانہ حملہ کیا- نتیجہ یہ ہوا کہ باب اور اس کے ساتھی اس جرم کی پاداش میں ۱۸۵۲ء میں قتل کر دیے گئے-۱

مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکی لیکن
اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں

(ص۱۰۶/۶۰۶)

اس شعر میں اشارہ ڈیوٹی ما (Diotoma) کی طرف کیا گیا ہے- افلاطون نے اپنے اعلیٰ ترین مکالمے "مجلسِ مذاکرہ میں قولِ فیصل" ایک عورت کی زبانی سنوایا ہے جو دانش کی دیوی ہے- افلاطون بتاتا ہے کہ ڈیوٹی ما ایک دانش مند اور پاکیزہ عورت تھی- افسوس کہ ڈیوٹی ما کے بارے میں ہمیں بہت کم معلومات حاصل ہیں- اس کی بابت جو کچھ معلوم ہے، وہ افلاطون ہی کے بیانات ہیں- افلاطون کے مطابق یہ عورت "حسن و عشق" کے

رموز سے بخوبی واقف تھی - اس نے عشق کے دو مرحلے بتائے ہیں، ایک مجازی اور دوسرا حقیقی - حقیقت تک رسائی کے لیے مجاز کا زینہ ضروری ہے-۲

خودی بلند تھی اس خوں گرفتہ چینی کی
کہا غریب نے جلاد سے دمِ تعزیر
ٹھہر ٹھہر کہ بہت دل کشا ہے یہ منظر
ذرا میں دیکھ تو لوں تابناکیِ شمشیر

(ص۱۴۳/۶۴۳)

"خوں گرفتہ چینی":- اشارہ غالباً چینی شاعر کی کان (Ki-Kan) کی طرف ہے-

کی کان (۱۳۰۰-۱۴۰۰ء) نہایت ناانصافی کے ساتھ قتل کیا گیا لیکن اس کا عزم بالجزم اور اس کی رجائیت اس قتل کے سامنے ماند نہ پڑ سکی - کی کان کا مذہب بدھ مت تھا-

شعر سے روشن ہے جانِ جبرئیل و اہرمن
رقص و موسیقی سے ہے سوز و سرورِ انجمن
فاش یوں کرتا ہے اک چینی حکیم اسرارِ فن
شعر گویا روحِ موسیقی ہے، رقص اس کا بدن

(ص۱۴۴/۶۴۴)

"چینی حکیم":- اشارہ کنفیوشس کی طرف ہے-

کنفیوشس (Confucious) نے شاعری، موسیقی اور رقص کے ذریعے چینی عوام کو تعلیم دی- اسے ان فنون سے بڑا شغف تھا- کنفیوشس ۵۰۰ ق م میں پیدا اور ۴۶۹ ق م میں فوت ہوا- ۲۲ سال کی عمر میں اس نے ایک اسکول اس مقصد سے قائم کیا کہ بالغوں کو تعلیم دی جا سکے، نیز حکومت اور اخلاق کی درستی بھی ہو سکے- اس کے شاگردوں کی تعداد تین ہزار تھی جس میں تقریباً ۸۰ شاگرد ایسے تھے جو اس کے نزدیک اعلیٰ درجے کی لیاقت رکھتے تھے-۳

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش

ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں ، تولا نہیں کرتے
(ص ۱۶۰/۶۶۰)

"مردِ فرنگی":- سٹنڈل ہے-

ستاں دال (Marie Henri Beyle Stendhal) ۱۷۸۳ء میں فرانس میں پیدا ہوا اور ۱۸۴۲ء میں فوت ہوا- فرانس میں نفسیاتی ناول کے موجدوں کی صفِ اول میں شمار کیا جاتا ہے- اس کے مشہور ناولوں میں Le Rouge et le Noir (The Red and Black) اور Romance del' Amour شامل ہیں- اس کے ناول انیسویں صدی کی صدائے بازگشت ہیں -ستاں دال نے نپولین کی بعض جنگوں میں شرکت بھی کی -وہ نپولین اور بائرن کو اپنا ہیرو خیال کرتا تھا-۴

محراب گل افغان کے افکار

(صفحہ ۱۷۴/۶۷۴)

"محراب گل":- ایک فرضی نام ہے -۵

حوالہ کتب

۱- Encyclopaedia of Religion & Ethics vol.ii.pp.293-300.

۲- اقبال، نئی تشکیل از عزیز احمد صفحہ ۴۷۹-۴۸۰، مطبوعہ نذیر پرنٹنگ پریس کراچی -

+ مکالمات فلاطون بترجمہ ڈاکٹر عابد حسین مطبوعہ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۴۳ء-

۳- انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۶، ص ۳۳۶-۳۳۹، مطبوعہ ۱۹۵۰ء-

۴- The Reader's Encyclopaedia,p. 1068.

۵- اقبال نامہ، حصہ اول، ص ۲۳-

ارمغانِ حجاز

(کلیاتِ اقبال اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

رہی نہ آہ زمانے کے ہاتھ سے باقی
وہ یادگارِ کمالاتِ احمد و محمود

(ص ۲۳/۳۱ے ۲۳)

''احمد و محمود'': - احمد سے مراد سر سید احمد خاں ہیں اور محمود کا اشارہ ان کے فرزند جسٹس سید محمود کی طرف ہے۔

''محمود'': - سید محمود ۲۴ مئی ۱۸۵۰ء کو پیدا ہوئے اور ۸ مئی ۱۹۰۳ء کو انتقال کیا۔ سید محمود نے کچھ دنوں ایم اے او کالج علی گڑھ میں انگریزی پڑھائی۔ ان کو تعلیم سے تمام عمر دلچسپی رہی۔ سر سید جدید خیالات کے حامی تھے تو سید محمود نے ان خیالات کو عوام کے قریب تر کیا۔ دلائل سے، براہین سے۔ سید محمود نے جج کی حیثیت سے بڑی شہرت حاصل کی۔ ۱۸۷۲ء میں وہ انگلستان سے واپس ہوئے اور چند ہی سال میں انہیں رائے بریلی کا ڈسٹرکٹ جج بنا دیا گیا۔ بعد ازاں الہ آباد ہائی کورٹ کے جج ہوئے۔ محمود کے بعض فیصلے تو ایسے ہیں جو کلاسیکی حیثیت رکھتے ہیں۔ سر تیج بہادر سپرو جو خود بہت بڑے قانون دان تھے، سید محمود کی قانون دانی کے بڑے معترف تھے۔ سید محمود نے ججی سے استعفیٰ دے کر لکھنؤ میں وکالت شروع کی۔ ڈاکٹر ستیش چند بنرجی نے لکھنؤ کے واقعات کا بڑی خوبی سے جائزہ لیا ہے۔ سید محمود کی شرافت کی اہل علم و اہل قلم نے بڑی تعریف کی ہے۔ ان کی قلمی یادگاریں یہ ہیں:

Law of Evidence History of English Education in India

in India, اور تاریخ اسلام (ناتمام)۔ سید محمود نے سر سید کی مشہور کتاب 'خطباتِ احمدیہ' کا انگریزی

میں ترجمہ بھی کیا۔ا

زوال علم و ہنر مرگِ ناگہاں اس کی
وہ کارواں کا متاع گراں بہا، مسعود!

(ص ۳۱/۲۲۳ے)

''مسعود'':۔ اشارہ نواب مسعود جنگ بہادر، ڈاکٹر سر سید راس مسعود کی طرف ہے۔

سید مسعود علی گڑھ میں بروز جمعہ ۱۵ فروری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوئے اور ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو بھوپال میں انتقال کیا۔ سید مسعود بڑے علم دوست تھے۔ وہ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔ نواب بھوپال کے ہاں بھی ملازمت کی۔ علامہ اقبال کو ان سے بڑی عقیدت تھی؛ چنانچہ جو رباعی انہوں نے اپنے لوحِ مزار کے لیے تجویز کی تھی، وہ مسعود مرحوم کے مزار پر لکھی گئی۔ رباعی یہ ہے:

نہ پیوستم دریں بستاں سرا دل
ز بندِ این و آں آزادہ رفتم
چو بادِ صبح گردیدم دمی چند
گلاں را آب و رنگِ دادہ رفتم

سید مسعود، سید محمود کے بیٹے تھے۔ا

ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری کا بیاض

(ص ۴۵/۲۳۷ے)

ملازادہ ضیغم لولابی کشمیری۔ یہ ایک فرضی نام ہے۔

''صدائے تیشہ کہ بر سنگ میخورد دگر است
خبر بگیر کہ آوازِ تیشہ و جگر است''

(ص ۶۰/۲۵۲ے)

یہ شعر مرزا جانجاناں کا ہے۔؟؟

سر اکبر حیدری، صدرِ اعظم، حیدر آباد دکن کے نام

(ص ۶۱/۵۳ ۷)

''سر اکبر حیدری'':- محمد اکبر نذر علی حیدری بمبئی میں ۸ نومبر ۱۸۶۹ء کو پیدا ہوئے اور ۸ جنوری ۱۹۴۲ء کو انتقال کیا -ان کا خاندان ابتدا ہی سے تجارت پیشہ رہا ہے- انہوں نے سترہ سال کی عمر میں بمبئی یونیورسٹی سے بی-اے کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا- ہوش سنبھالنے کے بعد ہی سے اکبر حیدری کو برِ صغیر پاک و ہند کے مسائل سے دلچسپی تھی اور وہ بمبئی کی اکثر انجمنوں اور جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے- ملک اور قوم کی خدمت کا خیال یہیں پیدا ہوا- اکبر حیدری اٹھارہ سال کی عمر میں ملازمت کے سلسلے میں منسلک ہو گئے- انہیں ملازمت کے دوران برِ صغیر پاک و ہند کے مختلف مقامات کا دورہ کرنا پڑا- ۱۹۰۵ء میں حیدر آباد دکن کے وزیرِ مالیات نے اکبر حیدری کو اپنے ہاں طلب کر لیا- بعد ازاں وہ ۱۹۰۷ء میں حیدر آباد کے وزیر مالیات مقرر ہوئے- ۱۹۰۱ء میں انہیں ہوم سیکریٹری بنایا گیا- عثمانیہ یونیورسٹی سے اکبر حیدری کو بڑی دلچسپی تھی - انہی کی کوشش سے عثمانیہ یونیورسٹی میں اردو ذریعہ تعلیم قرار پائی - اکبر حیدری ہندو مسلم اتحاد کے بڑے حامی تھے- ۱۹۱۹ء میں اکبر حیدری کو حیدر آباد میں صدر المہام مالیات مقرر کیا گیا - مالیات کی محکمہ وار تقسیم اکبر حیدری کا بڑا کارنامہ ہے- والیِ دکن نے مالیات کی کارگزاریوں کے سلسلے میں حیدر نواز جنگ کا خطاب دیا اور حکومتِ ہند کی جانب سے 'سر' کا خطاب ملا اور پریوی کونسلر بھی ہوئے- ۱۹۳۰ء میں گول میز کانفرنس کے وفد کی قیادت بھی کی - اکبر حیدری طبعاً بڑی سادہ زندگی گزارنے کے عادی تھے- ۲

❁

عجم	ہنوز	نداند	رموزِ	دیں	ورنہ
ز دیوبند	حسین	احمد	!	ایں چہ	بوالعجبی است

(ص ۶۲/۵۴ ۷)

''حسین احمد''- مولانا حسین احمد مدنی بمقام بانگر مؤ ضلع اناؤ میں ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوئے- تاریخی نام چراغ محمد ہے- ابتدائی پرورش بانگر مؤ ہی میں ہوئی - مولانا کے والد بانگر مؤ سے اپنے آبائی وطن ٹانڈہ چلے آئے ؛ چنانچہ مولانا کا قیام بھی ٹانڈے میں آٹھ سال تک رہا- ابتدائی تعلیم مولانا نے اپنے والد سے پائی، اس کے بعد دارالعلوم دیوبند بھیج دیے گئے جہاں سے مولانا نے امتیاز کے ساتھ سند حاصل کی- جب ان کے والد مدینہ منورہ، ہجرت کی غرض سے تشریف لے گئے تو یہ بھی ان کے ہمراہ تھے- مولانا اور ان کے خاندان نے ارضِ حجاز میں طرح طرح کی تکالیف برداشت کیں- مدینہ طیبہ میں مولانا نے ایک عرصے تک قرآن اور حدیث کا درس دیا -بعد

ازاں برصغیر واپس تشریف لے آئے - ایک مدت تک دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس میں مشغول رہے اور صدر مدرس کے فرائض انجام دیے- مولانا نے ہند کی سیاسیات میں نمایاں حصہ لیا- آپ شیخ الہند کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ساتھ مالٹا میں اسیر رہے- اس کے بعد بھی کانگریس اور خلافت کی تحریک میں آپ ہمیشہ پیش پیش رہے اور اس سلسلے میں کئی بار قید بھی ہوئے- آپ جمیعت العلماء کے صدر بھی رہے- علومِ ظاہری و باطنی میں مولانا کا شمار ہندوستان کے چوٹی کے علماء اور مشائخ میں تھا- ۶ دسمبر ۱۹۵۷ء کو انتقال کیا اور دیوبند میں دفن کیے گئے[۴]-

مولانا کے نزدیک قوم کا دارو مدار وطن پر ہے اور اقبال کے خیال میں قوم مذہب سے عبارت ہے- یہی اختلاف ان اشعار کی شان نزول ہے-

حوالہ کتب

Eminent Mussalmans, pp. 129-144.

۱-

۲- سید بادشاہ حسین، مشاہیر ہند، ص ۴۹-۶۴

۳- Eminent Mussalmans, pp. 491-507.

۴- مولانا سید حسین احمد مدنی، نقش حیات، ج ۱، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی

باقیاتِ اقبال
(طبع اول ۱۹۵۲ء)

ارمغانم سلک گوہر ہاست یعنی ایں غزل
کز سراجؔ نور ہا آمد چہار انگشتری
(ص ۶۴)

''سراجؔ'':- اشارہ منشی سراج الدین کی طرف ہے-

منشی سراج الدین، علامہ اقبال کے عزیز دوست تھے- ان کا زیادہ وقت کشمیر میں گزرتا تھا- کشمیر ریذیڈنسی میں میر منشی تھے- فارسی اور اردو کا پاکیزہ مذاق رکھتے تھے- انہیں اردو اور فارسی کے ہزاروں شعر یاد تھے- ان کے پاس ایک اچھا کتب خانہ بھی تھا-۱

اندھیرا صمدؔ کا مکاں ہو گیا
وہ خورشیدِ روشن نہاں ہو گیا
(ص ۶۴)

''صمدؔ'':- اشارہ خواجہ عبد الصمد ککڑو کی طرف ہے-

خواجہ عبد الصمد ککڑو، بارہ مولا کے رئیس اور با اثر افراد میں سے تھے- دبلے پتلے، سرخ و سفید آدمی تھے- پگڑی باندھنے کے شائق تھے- کشمیر میں علامہ اقبال سے ملاقات ہوئی، اس کے بعد وہ علامہ کے پاس اکثر آتے جاتے رہے- خود شاعر تھے مقبل تخلص تھا اور شاعروں کے قدر دان بھی تھے- انجمن حمایتِ اسلام کے جلسوں میں اکثر اپنا کلام سنایا کرتے تھے، اور ان کے بعد علامہ اقبال اپنا کلام سنایا کرتے تھے- ان کا انتقال

علامہ سے قبل ہوا۔۲

غضب ہے 'غلامِ حسن' کا فراق
کہ جینا بھی مجھ کو گراں ہو گیا

(ص ۶۵)

''غلام حسن'':۔ غلام حسن خواجہ عبدالصمد ککڑو کے صاحبزادے تھے۔۳

آ غا محمد باقر خاں قزلباش

(ص ۷۵)

آ غا محمد باقر خان قزلباش ۳۱ دسمبر ۱۸۷۹ء کو بدھ کے دن پیدا ہوئے اور ۲۹ اگست ۱۹۲۵ء کو بروز شنبہ انتقال کیا ۔شکار ان کا محبوب مشغلہ تھا ۔بڑے ملنسار اور بردبار انسان تھے ۔قومی ہمدردی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی ۔خلافت کی تحریک میں شریک ہوکر گرفتار ہوئے اور جیل بھی گئے ۔تقریباً پندرہ سال آنریری مجسٹریٹ رہے ۔ان کی کوشش ہی سے سیالکوٹ میں پرائمری اسکول ہائی اسکول بنا ۔ آ غا باقر کے علامہ اقبال سے دوستانہ تعلقات تھے ۔یہ اقبال ہی کا اثر تھا کہ آ غا باقر اسلامی کاموں میں دلچسپی لیتے تھے ۔اقبال نے بعض اوقات آ غا باقر کے خاندانی جھگڑوں کا بھی تصفیہ کیا اور فریقین نے اس کو بخوشی قبول کیا ۔آ غا باقر فقرا کی صحبت سے بھی فیض اٹھایا کرتے تھے ۔رفاہ عام کے کاموں سے ان کو بڑی دلچسپی تھی ۔

گلِ مضموں سے اے اقبال یہ سہرا ہے 'ناصر' کا
غزل میری نہیں ہے یہ کسی گلچیں کی جھولی ہے

(ص ۷۸)

''ناصر'':۔ اشارہ آ غا ناصر خاں کی طرف ہے ۔آ غا ناصر خاں، آ غا محمد باقر قزلباش کے صاحبزادے تھے جو ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے ۔یہ دائمی مریض تھے ۔جب مڈل کی جماعت میں پڑھتے تھے تو بیمار ہوئے اور تعلیم ترک کر کے گھر پر علاج کراتے رہے لیکن صحت نہ ہوئی ۔آخر اسی بیماری میں مبتلا رہ کر اپریل ۱۹۳۵ء میں انتقال کیا ۔

محوِ اظہارِ تمنائے دلِ ناکام ہوں

لاج رکھ لینا کہ میں اقبال کا ہم نام ہوں

(ص ۸۱)

''اقبال'':- اقبال حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی درگاہ میں حاجب تھے

❁

یعنی نواب بہاول خاں ، کرے جس پر فدا

بحر موتی ، آسماں انجم ، زر و گوہر زمیں

(ص ۹۰)

''نواب بہاول خاں'':- اشارہ نواب محمد بہاول خان پنجم عباسی کی طرف ہے-

نواب حاجی محمد بہاول خاں پنجم عباسی جن کا ابتدائی نام محمد مبارک خاں تھا،۲۲/۲۳ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو بمقام ڈیرہ مبارک (صادق گڑھ پیلیس) پیدا ہوئے-تعلیم آچیسن کالج لاہور میں پائی اور انٹرنس کا امتحان نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کیا-۱۱ مارچ ۱۸۹۹ء کو دستار بندی کی رسم ادا کی گئی- تعلیم سے فراغت کے بعد نواب بہاول خاں ۱۵ مئی ۱۹۰۱ء کو لاہور سے بہاول پور پہنچے-یہاں آپ کے شایانِ شان استقبال کیا گیا -یہاں پہنچ کر آپ نے ریاست کا دورہ شروع کر دیا اور علاقے کی کیفیت، رعایا کے حالات بچشمِ خود دیکھنے لگے- ۱۲ نومبر ۱۹۰۳ء کو لارڈ کرزن نے آپ کو حقِ وراثت اور اختیارِ کاملہ عطا کیے-اس موقع پر ایک نہایت عالیشان دربار، نور محل میں منعقد کیا گیا جس میں پنجاب اور برصغیر پاک و ہند کے ممتاز اور باکمال اصحاب کو مدعو کیا گیا تھا- ۱۵ فروری ۱۹۰۷ء کو عدن کے قریب انتقال کیا- لاش بہاول پور لائی گئی اور اسے شاہی قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا-آپ کے عہد میں بہاولپور نے ہر قسم کی ترقی کی-۴

❁

ارتجالاً ہم نے اے اقبال کہہ ڈالے یہ شعر

تھی نوازش کو جو فکرِ امتحانِ اہلِ درد

(ص ۹۸)

''نوازش'':- اشارہ نوازش علی خاں کی طرف ہے جو شاید ہائی کورٹ میں بعہدہ مترجمی ملازم تھے-۱۹۲۲ء کا ذکر ہے، ایک مجلس میں اقبال، گرامی اور بسمل تشریف رکھتے تھے- صاحبِ خانہ نوازش علی خاں نے جو نوازش تخلص کرتے تھے، ایک مصرع بہ ردیف اہلِ درد پڑھا- اس کی وجہ یہ تھی کہ اقبال نے بیان کیا تھا کہ انہیں درد قولنج کی شکایت ہے، اور اس وقت اس کے آغاز کے آثار معلوم ہوتے تھے- اس پر غزل کی فرمائش ہوئی اور

اقبال نے بحالت درد دو غزلیں اس زمین میں کہیں۔ دوسری غزل کا مقطع یہ ہے:

کہہ دیا اقبال اک مصرع نوازش نے جو آج
وہ بہانہ ہو گیا بہرِ بیانِ اہلِ درد ۔۵

از ہوش شدم مگر بہوشم
کوئی کہ نصیری ' خموشم

(ص ۱۰۳)

''نصیری'': ۔ نصیری شیعوں کا وہ فرقہ جو حضرت علیؓ کو (معاذ اللہ) خدا مانتا ہے۔ اس فرقے کا بانی محمد بن نصیر تھا۔۶

تجھ پہ ابو ہریرہؓ بھی قربان ہوں کہ تھا
وابستگانِ دامنِ فخر الامم سے تو

(ص ۱۰۶)

''ابو ہریرہؓ ''۔ عمیر نام، ابو ہریرہ کنیت تھی۔ اصل خاندانی نام عبد شمس تھا، اسلام کے بعد رسول کریمؐ نے عمر رکھا۔ وجہ کنیت خود بیان کرتے ہیں کہ میں ایک ''ہرہ'' بلی پالے ہوئے تھا۔ شب کو ایک درخت میں رکھتا تھا اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے جاتا اور اس کے ساتھ کھیلتا۔ لوگوں نے یہ غیر معمولی دلچسپی دیکھ کر مجھ کو ابو ہریرہ کہنا شروع کر دیا۔

بچپن میں ماں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا اس لیے فقر و افلاس بچپن کے ساتھی بن گئے تھے۔ غزوات میں ان کی شرکت کے مفصل حالات کا ذکر نہیں مگر اس قدر معلوم ہے کہ متعدد غزوات میں شریک ہوئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں ملکی معاملات میں کوئی حصہ نہ لیا اس لیے کہیں نمایاں طور پر نظر نہیں آتے۔ اس مدت میں اپنے محبوب مشغلے، حدیث کی اشاعت میں خاموشی کے ساتھ مصروف رہے۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں زندگی کا دوسرا دور شروع ہوا۔ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو بحرین کا عامل مقرر کیا اور اسی دن سے ان کا فقر و افلاس ختم ہوا۔ وہاں سے واپس ہوئے تو دس ہزار روپیہ ان کے پاس تھا۔

حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں بالکل خاموش رہے؛ البتہ آخر میں، حضرت عثمانؓ کے محصور ہونے کے بعد

،ان کی حمایت میں لوگوں کو امداد و اعانت پر آمادہ کرتے تھے؛ چنانچہ محاصرے کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے گھر میں موجود تھے۔ حضرت عثمانؓ کے محاصرے کے بعد سے شہادت تک حضرت ابوہریرہؓ کے حالات معلوم نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس فتنۂ عام کے زمانے میں اکثر محتاط صحابہ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ بہتوں نے تو آبادی چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ بھی فتنے میں مبتلا ہونے کے خوف سے کہیں روپوش ہو گئے تھے۔ ان فتنوں کے بعد امیر معاویہؓ کے عہدِ حکومت میں مدینے میں مروان کے قائم مقام کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔

۵۷ھ (۶۷۶ء) میں بیمار ہوئے اور اسی علالت میں ۷۸ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ حضرت ابوہریرہؓ ان صحابہ میں سے ہیں جو علمِ حدیث کے اساطین سمجھے جاتے ہیں۔ آپ بالاتفاق صحابہ کی جماعت میں سب سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ رسول کریمؐ فرماتے تھے کہ ابوہریرہ علم کا ظرف ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کو علم کی بڑی جستجو تھی۔ ان کا ذوقِ علم حرص کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ ان کی علمی حرص کا اعتراف خود رسول کریمؐ نے فرمایا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات کی مجموعی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ ان میں سے ۳۲۵ متفق علیہ ہیں۔ احادیثِ نبویؐ کے عظیم الشان ذخیرے کی مناسبت سے آپ کے رواۃ و تلامذہ کا دائرہ بھی وسیع تھا۔ گو حضرت ابوہریرہؓ صرف چار سال رسول کریمؐ کی صحبت سے فیض یاب ہوئے لیکن اس قلیل مدت میں آپ اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ بن گئے تھے۔

❁

اے	کہ	تیرے	آستانے	پر	جبیں	گستر	قمر
اور	فیضِ	آستاں	بوسی	سے	گُل	برسر	قمر

(ص ۱۱۴)

اس شعر میں عطیہ بیگم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ عطیہ بیگم جنجیرہ کے نواب خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ علامہ اقبال سے ان کے بہت گہرے مراسم تھے، جیسا کہ ان مکاتیب سے ظاہر ہوتا ہے جو عطیہ بیگم نے شائع کیے ہیں۔ عطیہ بیگم کو فنونِ لطیفہ سے غیر معمولی شغف تھا۔ ادب اور فن کے نوادرات جمع کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا جس کے نتیجے میں ان کے پاس ان نوادرات کا قابلِ قدر ذخیرہ موجود تھا۔ یہ اس زمانے میں تعلیم یافتہ خاتون تھیں جب برصغیر میں خواتین میں تعلیم کا عام رواج نہ تھا۔ کراچی میں طویل عمر پا کر ۴ جنوری ۱۹۶۷ء کو انتقال کیا۔

❁

جس نے اسمِ اعظمِ محبوب کی تاثیر سے

وسعتِ عالم میں پایا صورتِ گردوں ، وقار
(ص ۱۱۹)

''محبوب'':- محبوب کا اشارہ یہاں میر محبوب علی خاں کی طرف ہے-

نواب میر محبوب علی خاں ۱۸ اگست ۱۸۶۶ء کو پیدا ہوئے اور اگست ۱۹۱۱ء میں انتقال کیا- ان کے دورِ حکومت میں حیدر آباد نے ہر طرح کی ترقی کی- ان کی تاریخ تخت نشینی ۵ فروری ۱۸۸۴ء ہے- ان کے وزرائے اعظم میں سر آسمان جاہ اور مہاراجہ سرکشن پرشاد قابلِ ذکر ہیں- حکومت برطانیہ سے میر محبوب علی خاں والی دکن کے تعلقات نہایت خوشگوار رہے- والی دکن نے اپنی رعایا میں کبھی ہندو، مسلمان میں کوئی امتیاز نہیں کیا- اپنے عہدِ حکومت میں ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا- انہوں نے مسلم تعلیمی اداروں کی بڑی سرپرستی کی، نہ صرف اپنی ریاست میں بلکہ بیرونِ ریاست بھی- وہ فارسی اور اردو میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے اور ان دونوں زبانوں میں شعر بھی کہتے تھے-۸

آستانے پر وزارت کے ہوا میرا گزر
بڑھ گیا جس سے مرا ملکِ سخن میں اعتبار
(ص ۱۱۹)

اس شعر میں مہاراجہ سرکشن پرشاد کی طرف اشارہ مقصود ہے-

سرکشن پرشاد سابق مدار المہام سرکار آصفیہ ۱۸۶۴ء میں بمقام حیدر آباد پیدا ہوئے اور جون ۱۹۴۰ء میں انتقال کیا- اردو اور فارسی میں شعر کہتے تھے- اصنافِ سخن پر قادر تھے- اردو، فارسی، عربی، انگریزی کے علاوہ اور بھی چند زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے- ان کی تصنیفات کی تعداد خاصی ہے- سرکشن پرشاد شرقی امرا کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے- علامہ اقبال سے خصوصی تعلقات تھے-۹

درمیانِ انجمن معشوق ہر جائی مباش
گاہ با سلطان باشی ، گاہ با فقیر
(ص ۱۲۲)

سلطان اور فقیر کا اشارہ بالترتیب خان بہادر مرزا سلطان احمد اور فقیر سید افتخار الدین کی طرف ہے-

مرزا سلطان احمد جو قادیان کے مشہور مغل خاندان سے تعلق رکھتے تھے، مرزا غلام احمد بانی جماعت احمدیہ کے

(زوجۂ اول سے) فرزندِ اکبر تھے۔۱۸۵۴ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور تقریباً ۸۰ سال کی عمر پا کر ۱۹۳۱ء میں انتقال کیا۔ابتدا میں انہوں نے اپنے والد کی بیعت نہیں کی اور یہ دیکھ کر الگ رہے کہ میں اتنی پابندیاں نہیں اٹھا سکتا مگر پنشن پانے کے بعد ،وفات سے کچھ عرصہ قبل ،اپنے برادر خورد مرزا بشیر الدین محمود کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی۔

مرزا سلطان احمد نائب تحصیلدار کے عہدے سے اپنی ملازمت کا آغاز کر کے افسر مال کے عہدے تک پہنچے اور چند دنوں کے لیے کوجرانوالے میں قائم مقام ڈپٹی کمشنر بھی رہے۔پنشن کے بعد ریاست بہاولپور میں وزیر مال کے جلیل القدر عہدے پر بھی کچھ عرصہ کام کیا۔

مرزا سلطان احمد کو تصنیف و تالیف کا بڑا شوق تھا اور کبھی کبھی شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ان کی تصنیفات میں: ایک اعلیٰ ہستی ،علوم القرآن ،اساس الاخلاق ،فنونِ لطیفہ ،ضرب الامثال اور چند نثر نما نظمیں زیادہ معروف ہیں۔

مرزا سلطان احمد کے دوستوں کا حلقہ بہت وسیع تھا اور اس میں ہر فرقے اور ہر مشرب کے لوگ شامل تھے۔شگفتہ مزاجی اور دوست نوازی ان کا وصف خاص تھا۔مرزا سلطان احمد کے علامہ اقبال سے خصوصی مراسم تھے۔

فقیر سید افتخار الدین کے اجداد بخارا سے آ کر پنجاب میں آباد ہو گئے تھے۔ان کے مورثِ اعلیٰ غلام محی الدین نے فقیر امانت شاہ قادری کا مرید ہو کر فقیر کا لقب اختیار کیا۔

فقیر سید افتخار الدین ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے اور ۴۶ سال کی عمر پا کر فروری ۱۹۱۴ء میں انتقال کیا۔سید افتخار حکومت پنجاب کے میر منشی تھے۔وہ پہلے ہندوستانی تھے جو افسر مال مقرر ہوئے۔انہوں نے ضلع ہوشیار پور کے بندوبست کا کام انجام دیا۔امیر حبیب اللہ ،امیر افغانستان جب ہندوستان تشریف لائے تو ان کے استقبال کے جملہ امور فقیر افتخار ہی کی نگرانی میں انجام پائے۔امیر افغانستان کی روانگی کے کچھ دنوں بعد ہی سید افتخار کو کابل میں برٹش ایجنٹ مقرر کیا گیا۔امیر افغانستان سے انہوں نے "عزت نشان" کا خطاب پایا ،وہ خطاب جو اس ملک میں سب سے بڑا خطاب سمجھا جاتا تھا۔ کابل سے واپسی پر حکومت برطانیہ نے ان کو سی۔آئی۔ای کا خطاب دیا۔علامہ اقبال سے سید افتخار الدین کے خصوصی تعلقات تھے۔

⁂

اے امام اے سید والا نسب
دودمانت فخر اشراف عرب
(ص ۱۲۳)

اس شعر میں اشارہ سر سید علی امام کی طرف ہے۔

سر سید علی امام ۱۱ فروری ۱۸۶۹ء کو پٹنہ کے قریب پیدا ہوئے۔ یہ بہار کے مشہور سادات خاندان کے فرد تھے۔ ان کے مورثِ اعلیٰ ہندوستان میں مغل حکومت قائم ہونے سے پہلے آئے تھے۔ شمس العلماء نواب سید امداد امام اثر جو سید علی امام کے والد تھے، کچھ عرصہ تاریخ اور عربی کے پروفیسر رہے۔ وہ اپنے علم و فضل اور اردو شاعری کے لیے ممتاز تھے اور ان کی مشہور تصنیف، کاشف الحقائق' دو جلدوں میں ہے۔ علی امام نے ابتدا آرہ میں اور بعد میں پٹنہ کالج میں تعلیم پائی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ ستمبر ۱۸۸۷ء میں انگلستان گئے۔ وہاں سے ۱۸۹۰ء میں واپس ہوئے۔ وکالت میں بڑی شہرت حاصل کی۔ ۱۹۰۳ء میں علی گڑھ کالج کے ٹرسٹی ہوئے۔ ان کو تعلیمی مسائل سے بڑی دلچسپی تھی۔ علی گڑھ کالج کی مدد ہر ممکن طریقے سے کرتے رہے۔ اسی طرح محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں بھی بڑی سرگرمی سے حصہ لیا۔ ۱۹۱۰ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے، امرتسر کے اجلاس میں، صدر بنائے گئے۔ اس طرح وہ ملک کے چوٹی کے لیڈروں میں شمار ہونے لگے۔ لارڈ مارلے نے ۱۹۱۰ء میں لارڈ سنہا کے انتقال کے بعد، ان کو اپنی کونسل کا ممبر قانون مقرر کیا۔ نومبر ۱۹۱۷ء میں پٹنہ ہائی کورٹ کے جج بنائے گئے۔ جون ۱۹۱۹ء میں نظام نے ان کو اپنی ایگزیکٹیو کونسل کا صدر بنایا۔ کچھ روز کے لیے ان کو برٹش انڈیا کا نمائندہ، جمعیت اقوام میں، بنا کر بھیجا گیا۔ ستمبر ۱۹۲۲ء میں نظام کی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ اس کے فوراً بعد انہوں نے پٹنہ میں وکالت شروع کر دی۔ دوبارہ پھر نظام نے برار کے اضلاع کے سلسلے میں ان کی خدمات طلب کر لیں۔ ۱۹۲۳ء میں نظام نے ان کو برار کے اضلاع کی نمائندگی کے لیے انگلستان بھیجا۔ سر سید علی امام نے ملکی اصلاحات اور تحریک آزادی میں بڑا حصہ لیا۔ انتقال ۱۹۳۰ء میں ہوا۔ ۱۰

تاریخ وفات شیخ عبدالحق

(ص ۱۲۵)

چوں	مے	جامِ	شہادت	شیخ	عبدالحق	چشید	
باد	بر	خاکِ	مزارش		رحمتِ	پروردگار	
با	عزیزاں	داغِ	فرقت	داد	در	عینِ	شباب
آستیں	ہا	از	دُرِ	اشکِ	غمش	سرمایہ	دار
بندۂ	حق	بود	ہم	خدمت	گزارِ	قومِ	خویش
سالِ	تاریخِ	وفاتِ	او	ز	"مغفراں	"	آشکار

شیخ عبدالحق قانونگو برادری کے ایک ممتاز رکن تھے- یہ برادری پنجاب کے مختلف اضلاع میں پھیلی ہوئی ہے- شیخ صاحب علامہ اقبال کے عزیز دوستوں میں سے تھے- علامہ ان کی سماجی اور ملی خدمات کے معترف تھے- علی گڑھ کے زمانہ طالب علمی میں یہ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا ظفر علی خاں کے حلقۂ احباب میں شامل تھے بلکہ ان بزرگوں سے شیخ صاحب کے عزیزانہ مراسم تھے- انگریزی دور میں انہوں نے اپنی مدت ملازمت بڑی خیرو خوبی اور نیک نامی کے ساتھ گزاری- اس دور کے مشاہیر شیخ صاحب کے جذبۂ ملی کے ہمیشہ مداح رہے- شیخ صاحب ۱۸۷۵ء میں قصور میں پیدا ہوئے اور ۱۹۱۳ء میں ملتان میں وفات پائی-

❁

حمید اللہ خاں اے ملک و ملّت را فروغ از تو
ز الطافِ تو موجِ لالہ خیزد از خیابانم

(ص ۱۳۴)

''حمید اللہ خاں'':- اشارہ سابق والی بھوپال کی طرف ہے-

نواب سر حمید اللہ خاں ۹ ستمبر ۱۸۹۴ء کو پیدا ہوئے- تعلیم علی گڑھ میں پائی- ۲۲-۱۹۱۶ء تک بیگم بھوپال کے معتمدِ اعلیٰ رہے- ۲۶-۱۹۲۲ء تک بیگم بھوپال کے ہاں قانون، عدل اور خزانے کے ممبر رہے- ۳۵-۱۹۳۰ء تک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چانسلر رہے- دو مرتبہ یعنی ۳۲-۱۹۳۱ء اور ۴۷-۱۹۴۴ء میں Chamber of Indian Princes کے چانسلر مقرر ہوئے- کھیلوں میں کرکٹ کے بڑے شائق تھے- ۴ جنوری ۱۹۶۰ء کو انتقال کیا- علامہ اقبال سے ان کے تعلقات خصوصی تھے اور ان کا شمار اقبال کے محسنوں میں ہے-۱۱

❁

دانی کہ چیست شیوۂ مستانِ پختہ کار
عرشی گماں مدار کہ پیمانہ ام شکست

(ص ۱۳۵)

''عرشی'':- اشارہ محمد حسین عرشی کی طرف ہے-

ان اشعار کی شانِ نزول یہ ہے کہ ۱۹۲۰ء میں عالمِ اسلام بالعموم اور ترکی بالخصوص زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا- برصغیر ہندو پاک کے مسلمان بہت مضطرب تھے- ہر شخص بساط کے مطابق کچھ نہ کچھ ضرور کر رہا تھا لیکن علامہ اقبال ایک پر اسرار خاموشی اختیار کیے ہوئے تھے- اس پر چند لوگوں کو خیال ہوا کہ علامہ جنہیں سب سے زیادہ قیادت کا حق اس دورِ کشمکش و حیات میں تھا، کیوں قوم کو کوئی راستہ نہیں دکھاتے- چنانچہ محمد حسین عرشی نے

چند اشعار کہے اور روزنامہ زمیندار کو بغرض اشاعت بھیج دیے۔ ان اشعار کی غرض صرف یہ تھی کہ علامہ کو تحریک ہو؛ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ زمیندار میں ان اشعار کے شائع ہونے کے بعد غالباً تیسرے دن چند شعر عرشی کے جواب میں کہے اور وہ زمیندار میں شائع ہوئے۔ اقبال کے اشعار کے ساتھ مولانا ظفر علی خاں کے اشعار بھی تھے جو انہوں نے اسی وقت اشاعت کے لیے لکھے تھے۔ حکیم فیروز الدین طغرائی اس زمانے میں کشمیر میں تھے، ان کی نظر سے عرشی کے اشعار نہیں گزرے تھے لیکن انہوں نے علامہ اقبال کے جوابی اشعار ضرور دیکھے تھے۔ علامہ کے اشعار پڑھ کر حکیم طغرائی نے ان کے جواب میں جو نظم لکھی، اس کا پہلا شعر یہ ہے:

امروز در فضائے زمیندار دیدہ ام
ز اقبال پاسخے کہ دل آرزو بجست

محمد حسین نام، عرشی تخلص۔ غالباً ۱۸۹۶ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ تعلیم پرانے دستور کے مطابق مکتب میں پائی۔ ان کے اساتذہ میں حکیم فیروز الدین طغرائی کا نام قابلِ ذکر ہے۔ حکیم طغرائی کی صحبت میں رہ کر عرشی میں فارسی اور عربی کا ذوق پیدا ہوا۔ عرشی اردو اور فارسی، دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ ملک کی تقسیم کے بعد لاہور چلے آئے اور لاہور ہی میں درس و تدریس میں مشغول رہے اور یہیں ۱۹۸۵ء میں انتقال کیا۔

❁

ہے دو روحوں کا نشیمن پیکرِ خاکی مرا
رکھتا ہے بیتاب دونوں کو مرا ذوقِ طلب
ایک جو اللہ نے بخشی مجھے صبحِ ازل
دوسری ہے آپ کی بخشی ہوئی روح الذہب

(ص ۱۴۰)

''روح الذہب'':۔ روح الذہب کے ضمن میں ۳۰ دسمبر ۱۹۳۷ء کو روزنامہ احسان میں ایک شذرہ شائع ہوا تھا۔ وہ شذرہ یہ ہے: ''حکیم نابینا صاحب دہلوی جو اس وقت قدیم طب میں ایشیا بھر میں بالغ نظر مانے جاتے ہیں، علامہ سر محمد اقبال مدظلہ العالی کو اپنی مشہور دوائی ''روح الذہب'' ایک مدت سے کھلا رہے ہیں جس سے علامہ ممدوح کو بہت فائدہ ہے۔ اس دوا کے متعلق حضرت علامہ نے دو شعر حکیم صاحب کی خدمت میں لکھے ہیں''

عبد الوہاب انصاری المشہور بہ حکیم نابینا غازی پور کے مشہور انصاری خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ کوئی بارہ برس کی عمر تھی اور حفظ قرآن اور متداول علوم کے حاصل کرنے میں مصروف تھے کہ آپ کی بینائی جاتی رہی۔ اس کے بعد دیوبند تشریف لے گئے، وہیں سے طب کی سند حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد دہلی میں مطب

شروع کیا- اس زمانے میں حکیم نابینا کے چچا شاہ عبدالغفور دہلی میں مقیم تھے اور دہلی کے فخرِ روزگار طبیب اس وقت حکیم محمود خان تھے-حکیم نابینا کے چچا نے حکیم محمود خاں سے کہا کہ ان کا امتحان تو لیجیے کہ آیا طب میں مہارت تامہ حاصل کی ہے یا نہیں؛ چنانچہ حکیم موصوف اور حکیم نابینا میں تین روز تک طبی مذاکرات ہوتے رہے- ان مذاکرات میں حکیم اجمل خاں اور حکیم واصل خاں بھی شریک تھے- نظام دکن میر محبوب علی خاں ان کو شیخ الرئیس ثانی کہا کرتے تھے-

دیوبند سے تحصیلِ علم کے بعد نابینا نے ۱۹۱۹ء میں دہلی میں مطب شروع کیا- اس کے بعد حیدر آباد دکن چلے گئے جہاں تقریباً پچاس سال مطب جاری رکھا-میر محبوب علی خاں اور میر عثمان علی خاں کے معالج رہے-حیدر آباد سے واپسی پر دہلی میں پھر مطب شروع کیا- ۱۹۳۸ء میں پھر نظام نے ان کو حیدر آباد بلا لیا-۱۹۳۹ء میں حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے-واپسی پر دہلی میں از سرِ نو مطب کیا اور وفات کے وقت تک وہیں مقیم رہے- دہلی ہی میں انتقال کیا لیکن دفن گنگوہ، ضلع سہارنپور میں کیے گئے کیونکہ مولانا رشید احمد گنگوہی سے بیعت تھے اور وہیں دفن ہونا چاہتے تھے- تاریخ وفات ۶ مئی ۱۹۴۱ء ہے-عمر اس وقت کوئی ۷۶ سال کی تھی-حکیم نابینا کا حافظہ غیر معمولی تھا- ان کے بھائیوں میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری کو بڑی شہرت نصیب ہوئی-طب میں بھی اور قومی خدمات کے سلسلے میں بھی-

میر عثمان علی خاں نظام دکن نے حکیم نابینا کی تاریخِ وفات کہی تھی:

به دار طب علی سینا رسیده
ہماں جائیکہ نابینا رسیده
مریضاں ایں بغم گفتند عثماں
چہ ماتم بینا اے وا رسیده

روح الذہب جب اقبال کو تجویز کی تو اس وقت حکیم نابینا دہلی میں مطب کرتے تھے-

خاکِ قدس او را بآغوشِ تمنا در گرفت
سوئے گردوں رفت زاں راہے کہ پیغمبر گذشت

(ص ۱۴۱)

اس شعر میں اشارہ مولانا محمد علی جوہر کی طرف کیا گیا ہے-

مولانا محمد علی رام پور میں ۱۸۷۸ء میں ایک آسودہ گھرانے میں پیدا ہوئے- ابتدائی تعلیم کے بعد علی گڑھ

آئے اور یہاں سے بی۔ اے کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔بعد ازاں آکسفورڈ سے بی۔ اے (آنرز) کی ڈگری حاصل کی۔مولانا محمد علی کی اعلیٰ تربیت میں ان کی والدہ کو بڑا دخل رہا ہے اور یہ انہیں کی تربیت کا اثر تھا کہ مولانا شروع سے آخر تک ایک پُرجوش مسلمان رہے۔ ملک کی آزادی کے سلسلے میں مولانا نے متعدد بار قید فرنگ برداشت کی۔وہ تحریکِ خلافت کے روحِ رواں تھے۔ ان کے سیاسی کردار کو کسی طرح بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔مولانا محمد علی کو سیاست میں ایک بلند مقام حاصل ہے۔انہوں نے ایک انگریزی (کامریڈ) اور ایک اردو (ہمدرد) روزنامے کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔مولانا محمد علی ایک اچھے شاعر بھی تھے۔برصغیر پاک وہند کی آزادی کے لیے ایک وفد کی قیادت کے لیے مولانا کو لندن جانا پڑا، وہیں انہوں نے ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو انتقال کیا۔ دفن بیت المقدس میں کیے گئے۔۱۲

❁

بھلا ہو دونوں جہاں میں حسن نظامی کا
ملا ہے جس کی بدولت یہ آستاں مجھ کو
(ص ۱۵۸)

''حسن نظامی'':۔ خواجہ حسن نظامی کی تاریخِ پیدائش ۲محرم ۱۲۹۶ھ (۱۸۷۸ء) ہے۔ان کا اصلی نام علی حسن تھا۔جب ان کی عمر بارہ سال کی تھی تو ان کے والدین کا انتقال ہوگیا۔چنانچہ ابتدائی زندگی عسرت میں بسر کی۔ ۱۹۱۱ء میں ان کی ترقی کی رفتار تیز ہونا شروع ہوئی۔ جنگِ آزادی دہلی کے افسانے اور جنگِ آزادی کے متعلق کئی کتابیں لکھی ہیں۔حسن نظامی نے ۱۸۹۷ء میں سب سے پہلا مضمون انڈیا گزٹ کے لیے ''انڈیا کی نازک حالت'' کے عنوان سے لکھا۔ انہوں نے سب سے پہلی کتاب ۱۹۰۰ء میں لکھی۔ خواجہ حسن نظامی اردو انشا پردازی میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔اردو صحافت میں ان کا خاص درجہ تھا۔ انتقال ۳۱ جولائی ۱۹۵۵ء کو ہوا اور اپنے آبائی قبرستان میں دہلی میں دفن کیے گئے۔۱۳

❁

سن کر یہ بات خوب کہا شہنواز نے
بلّی، چوہے کو دیتی ہے پیغامِ اتحاد
(ص ۱۶۳)

''شہنواز'':۔ میاں محمد شاہ نواز، علامہ اقبال کے عزیز دوست تھے۔ ان کے والد میاں ظہور الدین پشاور کے مشہور وکیل تھے۔باپ نے اپنے پیشے کی مناسبت سے بیٹے کو بھی یہی پیشہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا؛ چنانچہ شاہ

نواز نے ولایت جا کر بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی اور واپسی پر لاہور میں بیرسٹری شروع کی-وہ لاہور کے بڑے کامیاب بیرسٹر تھے-ان کی شہرت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ وہ عوام کا نمائندہ بن کر پنجاب اور مرکزی اسمبلیوں کے ممبر منتخب ہوئے-شاہ نواز شروع ہی سے بڑے ترقی پسند تھے-وہ انگریزوں کے دشمن اور کانگریس کے حامی تھے-ان کا حافظہ بہت اچھا تھا-اردو، فارسی کے سینکڑوں اشعار یاد تھے-انتقال ۱۱ اگست ۱۹۳۸ء کو ہوا-

حوالہ کتب

۱- دانائے راز، سید نذیر نیازی، صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۶ طبع اول ۱۹۷۹ء، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور-

۲- دانائے راز، سید نذیر نیازی، صفحہ ۲۶۴ تا ۲۷۰ طبع اول ۱۹۷۹ء، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور-

۳- ایضاً-

۴- محمد عزیز الرحمن، صبح صادق عزیز المطابع الیکٹرک پریس بہاولپور طبع ثانی ۱۹۴۳ء-

۵- دانائے راز، سید نذیر نیازی، اقبال اکادمی پاکستان، صفحہ ۳۷۸ طبع اول ۱۹۷۹ء لاہور-

۶- انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، ج ۳، ص ۹۶۳-۹۷۶-

۷- شاہ معین الدین احمد ندوی، مہاجرین، حصہ دوم، ص ۴۸-۶۷-

۸- صحیفہ زریں، ص ۱۱۳-۱۱۶-

The Indian Nation Builders, pt.iii,pp.187-202

+

۹- نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر، ج ۲، ص ۲۴۳-

Eminent Mussalmans, pp. 248-262. -۱۰

The Indian Year Book & Who's Who, 1945-46,p1282.

-۱۱

Sh. Muhammad Ashraf, My Life a Fragment. , Lahore,1942.

-۱۲

-۱۳ نقوش، شخصیات نمبر، ص ۲۵۰-۲۵۱-

(نقشِ اول، جنوری ۱۹۵۲ء)

صبر ایوبِ وفا خو جزوِ جانِ اہلِ درد
گریۂ آدم سرشتِ دودمانِ اہلِ درد
(ص ۲۷)

''گریۂ آدم'' - اشارہ مندرجہ ذیل روایت کی طرف مقصود ہے:

صاحب معالم التنزیل نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حوا جنت کی نعمتوں سے محروم ہونے پر دو سو سال تک روتے رہے۱۔

اے مقامت برتر از چرخِ بریں
از تو باقی سطوتِ دینِ مبیں
(ص ۱۰۹)

یہاں اشارہ سابق والیٔ دکن نواب میر عثمان علی خاں کی طرف کیا گیا ہے۔

نواب میر عثمان علی خاں ۱۶ اپریل ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۶ء میں باقاعدہ تعلیم شروع کی۔ ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء کو تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی۔ عثمانیہ اردو یونیورسٹی موسوم بہ جامعہ عثمانیہ میر عثمان علی خاں نے قائم کی، اور چونکہ یونیورسٹی کا ذریعۂ تعلیم اردو تھا اس لیے یونیورسٹی کے اربابِ حل و عقد نے ایک مجلس دار الترجمہ والتالیف کے نام سے ترتیب دی جس کا کام مشرقی اور مغربی علوم کی کتابوں کا اردو ترجمہ و تالیف تھا۔ نواب صاحب کو اپنی ہندو اور مسلمان رعایا کی فلاح و بہبود کا ہمیشہ خیال رہا؛ چنانچہ انہوں نے مسجدوں کے ساتھ مندروں کے لیے بھی رقوم اور عطیات مقرر کیے۔ نواب صاحب اردو اور فارسی کے شاعر بھی تھے۔ نواب صاحب مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے چانسلر بھی رہے۔ ۱۹۴۸ء میں انڈین یونین نے ان کی ریاست کو ختم کر کے حکومت ہند میں شامل کر لیا۔ نواب صاحب نے ۲۴ فروری ۱۹۶۷ء کو انتقال کیا۔

حوالہ کتب

۱۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، ج ۱۱، ص ۹۵۸، طبع ۱۹۵۰ء

باب نہم

اقبال کی بعض نظموں کے ماخذ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

پیام مشرق

حور و شاعر

(ص ۱۰۳/۲۷۹)

(درجواب نظم گوئٹے موسوم بہ ''حور و شاعر'')

حور

نہ بہ بادہ میل داری نہ بہ من نظر کشائی
عجب این کہ تو ندانی رہ و رسم آشنائی
ہمہ ساز جستجوئے ہمہ سوز آرزوئے
نفسے کہ می گدازی، غزلے کہ می سرائی
بنوائے آفریدی چہ جہانِ دلکشائے
کہ ارم بچشم آید چو طلسمِ سیمیائی!

شاعر

دلِ رہرواں فریبی بہ کلام نیش دارے
مگر این کہ لذتِ او نرسد بہ نوکِ خارے
چہ کنم کہ فطرتِ من بہ مقام در نسازد
دلِ ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زارے
چو نظر قرار گیرد بہ نگارِ خوبروئے

تپد آں زماں دل من پے خوبتر نگارے
ز شرر ستارہ جویم ، ز ستارہ آفتابے
سر منزلے ندارم کہ بمیرم از قرارے
چو ز بادۂ بہارے ، قدحے کشیدہ خیزم
غزلے دگر سرایم بہ ہوائے نو بہارے
طلبم نہایتِ آں کہ نہایتے ندارد
بہ نگاہ ناشکیبے بہ دل امیدوارے
دل عاشقاں بمیرد بہ بہشتِ جاودانے
نہ نوائے دردمندے ، نہ غمے ، نہ غمگسارے!

EINLASS

HURI

Heute steh' ich meine Wache
Vor des Paradieses Tor;
Weiss nicht grade, wie ich's mache,
Kommst mir so verdächtig vor!

Ob du unsern Mosleminen
Auch recht eigentlich verwandt?
Ob dein Kämpfen, dein Verdienen
Dicht ans Paradies gesandt?

Zählst du dich zu jenen Helden?
Zeige deine Wunden an,
Die mir Rühmliches vermelden,
Und ich führe dich heran.

D I C H T E R

Nicht so vieles Federlesen!
Lass mich immer nur herein:
Denn ich bin ein Mensch gewesen,
Und das heisst ein Kämpfer sein.

Saharfe deine kräftgen Blicke!
Hier durchschaue diese Brust,
Sieh der Lebenswunden Tucke,
Sieh der Liebeswunden Lust!

Und doch sang ich gläuiger Weise:
Dass mir die Geliebte treu,
Dass dir Welt, wie sie auch kreise,
Liebevoll und dankbar sei.

Mit den Trefflichsten zusammen
Wirkt' ich, bis ich mir erlangt,
Dass mein Nam' in Liebesflammen
Von den schönsten Herzen prangt.

Nein! du wählst nicht den Geringern!
Gib die Hand dass Tag für Tag
Ich an deinen zarten Fingern

Ewigkeiten zählen mag.

ANKLANG

H U R I

Draussen am Orte,
Wo ich dich zuerst sprach,
Wacht' ich oft an der Pforte,
Dem Gebote nach.
Da hört' ich ein wunderlich Gesäusel,
Ein Ton-und Silbengekräusel,
Das wollte herein;
Niemand aber liess sich sehen,
Da verklang es klein zu klein;
Es klang aber fast wie deine Lieder,
Das erinnr' ich mich wieder.

D I C H T E R

Ewig Geliebte! wie zart
Erinnerst du dich deines Trauten!
Was auch, in irdischer Luft und Art,
Für Töne lauten,
Die wollen alle herauf;
Viele verklingen da unten zuhauf;
Andere mit Geistes Flug und Lauf,
Wie das Flügelpferd des Propheten,

Steigen empor und flöten
Draussen an dem Tor.
Kommt deinen Gespielen so etwas vor,
So sollen sie's freundich vermerken,
Das Echo lieblich verstärken,
Dass es wieder hinunter halle,
Und sollen Acht haben,
Dass in jedem Falle,
Wenn er kommt, seine Gaben
Jedem zugute kommen;
Das wird beiden Welten frommen.

Sie mögen's ihm freundlich lohnen,
Auf liebliche Weise fügsam,
Sie lassen ihn mit sich wohnen:
Alle Guten sind genügsam.

Du aber bist mir beschieden,
Dich lass' ich nicht aus dem ewigen Frieden;
Auf die Wache sollst du nicht ziehn,
Schick' eine ledige Schwester dahin.

D I C H T E R

Deine Liebe,dein Kuss mich entzückt!
Geheimnisse mag ich nicht erfragen;

Doch sag' mir ob du an irdischen Tagen
Jemals teilgenommen,
Mir ist es oft so vorgekommen,
Ich wollt' es beschwören, ich wollt'es beweisen.
Du hast einmal Suleika geheissen.

H U R I

Wir sind aus den Elementen geschaffen,
Aus Wasser, Feuer, Erd und Luft
Unmittelbar; und irdischer Duft
Ist unserm Wesen ganz zuwider.
Wir steigen nie zu euch hernieder;
Doch wenn ihr kommt, bei uns zu ruhn,
Da haben wir genug zu tun.

Denn, siehst du, wie die Gläubigen kamen,
Von dem Propheten so wohl empfohlen,
Besitz vom Paradiese nahmen,
Da waren wir, wie er befohlen,
So liebenswürdig, so scharmant,
Wie uns die Engel selbst nicht gekannt.

Allein der erste, zweite, dritte,
Die hatten vorher eine Favorite,
Gegen uns warens garstige Dinger,
Sie aber hielten uns doch geringer;

Wir waren reizend, geistig, munter;
Die Moslems wollten wieder hinunter.

Nun war uns himmlisch Hochgebornen
Ein solch Betragen ganz zuwider,
Wir aufgewiegelten Verschwornen
Besannen uns schon hin und wieder;
Als der Prophet durch alle Himmel fuhr,
Da passten wir auf seine Spur;
Rückkehrend hatt' er sichs nicht versehn,
Das Flügel-Pferd,es musste stehn.

Da hatten wir ihn in der Mitte !_
Freundlich ernst, nach Propheten-Sitte,
Wurden wir kürzlich von ihm beschieden;
Wir aber waren sehr unzufrieden.
Denn, seine Zwecke zu erreichen
Sollten wir eben alles lenken.
So wie ihr dächtet sollten wir denken,
Wir sollten euren Liebchen gleichen.

Unsere Eigenliebe ging verloren,
Die Mädchen krauten hinter den Ohren.
Doch, dachten wir, im ewigen Leben
Muss man sich eben in alles ergeben.

Nun sieht ein jeder, was er sah,
Und ihm geschieht, was ihm geschah.
Wir sind die Blonden, wir sind die Braunen,
Wir haben Grillen und haben Launen,
Ja, wohl auch manchmal eine Flause,
Ein jeder denkt, er sei zu Hause;
Und wir darüber sind frisch und froh,
Dass sie meinen, es wäre so.

Du aber bist von freiem Humor,
Ich komme dir paradiesisch vor;
Du gibst dem Blick, dem Kuss die Ehre,
Und wenn ich auch nicht Suleika wäre
Doch da sie gar zu lieblich war,
So glich sie mir wohl auf ein Haar.

D I C H T E R

Du blendest mich mit Himmelsklarheit,
Es sei nun Täuschung oder Wahrheit,
Genug, ich bewundre dich vor allen,
Um ihre Pflicht nicht zu versäumen,
Um einem Deutschen zu gefallen,
Spricht eine Huri in Knittelreimen.

H U R I

Ja, reim' auch du nur unverdrossen,

Wie es dir aus der Seele steigt!

Wir paradiesische Genossen

Sind Wort-und Taten reinen Sinns geneigt,

Die Tiere, weisst du, sind nicht ausgeschlossen,

Die Sich gehorsam, die sich treu erzeigt!

Ein derbes Wort kann Huri nicht verdriessen;

Wir fühlen, was vom Herzen spricht,

Und was aus frischer Quelle bricht,

Das darf im Paradiese fliessen

H U R I

Wieder einen Finger schlägst du mir ein!

Weisst du denn, wieviel Äonen

Wir vertraut schon zusammen wohnen?

D I C H T E R

Nein! __ Will's auch nicht wissen. Nein!

Mannigfaltiger fricher Genuss,

Ewig bräutlich keuscher Kuss!_

Wenn Jeder Augenblick mich durchschauert,

Was soll ich fragen, wie lang es gedauert!

H U R I

Abwesend bist denn doch auch einmal,

Ich merk' es wohl, ohne Mass und Zahl.

Hast in dem Weltall nicht verzagt,

An Gottes Tiefen dich gewagt;
Nun sei der Liebsten auch gewärtig!
Hast du nicht schon das Liedchen fertig?
Wie klang es draussen an dem Tor?
Wie klingt's? __ Ich will nicht stäker in dich dringen,
Sing mir die Lieder an Suleika vor:
Denn weiter wirst du's doch in Paradies nicht bringen.

❁

ADMITTANCE

HOURI

Today I stand upon my watch
Outside the gates of Paradise:
I know not what I ought to do'
Thou art such suspicious guise.

To our Brothers of the Faith
Art thou strict and truly kin,
That thy battles and thy merits
To Paradise should let thee in?

Count'st thou thyself among those heroes?
What thy wounds are do thou show,
That proclaim to me thy honour,
Thou I may let thee onwards go.

POET

Not so much of feather-picking!
Only let me enter through,
For a man I always have been,
And that means a warrior, too.

Quicken now thy sharpest glances,
Look my bosom through and through:
See the malice of my life-wounds,
See my pleasant love-wounds, too.

Like the faithful yet I've sung:
So that, true to me, my love,
That the world, too, though capricious,
Full of love and thanks might prove.

I have laboured with the noblest
Till this longed- for lot was mine,
That my name in flames of passion
From the fairest hearts might shine.

No ! thou wouldst not choose a base one:
Give here thy hand, that so I may
Count upon thy tender fingers

Eternities all day for day.

ECHO (Accord)

HOURI

Outside at the gate
Where at first I thee found
Aye keeping my watch there,
As I am e'en bound.
Sometimes a wonderful whisper I heard:
Rippling tones and words herewithin
Would penetrate fain;
But no one was there to be seen,
Less and less, then, they passed again:
Yet now again I think I call to mind,
Much like thy songs the tones I find.

POET

Tender thou bearest in mind,
My ever beloved, thy trusted friend!
That which in earthly fashion and kind
All upwards will tend
And passes itself for song.
Down below do many in numbers crash.
Whilst others in flight with spirit rash,
Just like Mahomet's winged steed,
Soar aloft, and sound indeed

Outside at the gates.

Should such a song reach the ear of thy mates,

Of the sound they should friendly take note,

And strengthen the echoes that float,

That again it may sound down below:

Great care. too. should they take,

That where'er he may go,

Or come, for ev'ry one's sake,

His gifts may useful be found.

And to both worlds again redound.

They might him ev'n friendly reward,

Complying in generous way,---

As the good are always content,

They might with them allow him to stay.

For thou to me art giv'n by lot;

Out of eternal peace I leave thee not.

Thou shalt on watch no longer go:

Of thy idle sisters send one below.

P O E T

Thy love, thy kiss, enchant me still!

Into thy secrets I would never pry,

Yet tell me if, descending from the sky.

Thou hast not had a mortal birth?

To me the thought is often borne,
I almost think I might be sworn,
Zuleika thou wast named on earth.

H O U R I

Made of the elements are Houris we,
Without a medium,from water, air,
And fire and earth, nor could our essence rare
E'er with the vapours of the earth agree,
We never, therefore can come down to you,
But when to rest with us you come,
Why, then we have enough to do.

When, by the Prophet recommended well,
The True Believers eager came, you see,
To take possession of their Paradise,
As he had given orders, there stood we,
So amiable all and nice,
So that the angels could us hardly tell.

The first, however, just as all the rest,
Each had his favourite on earth possessed.
Compared with us, of course, the things were plain,
And yet they looked upon us with disdain.
Though we were charming and so brightly gay,
The Moslems back again would wend their way,

Being all High-born dames of heavenly kind,
Such strange behaviour put us all about:
All leagued together and incensed in mind,
Both up and down we thought the matter out.
Then as the Prophet through the heavens flew
Quick on his trace we all together drew,
And as to get him back he had no way,
He had his winged steed perforce to stay.
There then, we held him in our midst, a prize
So earnest, solemn in prophetic wise;
About our business we were quickly sent,
Yet did his words not heal our discontent,
So that the Prophet gain his wished-for end,
We must in all to his commandment bend:
Our thoughts to be like yours we must dissemble.
And we your earthly loves ourselves resemble.

Our self-conceit completely disappears;
The maidens, all perplexed, must scratch their ears,
And yet we thought that in eternal life
We must give in, nor have continued strife.

Now each one sees what he has seen,
To each one happens what has been,

While some are brown and some are blonde,

And some have whims of which they 're fond.

And some a fib may even please;

Each as at home thinks he's at ease,

And all of us are pleased to know

That they should purpose even so.

But thou, thy humour is more free,

From Paradise thou thinkest me.

Zuleika though I may not be,

Honoured are looks and kiss by thee,

And as she was too bright and fair

She must be like me to a hair.

POET

Thou dazzlest me with heav'nly light, forsooth:

Thou mayst deceive me or it may be truth,

Yet I admire thee more than all of these,

That she in bounden duty may not fail,

And that a German poet she may please,

A Houri tells in doggerel rhyme her tale.

HOURI

Yes, let thy rhyme flow unrestrained,

As the winged thoughts fly up within thy mind:

For we inhabitants of Paradise
To word and deed are with pure heart inclined.
The beasts are not excluded, dost thou know,
Themselves that faithful and obedient show?
An unkind word a Houri does not anger;
What from the heart speaks we well know,
From a fresh fountain that which springs
In Paradise may also flow

HOURI

Another finger thou hast folded in!
How many ages, canst thou tell,
Do we in confidence together dwell?

POET

No! Nor will I know it ! Nay!
In many shapes a fresher bliss!
An ever bride-like, modest kiss!
My very being when each moment shakes,
Why should I ask how long it lasts or takes?

HOURI

Though art again, then, absent! Well I see,
Measure and count seem both unknown to thee.
Although God's depths thou hast both dared and seen,
Thou in the world hast not despondent been.
Now to await thy loved one be disposed!

Thy song already hast thou not composed?

I will not urge thee further. At the gate

What was the song that echoed with thy voice?

Sing me the songs thou didst Zuleika sing?

Thou canst not enter further into Paradise.

Taken from West-Eastern Divan of Goethe, Book of Paradise, translated by Alexeander Rogers, London, George Bell & Sons, 1890,pp.327-333

اقبال کی نظم "حور و شاعر" گوئٹے کی اسی عنوان کی نظم (Houri - Dichter) کے جواب میں لکھی گئی ہے- گوئٹے کی نظم بہت طویل ہے لیکن اقبال نے اس کا جواب نہایت اختصار کے ساتھ دینے کی کوشش کی ہے اور شاعر کے جواب کو اپنے مرکزی خیال کی ادائیگی کا ذریعہ بنایا ہے- اقبال، گوئٹے کے مکالمے "حور و شاعر" سے اثر پذیر تو ضرور معلوم ہوتے ہیں لیکن چونکہ اقبال اور گوئٹے کے فلسفۂ حیات میں بعد المشرقین ہے اس لیے اقبال نے اس مکالمے سے جو تاثر قبول کیا، اس کو اپنے مخصوص آب و رنگ میں پیش کر دیا ہے- اقبال کے کلام میں پیہم اضطراب، حرکت اور عمل کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے- شاعر، حور کے سکونی حسن سے متاثر نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ حسن کا بھی ایک ارتقائی تصور رکھتا ہے اور اسی لیے وہ حور و بہشت کے جلووں سے اس طرح متاثر نہیں ہوتا جس کی توقع ایک معمولی شاعر سے کی جا سکتی ہے-

زندگی و عمل

(در جواب نظم ہائے موسوم بہ "سوالات")

(ص ۲۸۰/۱۰۴)

ساحل افتادہ گفت ، گرچہ بسے زیستم
ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موج ز خود رفتۂ تیز خرامید و گفت
ہستم اگر میروم ، گر نہ روم نیستم !

FRAGEN

Am Meer, am wüsten, nächtlichen Meer
Steht ein Jüngling-Mann,
Die Brust voll Wehmut, das Haupt voll Zweifel,
Und mit düstern Lippen fragt er die Wogen:

"O löst mir das Rätsel des Lebens,
Das qualvoll uralte Rätsel,
Woruber schon manche Haupter gegrübelt,
Häupter in Hieroglyphenmützen,
Häupter in Turban und schwarzem Barett,
Perückenhaupter und tausend andre
Arme, schwitzende Menschenhäupter--
Sag mir, was bedeutet der Mensch?
Woher ist er kommen? Wo geht er hin?
Wer wohnt dort oben auf goldenen Sternen?"

Es murmeln die Wogen ihr ewges Gemurmel,
Es wehet der Wind, es fliehen die Wolken,
Es blinken die Sterne, gleichgultig und kalt,
Und ein Narr wartet auf Antwort.

QUESTIONS

By the sea, the desolate, nocturnal sea
Stands a youth-man
His heart full of sadness, his mind full of doubt,

And with gloomy lips he questions the waves:

"Oh solve for me the riddle of life,
The tormenting age-old riddle,
Over which so many heads have brooded.

Heads in hieroglyphed cone caps,
Heads in turbans,heads in black barrets,
Heads bewigged and a thousand other
Poor sweating heads of mortals-
Tell me what meaning has man?
Whence has he come? And whither he goes?
Who dwells up yonder on golden stars?"
The waves murmur their eternal murmur,
The wind blows, the clouds pass fleeting,
The stars twinkle, indifferent and cold,
And a fool waits for an answer.

Heinrich Heine : Lyric poems and Ballads. Translated by Ernst Feise, University of Pittsburgh Press 1961, pp. 88-90

اقبال کی ''نظم زندگی و عمل'' جو ہائنے کی نظم ''سوالات'' (Fragen) کے جواب میں لکھی گئی ہے، اس میں انسان اور حیاتِ انسانی کے متعلق وہ مسائل چھیڑے گئے ہیں جو ابتدائے آفرینش سے فلسفیوں کی توجہ کا مرکز رہے ہیں- انہیں اقبال نے اپنے مخصوص فلسفۂ زندگی کے تحت لا کر ان کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور چونکہ حرکت کے فلسفے کو ان کے ہاں بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لیے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بنیادی

عقیدے سے جو کرنیں پھوٹتی ہیں، وہ ان تمام سوالات پر روشنی ڈال سکتی ہیں جو ہائنے نے دریافت کیے ہیں۔ اقبال کے جواب میں جو بلاغت پوشیدہ ہے، وہی دراصل ان کے مختصر جواب کا جواز کہی جا سکتی ہے۔

۞

جوئے آب

(ص ۱۰۴/۲۸۰)

بنگر کہ جوئے آب چہ مستانہ می رود
مانندِ کہکشاں بگریبانِ مرغزار
در خوابِ ناز بود بہ گہوارۂ سحاب
وا کرد چشمِ شوق بآغوشِ کوہسار
از سنگریزہ نغمہ کشاید خرامِ او
سیمائے او چو آئینہ بے رنگ و بے غبار
زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ میرود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ میرود
در راہِ او بہار پریخانہ آفرید
نرگس دمید و لالہ دمید و سمن دمید
گل عشوہ داد و گفت یکے پیشِ ما بہ ایست
خندید غنچہ و سرِ دامانِ او کشید
نا آشنائے جلوہ فروشانِ سبز پوش
صحرا برید و سینۂ کوہ و کمر درید
زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ میرود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ میرود

صد جوئے دشت و مرغ و کہستان و باغ و راغ
گفتند "اے بسیط زمیں با تو سازگار
مارا کہ راہ از تنک آبی نہ بردہ ایم

از دستبردِ ریگِ بیاباں نگاہ دار”
وا کردہ سینہ را بہ ہوائے شرق و غرب
در بر گرفتہ ہمسفرانِ زبون و زار
زی بحرِ بیکرانہ چہ مستانہ میرود
باصد ہزار گوہرِ یک دانہ میرود
دریائے پُر خروش ! ز بند و شکن گذشت
از تنگنائے وادی و کوہ و دمن گذشت
یکساں چو سیل کردہ نشیب و فراز را
از کاخِ شاہ و بارہ و کشت و چمن گذشت
بیتاب و تند و تیز و جگر سوز و بیقرار
در ہر زماں بتازہ رسید از کہن گذشت
زی بحرِ بے کرانہ چہ مستانہ میرود
در خود یگانہ از ہمہ بیگانہ میرود

MAHOMETS-GESANG

Seht den Felsenquell,
Freudehell,
Wie ein Sternenblick;
Uber Wolken
Nährten seine Jugend
Gute Geister
Zwischen Klippen im Gebüsch.

Junglingfrisch
Tanzt er aus der Wolke

Auf die Marmorfelsen nieder
Jauchzet wieder
Nach dem Himmel.

Durch die Gipfelgange
Jagt er bunten Kieseln nach,
Und mit frühem Führertritt
Reisst er seine Bruderquellen
Mit sich fort.

Drunten werden in dem Tal
Unter seinem Fusstritt Blumen,
Und die Wiese
Lebt von seinem Hauch.

Doch ihn halt kein Schattental,
Keine Blumen,
Die ihm seine Knie umschlingen,
Ihm mit Liebesaugen schmeicheln;
Nach der Ebne dringt sein Lauf,
Schlangewandelnd

Bäche schmiegen
Sich gesellig an.

Nun tritt er

In die Ebne silberprangend

Und die Ebne prangt mit ihm,

Und die Flusse von der Ebne

Und die Bäche von Bergen

Jauchzen ihm und rufen: Bruder!

Bruder, nimm die Brüder mit,

Mit zu deinem alten Vater,

Zu dem ew'gen Ozean,

Der mit ausges pannten Armen

Unser wartet;

Die sich, ach! vergebens öffnen,

Seine Sehnenden zu fassen;

Denn uns frisst in öder Wuste

Gier'ger Sand,

Die Sonne droben

Saugt an unserm Blut,

Ein Hugel

Hemmet uns zum Teich!

Bruder,

Nimm die Brüder von der Ebne.

Nimm die Brüder von den Bergen

Mit, zu deinem Vater mit !

Kommt ihr alle !-

Und nun schwillt er

Herrlicher, ein ganz Geschlechte

Trägt den Fürsten hoch empor,

Und im rollenden Triumphe

Gibt er Ländern Namen; Städte

Werden unter seinem Fuss.

Unaufhaltsam rauscht er werter,

Lasst der Türme Flammengipfel,

Marmorhäuser, eine Schöpfung

Seiner Fülle, hinter sich.

Zedernhäuser trägt der Atlas

Auf den Riesenschultern; sausend

Wehen über seinem Haupte

Tausend Flaggen durch die Lüfte,

Zeugen seiner Herrlichkeit.

Und so trägt er seine Brüder,

Seine Schätze, seine Kinder

Dem erwartenden Erzeuger

Freudebrausend an das Herz.

Goethes Werke

Band I - Verlag C.H. Beck 1974, Munchen p-42

MAHOMETS-SONG

See the rock-born stream !

Like the gleam

Of a star so bright!

Kindly spirits

High above the clouds

Nourished him while youthful

In the copse between the cliffs.

Young and fresh,

From the clouds he danceth

Down upon the marble rocks;

Then tow'rd heaven

Leaps exulting.

Through the mountain-passes

Chaseth he the colour'd pebbles,

And, advancing like a chief,

Tears his brother streamlets with him

In his course.

In the valley down below

'Neath his footsteps spring the flowers.

And the meadow

In his breath finds life.

Yet no shady vale can stay him,

Nor can flowers,
Round his knees all-softly twining
With their loving eyes detain him;
To the plain his course he taketh,
Serpent-winding.

Social atremalets?
Join his waters. And now moves he
O'er the plain in silv'ry glory,
And the plain in him exults,
And the rivers from the plain,
And the streamlets from the mountain,
Shout with joy, exclaiming; "Brother,
Brother, take thy brethren with thee,
With thee to thine aged father,
To the everlasting ocean,
Who, with arms outstretching far,
Waileth for us;
Ah, in vain those arms lie open
To embrace his yearning children;
For the thirsty sand consumes us:
In the desert waste; the sunbeams
Drink our life-blood; hills around us
Into lakes would dam us! Brother,
Take thy brethren of the plain,

Take thy brethren of the mountain
With thee, to thy fathers' arms!"-

Let all come, then ! -
And now swells he
Lordlier still; yes, e'en a people
Bears his regal flood on high!
And in triumph onward rolling,
Names to countries gives he,- cities
Spring to light beneath his foot.

Ever, ever, on he rushes,
Leaves the towers' flame-tipp'd summits,
Marble palaces, the offspring
Of his fulness, far behind.

Ceder-houses bears the Atlas
On his giant shoulders; flutt' ring
In the breeze far, far above him
Thousand flags are gaily floating,
Bearing witness to his might.

And so beareth he his brethren,
All his treasures, all his children,
Wildly shouting, to the bosom

Of his long-expectant sire.1

اقبال کی نظم "جوئے آب" جو گوئٹے کی نظم (Mahomets Gesang) کا نہایت آزاد ترجمہ ہے، اپنی رعنائی و دلکشی کے اعتبار سے اقبال کی نظموں میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے- گوئٹے کی نظم عقیدت کے جذبات سے مملو ہے- اس کے اصل ادبی حسن کی تحسین شناسی کے لیے جرمن زبان کا علم ضروری ہے لیکن اقبال نے اس نظم کو فارسی زبان کے محاورے میں جس طرح پیش کیا ہے، اس سے لطف اندوزی ہمارے لیے نسبتاً آسان ہے اور یہ بلاشبہ کہا جا سکتا ہے کہ نعتیہ نظموں میں شاید اس کا جواب اردو اور فارسی شاعری میں نہ مل سکے-

حوالہ کتاب

The poems of Goethe, translated by E.A. Bowring, London, -١

George Belle , 1904, pp.166-167

بانگِ درا

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور ۱۹۹۰ء)

ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

(ص ۵۹/۴۳)

اک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
اس راہ سے ہوتا ہے گزر روز تمہارا
لیکن مری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا
غیروں سے نہ ملیے تو کوئی بات نہیں ہے
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھنچ کے نہ رہنا
آؤ جو مرے گھر میں تو عزت ہے یہ میری
وہ سامنے سیڑھی ہے جو منظور ہو آنا
مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
حضرت ، کسی نادان کو دیجے گا یہ دھوکا !
اس جال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا ، پھر نہیں اترا
مکڑے نے کہا : واہ ! فریبی مجھے سمجھے
تم سا کوئی نادان زمانے میں نہ ہوگا
منظور تمہاری مجھے خاطر تھی ، وگرنہ

کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا
اڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
ٹھیرو جو مرے گھر میں تو ہے اس میں بُرا کیا؟
اس گھر میں کئی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی یہ کٹیا
لٹکے ہوئے دروازوں پہ باریک ہیں پردے
دیواروں کو آئینوں سے ہے میں نے سجایا
مہمانوں کے آرام کو حاضر ہیں بچھونے
ہر شخص کو ساماں یہ میسّر نہیں ہوتا
مکھی نے کہا : خیر یہ سب ٹھیک ہے لیکن
میں آپ کے گھر آؤں ، یہ امید نہ رکھنا !
ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے
سو جائے کوئی ان پہ تو پھر اٹھ نہیں سکتا !
مکڑے نے کہا دل میں ، سنی بات جو اس کی
پھانسوں اسے کس طرح یہ کمبخت ہے دانا
سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں
دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندا
یہ سوچ کے مکھی سے کہا اس نے بڑی بی !
اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا!
ہوتی ہے اسے آپ کی صورت سے محبت
ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا
آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں
سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا

یہ حسن ، یہ پوشاک ، یہ خوبی ، یہ صفائی !

پھر اس پہ قیامت ہے یہ اڑتے ہوئے گاتا
مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پسیجی،
بولی کہ نہیں آپ سے مجھ کو کوئی کھٹکا
انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں برا میں
سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا
یہ بات کہی اور اڑی اپنی جگہ سے
پاس آئی تو مکڑے نے اچھل کر اسے پکڑا
بھوکا تھا کئی روز سے اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکھی کو اڑایا

THE SPIDER AND THE FLY

"Will you walk into my parlour?" Said a Spider to a Fly :
" Tis the prettiest little parlour that ever you did spy.
The way into my parlour is up a winding stair.
And I have many pretty things to show you when you're there
"Oh no, no ! "said the little Fly: to ask me is in vain,
For who goes up your winding stair can ne'er come down again."
"I'm sure you must be weary with soaring up so high;
Will you rest upon my little bed?" said the spider to the Fly.
"There are pretty curtains drawn around, the sheets are fine and thin,
And if you like to rest a while. I'll snugly tuck you in."

"Oh no, no! "said th little Fly, for I've often heard it said,
They never, never wake again, who sleep upon your bed."
Said the cunning Spider to the Fly, "Dear friend, what shall I do
To prove the warm affection I've always felt for you?
I have, within my pantry, good store of all that's nice;
I'm sure you're very welcome-will you please to take a slice?"
"Oh no, no! said the little Fly: "kind sir, that cannot be,
I've heard what's in your pantry, and I do not wish to see."
"Sweet creature!" said the Spider,"you're wily and you're wise!
How handsome are your gauzy wings, how brilliant are your eyes !
I have a little looking-glass upon my parlour shelf;
If you'd step in one moment,dear, you shall behold your-self!"
"I thank you, gentle Sir,"she cried, "for what you're pleased to say,
And bidding you good morning now,I'll call another day."
The Spider turned him round about and went into den.
He knew the vain and silly Fly would soon come back

again;

So he wove tiny web in a corner,on the sly.

And he set his table ready-to dine upon the Fly.

Then he went out to his door again, and merrily did sing;

"Come hither,hither,pretty Fly,with the pearl and silver wing.

Your robes are green and purple-there's a crest upon your head,

Your eyes are like the diamond bright but mine are dull as lead,"

Alas ! alas! how very soon this silly little Fly,

Hearing his wily flattering word, came slowly flitting by;

With buzzing wings she hung aloft, then near and nearer drew,

Thinking only of her brilliant eyes, her green and purple hue,

And dreaming of her crested head---poor foolish thing! At last

Up jumped the cunning Spider and fiercely held her fast,

He dragged her up his winding stair, into his dismel den,

Within his little parlour-and she ne'er came down again.

And now, do you take warning, all who this story hear,

To idle, silly, flattering words I pray you ne'er give ear;

To idle, deceitful counsellors close ear, and heart, and eye,
And take a lesson from this tale of the Spider and the Fly.

Mary Howitt. The World's Best Poetry, vol. 1,p.110.

''ایک مکڑا اور مکھی'' میری ہووٹ (Mary Howitt) کی نظم The Spider and the Fly سے ماخوذ ہے- دونوں نظموں میں واقعات تقریباً یکساں ہیں، صرف ان کی ترتیب میں فرق ہے- یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ میری ہووٹ کا انداز زیادہ ڈرامائی ہے- اس کے علاوہ واقعات سے جو اخلاقی نتائج ہووٹ نے اخذ کیے ہیں، انھیں نظم کے آخر میں چند مصرعوں میں بیان کر دیا ہے- اقبال کی نظم میں اخلاقی سبق نظم کے دوران ہی بیان کر دیا گیا ہے- بہ حیثیت مجموعی اقبال کی نظم، اصل کا ایک کامیاب نقش ہے-

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از ایمرسن)

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے
تجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے
ذرا سی چیز ہے اس پر غرور! کیا کہنا
یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور! کیا کہنا!
خدا کی شان ہے ناچیز، چیز بن بیٹھیں!
جو بے شعور ہوں، یوں باتمیز بن بیٹھیں
تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے

زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے

جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں!

بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں!

کہا یہ سن کے گلہری نے منہ سنبھال ذرا !

یہ کچی باتیں ہیں دل سے انہیں نکال ذرا !

جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا !

نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے

کوئی بڑا ، کوئی چھوٹا ، یہ اس کی حکمت ہے

بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے

مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے

قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں

نری بڑائی ہے ! خوبی ہے اور کیا تجھ میں؟

جو تُو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو

یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں

کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

THE MOUNTAIN AND THE SQUIRREL

The mountain and the squirrel

Had a quarrel,

And the former called latter 'Little prig';

Bun replied,

You are doubtless very big,

But all sorts of things and weather
Must be taken in together
To make up a year,
And a sphere.
And I think it no disgrace
To occupy my place.
If I'm not so large as you,
You are not so small as I,
And not half so spry:
I'll not deny you make
A very pretty squirrel track.
Talents differ; all is well and wisely put;
If I can not carry forests on my back,
Neither can you crack a nut'.

R.W. Emerson

ایمرسن کی مختصر نظم میں جو حسن اور جامعیت ہے، وہ اقبال کی اس نسبتہً طویل نظم میں نہیں- ایمرسن اور اقبال، دونوں کی یہ بیانیہ نظمیں ہیں لیکن ایمرسن قابلِ ترجیح اس لیے ہے کہ اس نے واقعہ کے تاثر کو غیر منفصل (immediate) انداز میں پیش کر دیا ہے اور اقبال کی نظم کی خامی یہ ہے کہ انہوں نے اخلاقی نتائج تو پہلے نظم کر دیے ہیں اور اصل واقعہ بعد میں بیان کیا ہے-

ایک گائے اور بکری

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

(ص ۴۶/۶۲)

اک چرا گاہ ہری بھری تھی کہیں

تھی سراپا بہار جس کی زمیں

کیا سماں اس بہار کا ہو بیاں

ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں

تھے اناروں کے بے شمار درخت

اور پیپل کے سایہ دار درخت

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں

طائروں کی صدائیں آتی تھیں

کسی ندی کے پاس اک بکری

چرتے چرتے کہیں سے آ نکلی

جب ٹھہر کر اِدھر اُدھر دیکھا

پاس اک گائے کو کھڑے پایا

پہلے جھک کر اسے سلام کیا

پھر سلیقے سے یوں کلام کیا

کیوں بڑی بی ! مزاج کیسے ہیں ؟

گائے بولی کہ خیر، اچھے ہیں

کٹ رہی ہے بُری بھلی اپنی

ہے مصیبت میں زندگی اپنی

جان پر آ بنی ہے کیا کہیے!

اپنی قسمت بُری ہے کیا کہیے!

دیکھتی ہوں خدا کی شان کو میں

رو رہی ہوں بروں کی جان کو میں

زور چلتا نہیں غریبوں کا

پیش آیا لکھا نصیبوں کا

آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے

اس سے پالا پڑے، خدا نہ کرے!

دودھ کم دوں تو بڑبڑاتا ہے
ہوں جو دبلی تو بیچ کھاتا ہے

ہتھکنڈوں سے غلام کرتا ہے
کن فریبوں سے رام کرتا ہے!
اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں
بدلے نیکی کے یہ برائی ہے
میرے اللہ! تری دہائی ہے
سن کے بکری یہ ماجرا سارا
بولی ایسا گلہ نہیں اچھا
بات سچی ہے بے مزا لگتی
میں کہوں گی مگر خدا لگتی
یہ چراگہ، یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
یہ ہری گھاس اور یہ سایا
ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کہاں!
یہ کہاں، بے زباں غریب کہاں!
یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
لطف سارے اسی کے دم سے ہیں
اس کے دم سے ہے اپنی آبادی
قید ہم کو بھلی، کہ آزادی؟
سو طرح کا بنوں میں ہے کھٹکا
واں کی گزران سے بچائے خدا
ہم پہ احسان ہے بڑا اس کا
ہم کو زیبا نہیں گلہ اس کا

قدر آرام کی اگر سمجھو
آدمی کا کبھی گلہ نہ کرو
گائے سن کر یہ بات شرمائی
آدمی کے گلے سے پچھتائی
دل میں پرکھا بھلا برا اس نے
اور کچھ سوچ کر کہا اس نے
یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دل کو لگتی ہے بات بکری کی !

THE COW AND THE ASS

Beside a green meadow a stream used to flow,
So clear, you might see the white pebbles below.
To this cooling brook the warm cattle would stray,
To stand in the shade, on a hot summer's day.
A cow, quite oppressed by the heat of the sun,
Came here to refresh as she often had done;
And standing quite still, stooping over the stream,
Was musing perhaps; or perhaps she might dream.
But soon a brown ass of respectable look
Came trotting up also, to taste of the brook,
And to nibble a few of the daisies and grass;
"How d'ye do?" said the cow.- "How d'ye do?" said the ass,
"Take a seat!" said the cow, gently waving her hand.
"By no means, dear madam," said he, "while you stand!"

Then stooping to drink with a complaisant bow,
"Ma'am,your health!" said the ass "Thank you sir!" said the cow.
When a few of these compliments more had been passed,
They laid themselves down on the herbage at last;
And waited politely-as gentlemen must-
The ass held his tongue, that the cow might speak first,
Then with a deep sigh, she directly began:
'Don't you think, Mr. Ass, we are injured by man?
Tis a subject which lies with a weight on my mind:
We really are greatly oppressed by mankind.
"Pray what is the reason - I see none at all-
That I always must go when Suke chooses to call?
Whatever I'm doing-'tis certainly hard-
I'm forced to leave off to be milked in the yard.
I've no will of my own, but must do as they please,
And give them my milk to make butter and cheese:
Sometimes I endeavour to knock down the pail,
Or give Suke a box on the ear with my tail !"
"But, Mam, am" said the ass," not presuming to teach"-
Oh dear! I beg pardon - pray finish your speech;
"Excuse my mistake", said the complaisant swain;
"Go on, and I'll not interrupt you again,"
"Why, Sir, I was just then about to observe,

Those hard-hearted tyrants no longer I'll serve;
But leave them for ever to do as they please,
And look somewhere else for their butter and cheese."
Ass waited a moment, as gentleman can,
And then, "Not presuming to teach," he began,
"Permit me to say, since my thoughts you invite,
I always saw things in a different light.
"That you afford man an important supply,
No ass in his senses would ever deny;
But then in return, 'tis but fair to allow
They are of some service to you, Mistress Cow,
" 'Tis their pleasant meadow in which you repose,
And they find you a shelter from winterly snows;
For comforts like these we'er indebted to man,
And for him, in return, should do all that we can."
The cow, upon this, cast her eyes on the grass,
Not pleased to be schooled in this way by an ass;
"yet," said she to herself, "though he's not very bright,
I really believe that the fellow is right."

Jane Taylor.

اقبال کی نظم ''ایک گائے اور بکری'' جین ٹیلر (Jane Taylor) کی نظم ''گائے اور گدھا'' (The Cow and the Ass) سے نہ صرف ماخوذ ہے بلکہ اس کا کامیاب ترجمہ بھی ہے- جین ٹیلر کے ہاں نظم کا عنوان نظم کے مرکزی خیال کے مطابق زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ گدھا، انسان کی کائنات میں مظلوم ترین مخلوق ہے اور اگر وہ اس کے باوجود انسان میں کوئی خیر کا پہلو دیکھ سکتا ہے تو اس سے شاعر کے انسانی خیر کے عقیدے کا ثبوت ملتا ہے؛ البتہ یہ ضرور ہے کہ اقبال نے نہ صرف نظم کے ماحول کو مقامی رنگ دینے

کی کامیاب کوشش کی ہے بلکہ مقامی روایات کا احترام کرتے ہوئے نظم کا عنوان بھی بدل دیا ہے۔

۞

بچے کی دعا

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

(ص ۶۵/۴۹)

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری!
دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے!
ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت
زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب !
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب!
ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دردمندوں سے، ضعیفوں سے محبت کرنا
میرے اللہ ! بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو، اس رہ پہ چلانا مجھ کو

A Child's Hymn

God make my life a little light,

Within the world to glow;

A little flame that burneth bright,
    Wherever I may go

God make my life a little flower
    That giveth joy to all,
Content to bloom in native bower,
    Although the place be small.

God make my life a little song
    That comforteh the sad,
That helpeth others to be strong
    And makes the singer glad.

God make my lifea little staff
    Whereon the weak may rest,
That so what health and strength I have
    May serve my neighbours best.

God make my life a little hymn
    Of tenderness and praise,
Of faith that never waneth dim
    In all His wondrous ways.

Matilda Betham-Edwards.

A poetry Book for Boys and Girls-Part I, by A.Watson

Bain p.38.

اقبال کی نظم "بچے کی دعا" میلڈا بیتھم ایڈورڈز (Matilda Betham Edwards) کی نظم A Child's Hymn سے ماخوذ ہے۔ انگریزی نظم زیادہ مفصل اور متنوع ہے اور اس میں پیکر نگاری (imagery) زیادہ دلکش اور بلیغ ہے۔ خاص طور پر آخری بند میں شاعرہ نے پوری نظم کی روح کو سمو دیا ہے۔ اقبال کی نظم نسبتہً مختصر ہے اور یہ احساس ہوتا ہے کہ غالباً اقبال نے انگریزی نظم کے ایک ایک بند کے مفہوم کو ایک ایک شعر میں ادا کرنے کی کوشش کی ہے اور گو نظم کے لہجے میں ایک طرح کی نرمی، معصومیت اور بھولا پن (naivety) پایا جاتا ہے، پھر بھی انگریزی نظم کے مقابلے میں اقبال کے اشعار کچھ سپاٹ اور بے رنگ معلوم ہوتے ہیں۔

❁

ہمدردی

(ماخوذ از ولیم کوپر)

بچوں کے لیے

(ص ۶۶/۵۰)

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا — بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی — اڑنے چگنے میں دن گزارا
پہنچوں کس طرح آشیاں تک — ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سن کر بلبل کی آہ و زاری — جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے — کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری — میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل — چمکا کے مجھے دیا بنایا
ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

THE NIGHTINGALE AND GLOW-WORM

A Nightingale, that all day long
Had cheer'd the village with his song,
Nor yet at eve his note suspended,
Nor yet when eventide was ended,
Began to feel, as well he might,
The keen demands of appetite;
When, looking eagerly around,
He spied far off upon the ground,
A something shining in the dark,
And knew the glow-worm by his spark,
So stooping down from hawthorn top,
He thought to put him in his crop:
The worm, aware of his intent.
Harangued him thus right eloquent.

Did you admire my lamp, quoth he.
As much as I your minstrelsy,
You should abhor to do me wrong,
As much as I to spoil your song;
For 'twas the self-same pow'r divine,
Taught you to sing, and me to shine;
That you with music, I with light.
Might beautify and cheer the night.
The songster heard his short ovation,

And warbling out his approbation,
Released him as my story tells,
And found a supper somewhere else.

Hence jarring sectaries may learn
Their real interest to discern:
That brother should not war with brother,
And worry and devour each other;
But sing and shine by sweet consent,
Till life's poor transient night is spent,
Respecting in each other's case
The gifts of Nature and of grace.

Those Christians best deserve the name
Who studiously make peace their aim;
Peace, both the duty and the prize
Of him that creeps and him that flies.

The poetical Works of William Cowper
Routledge, Werne and Routledge, London,
1863,pp.168-169

اقبال کی نظم ہمدردی ، ولیم کوپر کی نظم THE NIGHINGALE AND GLOW-WORM سے ماخوذ ہے- انگریزی نظم زیادہ مفصل اور متنوع ہے اور اس میں معانی و مطالب بھی زیادہ آگئے ہیں- اقبال کی نظم نسبتۃً مختصر ہے، گو اصل انگریزی نظم کا ماحصل پورے طور پر اس میں بیان کر دیا گیا

ہے۔ اقبال نے اس نظم کے ماحصل کی بنا پر اس کا نام ''ہمدردی'' تجویز کیا ہے جبکہ اس عنوان کی کوئی نظم کوپر کے مجموعہ کلام میں نہیں مل سکی۔ اس نظم سے جو سبق ملتا ہے، وہ عین اقبال کے تجویز کردہ عنوان سے مطابقت رکھتا ہے۔ اقبال نے اختصار کے ساتھ ''بلبل اور جگنو'' کا ماحصل پیش کیا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ ماحصل اقبال نے بڑی خوبی اور خوبصورتی سے اپنے مخصوص آب و رنگ کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ماں کا خواب

(ماخوذ)

بچوں کے لیے

(ص ۶۷/۵۱)

میں سوئی جو اک شب تو دیکھا یہ خواب
بڑھا اور جس سے مرا اضطراب
یہ دیکھا کہ میں جا رہی ہوں کہیں
اندھیرا ہے اور راہ ملتی نہیں
لرزتا تھا ڈر سے مرا بال بال
قدم کا تھا دہشت سے اٹھنا محال
جو کچھ حوصلہ پا کے آگے بڑھی
تو دیکھا قطار ایک لڑکوں کی تھی
زمرد سی پوشاک پہنے ہوئے
دیے سب کے ہاتھوں میں جلتے ہوئے
وہ چپ چاپ تھے آگے پیچھے رواں
خدا جانے جانا تھا ان کو کہاں
اسی سوچ میں تھی کہ میرا پسر
مجھے اس جماعت میں آیا نظر
وہ پیچھے تھا اور تیز چلتا نہ تھا
دیا اس کے ہاتھوں میں جلتا نہ تھا

کہا میں نے پہچان کر میری جاں !
مجھے چھوڑ کر آ گئے تم کہاں ؟
جدائی میں رہتی ہوں میں بے قرار
پروتی ہوں ہر روز اشکوں کے ہار
نہ پروا ہماری ذرا تم نے کی
گئے چھوڑ، اچھی وفا تم نے کی!
جو بچے نے دیکھا مرا پیچ و تاب
دیا اس نے منہ پھیر کر یوں جواب
رلاتی ہے تجھ کو جدائی مری
نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی مری
یہ کہہ کر وہ کچھ دیر تک چپ رہا
دیا پھر دکھا کر یہ کہنے لگا
سمجھتی ہے تو ہو گیا کیا اسے ؟
ترے آنسوؤں نے بجھایا اسے !

THE MOTHER'S DREAM

I'd a dream tonight

As I fell asleep,

Oh! the touching sight

Makes me still to weep;

Of my little lad,

Gone to leave me sad,

Aye. the child I had,

But was not to keep,

As in heaven high,

I my child did seek,
There, in twain, came by
Children fair and meek,
Each in lily white,
With a lamp alight;
Each was clear to sight,
But they did not speak,
Then, a little sad,
Came my child in turn,
But the lamp he had,
Oh ! it did not burn;
He, to clear my doubt,
Said, half turned about,
"Your tears put it out;
Mother, never mourn."

William Barnes.

,,ماں کا خواب" ولیم بارنس (William Barnes) کی نظم The Mother's Dream" سے ماخوذ ہے۔ اقبال کی نظم میں نسبتاً تفصیلات زیادہ ہیں۔ سوز و گداز کا عنصر تو دونوں نظموں میں موجود ہے، لیکن چونکہ اقبال کی نظم ہمارے ماحول سے قریب تر ہے اور اس کے لہجے میں زیادہ اپنایت ہے، اس لیے اس کا تاثر زیادہ گہرا اور فوری (immediate) ہے۔

ایک آرزو

(ص ۶۲/۷۸)

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو!

شورش سے بھاگتا ہوں ، دل ڈھونڈتا ہے میرا
ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مرتا ہوں خامشی پر ، یہ آرزو ہے میری
دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

آزاد فکر سے ہوں ، عزلت میں دن گزاروں
دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا
ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

ہو ہاتھ کا سرہانا ، سبزہ کا ہو بچھونا
شرمائے جس سے جلوت، خلوت میں وہ ادا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل
ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں
ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ
پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی
جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلھن کو
سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم

اُمید اُن کی، میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھا دے
جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو
پچھلے پہر کی کوئل ، وہ صبح کی مؤذن
میں اس کا ہمنوا ہوں، وہ میری ہمنوا ہو
کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو
پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا ہو
اس خامشی میں جائیں اتنے بلند نالے
تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو
ہر درد مند دل کو رونا مرا رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں ، شاید اُنہیں جگا دے!

A WISH

Mine be a cot beside the hill;
A bee-hive's hum shall soothe my ear;
A willowy brook, that turns a mill,
With many a fall shall linger near.
The swallow, oft beneath my thatch,
Shall twitter from her clay-built nest;
Oft shall the pilgrim lift the latch,
And share my meal, a welcome quest,

Around my ivy'd porch shall spring

Each fragrant flower that drinks the dew;
And Lucy, at her wheel, shall sing
In russet gown and apran blue.

The village-church, among the trees,
Where first our marriage-vows were given,
With merry peals shall swell the breeze,
And point with taper spire to heaven.

The poetical works of Samuel Rogers
George Bell & Sons, London: 1892,p 153

اقبال کی نظم ''ایک آرزو'' میں انگریزی کے نسبتۃً غیر معروف شاعر (Samuel Rogers) سموئل راجرس کی ایک نظم A Wish کا عکس صاف طور پر دکھائی دیتا ہے- یہ کہنا تو مشکل ہے کہ اقبال کی نظم ایک آرزو راجرس کی نظم سے ماخوذ ہے لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ دونوں کے ہاں اس باب میں بڑی مماثلت پائی جاتی ہے- گمان ہوتا ہے کہ راجرس کی نظم اقبال کی نظر سے گزری ہوگی- ایک آرزو میں اقبال نے جو بات کہی ہے، وہی کم و بیش راجرس کے ہاں موجود ہے، اس لیے ایک آرزو پڑھتے وقت راجرس کی نظم کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا-

پیامِ صبح

(ماخوذ از لانگ فیلو)

(صفحہ ۸۸/۷)

اجالا جب ہوا رخصت جبینِ شب کی افشاں کا
نسیمِ زندگی پیغام لائی صبحِ خنداں کا
جگایا بلبلِ رنگیں نوا کو آشیانے میں

کنارے کھیت کے شانہ ہلایا اس نے دہقاں کا

طلسمِ ظلمتِ شب سورۂ والنور سے توڑا

اندھیرے میں اُڑایا تاجِ زر شمعِ شبستاں کا

پڑھا خوابیدگانِ دیر پر افسونِ بیداری

برہمن کو دیا پیغام خورشیدِ درخشاں کا

ہوئی بامِ حرم پر آ کے یوں گویا مؤذن سے

نہیں کھٹکا ترے دل میں نمودِ مہرِ تاباں کا؟

پکاری اس طرح دیوارِ گلشن پر کھڑے ہو کر

چٹک او غنچۂ گل! تو مؤذن ہے گلستاں کا

دیا یہ حکم صحرا میں ، چلو اے قافلے والو !

چمکنے کو ہے جگنو بن کے ہر ذرہ بیاباں کا

سوئے گورِ غریباں جب گئی زندوں کی بستی سے

تو یوں بولی نظارا دیکھ کر شہرِ خموشاں کا

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں پھر بھی آؤں گی

سلا دوں گی جہاں کو ، خواب سے تم کو جگاؤں گی

DAY BREAK

A wind came up out of the sea

And said, "O mists, make room for me."

It hailed the ships, and cried, "Sail on.

Ye mariners, the night is gone."

And hurried landward far away,

Crying, "Awake! it is the day."

It said unto the forest,"Shout!
Hang all your leafy banners out!"

It touched the wood-bird's folded wing,
And said, "O bird, awake and sing."

And o'er the farms, "O chanticlear,
Your clarion blow ; the day is near."

It whispered to the fields of corn,
"Bow down, and hail the coming morn."

It shouted through the belfry-tower,
"Awake,O bell ! proclaim the hour."

It crossed the churchyard with a sigh,
And said, " Not yet! in quiet lie."

H. W. Longfellow

اقبال کی نظم ’’پیام صبح‘‘ اور لانگ فیلو کی نظم "Day break" کے درمیان موضوع کی مماثلت بہت واضح اور صریح ہے۔ ان کے درمیان مابہ الامتیاز یہ امر ہے کہ لانگ فیلو نے طلوع آفتاب کا ذکر مکالمے کے انداز میں کیا ہے اور اقبال نے پیام صبح سے متعلق مناظر کی مصوری، بالواسطہ انداز میں کی ہے اور خوبصورت تشبیہوں اور استعاروں کی مدد سے اپنی نظم کو مرصع اور مزین کرنے کی کوشش کی ہے۔

عشق اور موت

(ماخوذ از ٹینی سن)

(ص ۳ے/۸۹)

سہانی نمودِ جہاں کی گھڑی تھی
تبسم فشاں زندگی کی کلی تھی
کہیں مہر کو تاجِ زر مل رہا تھا
عطا چاند کو چاندنی ہو رہی تھی
سیہ پیرہن شام کو دے رہے تھے
ستاروں کو تعلیمِ تابندگی تھی
کہیں شاخِ ہستی کو لگتے تھے پتے
کہیں زندگی کی کلی پھوٹتی تھی
فرشتے سکھاتے تھے شبنم کو رونا
ہنسی گل کو پہلے پہل آ رہی تھی
عطا درد ہوتا تھا شاعر کے دل کو
خودی تشنہ کامِ مئے بے خودی تھی
اٹھی اول اول گھٹا کالی کالی
کوئی حور چوٹی کو کھولے کھڑی تھی
زمیں کو تھا دعویٰ کہ میں آسماں ہوں
مکاں کہہ رہا تھا کہ میں لامکاں ہوں
غرض اس قدر یہ نظارا تھا پیارا
کہ نظارگی ہو سراپا نظارا
ملک آزماتے تھے پرواز اپنی
جبینوں سے نورِ ازل آشکارا

فرشتہ تھا اک، عشق تھا نام جس کا
کہ تھی رہبری اس کی سب کا سہارا
فرشتہ کہ پتلا تھا بیتابیوں کا

ملک کا ملک اور پارے کا پارا

چلے سیر فردوس کو جا رہا تھا
قضا سے ملا راہ میں وہ قضا را

یہ پوچھا ترا نام کیا؟ کام کیا ہے؟
نہیں آنکھ کو دید تیری گوارا

ہوا سُن کے گویا قضا کا فرشتہ
اجل ہوں، مرا کام ہے آشکارا

اڑاتی ہوں میں رختِ ہستی کے پرزے
بجھاتی ہوں میں زندگی کا شرارا

مری آنکھ میں جادوئے نیستی ہے
پیامِ فنا ہے اسی کا اشارا

مگر ایک ہستی ہے دنیا میں ایسی
وہ آتش ہے، میں سامنے اس کا پارا

شرر بن کے رہتی ہے انساں کے دل میں
وہ ہے نورِ مطلق کی آنکھوں کا تارا

ٹپکتی ہے آنکھوں سے بن بن کے آنسو
وہ آنسو کہ ہو جن کی تلخی گوارا

سنی عشق نے گفتگو جب قضا کی
ہنسی اس کے لب پر ہوئی آشکارا

گری اس تبسم کی بجلی اجل پر
اندھیرے کا ہو نور میں کیا گزارا؟

بقا کو جو دیکھا فنا ہو گئی وہ
قضا تھی، شکارِ قضا ہو گئی وہ

LOVE AND DEATH

What time the mighty moon was gathering light
Love paced the thymy plots of paradise
And all about him roll'd his lustrous eyes;
When turning round a cassia, full in view,
Death walking all alone beneath a yew,
And talking to himself, first met his sight.
You must begone'.said Death, 'these walks are mine'.
Love wept and spread his sheeny vans for flight;
Yet as he parted said, ' This hour is thine;
Thou art the shadow of life, and so the tree
Stands in the sun and shadows all beneath,
So in the light of great eternity
Life eminent creates the shade of death.
The shadow passeth when the tree shall fall.
But I shall reign forever over all'.

A.L. Tennyson,

اقبال کی نظم ''عشق اور موت'' میں ٹینی سن کی نظم کے مقابلے میں پس منظر تفصیل کے ساتھ دیا گیا ہے- مزید یہ کہ ٹینی سن کی نظم میں عشق، موت کے مقابلے میں اپنی فضیلت کا خود اعلان کرتا ہے اور اقبال کے ہاں موت، عشق کی فضیلت کو تسلیم کرتی ہے- مرکزی خیال کی مماثلت کے باوجود فنی اور فکری اعتبار سے اقبال کی نظم ٹینی سن کی نظم کے مقابلے میں زیادہ وزنی اور دلکش معلوم ہوتی ہے-

رخصت اے بزمِ جہاں

(ماخوذ از ایمرسن)

(ص ۹ے/۹۵)

رخصت اے بزمِ جہاں! سوئے وطن جاتا ہوں میں
آہ! اس آباد ویرانے میں گھبراتا ہوں میں
بسکہ میں افسردہ دل ہوں، درخورِ محفل نہیں
تو مرے قابل نہیں ہے، میں ترے قابل نہیں

قید ہے، دربار سلطان و شبستانِ وزیر
توڑ کر نکلے گا زنجیرِ طلائی کا اسیر
گو بڑی لذت تری ہنگامہ آرائی میں ہے
اجنبیت سی مگر تیری شناسائی میں ہے
مدتوں بیٹھا ترے ہنگامۂ عشرت میں میں
روشنی کی جستجو کرتا رہا ظلمت میں میں
مدتوں ڈھونڈا کیا نظارۂ گل، خار میں
آہ! وہ یوسف نہ ہاتھ آیا ترے بازار میں
چشمِ حیراں ڈھونڈتی اب اور نظارے کو ہے
آرزو ساحل کی مجھ طوفان کے مارے کو ہے
چھوڑ کر مانندِ بو، تیرا چمن جاتا ہوں میں
رخصت اے بزمِ جہاں سوئے وطن جاتا ہوں میں
گھر بنایا ہے سکوتِ دامنِ کہسار میں
آہ! یہ لذت کہاں موسیقیِ گفتار میں!
ہم نشینِ نرگسِ شہلا رفیقِ گل ہوں میں
ہے چمن میرا وطن، ہمسایۂ بلبل ہوں میں
شام کو آواز چشموں کی سلاتی ہے مجھے
صبح فرشِ سبز سے کوئل جگاتی ہے مجھے
بزمِ ہستی میں ہے سب کو محفل آرائی پسند
ہے دلِ شاعر کو لیکن کنجِ تنہائی پسند

ہے جنوں مجھ کو کہ گھبراتا ہوں آبادی میں میں
ڈھونڈتا پھرتا ہوں کس کو کوہ کی وادی میں میں
شوق کس کا سبزہ زاروں میں پھراتا ہے مجھے
اور چشموں کے کناروں پر سلاتا ہے مجھے؟

طعنہ زن ہے تو کہ شیدا کنجِ عزلت کا ہوں میں
دیکھ اے غافل! پیامی بزمِ قدرت کا ہوں میں
ہم وطن شمشاد کا، قمری کا میں ہمراز ہوں
اس چمن کی خامشی میں گوش بر آواز ہوں
کچھ جو سنتا ہوں تو اوروں کو سنانے کے لیے
دیکھتا ہوں کچھ تو اوروں کو دکھانے کے لیے
عاشقِ عزلت ہے دل، نازاں ہوں اپنے گھر پہ میں
خندہ زن ہوں مسندِ دارا و اسکندر پہ میں
لیٹنا زیرِ شجر رکھتا ہے جادو کا اثر
شام کے تارے پہ جب پڑتی ہے رہ رہ کر نظر
علم کے حیرت کدے میں ہے کہاں اس کی نمود!
گل کی پتی میں نظر آتا ہے رازِ ہست و بود!

GOOD - BYE

Good-Bye, proud world ! I'm going home:
Thou art not my friend, and I'm not thine.
Long through the weary crowds I roam;
A river-ark on the ocean brine,
Long I've been tossed like the driven foam;
But now proud world! I'm going home.

Good-bye to Flattery's fawning face;
To Grandeur with his wise grimace;
To upstart Wealth's averted eye;
To supple Office, low and high;
To crowded halls, to court and street;
To frozen hearts and hasting feet;
To those who go, and those who come;
Good-bye, proud world ! I'm going home.

I am going to my own hearth-stone,
Besomed in your green hills alone,
A secret nook in a pleasant land,
Whose groves the frolic fairies planned;
Where arches green, the livelong day.
Echo the blackbirds' soundelay,
And vulgar facts have never trod,
A spot that is sacred to thought and God.

O, when I am safe in my sylvan home.
I tread on the pride of Greece and Rome;
And when I am stretched beneath the pines,
Where the evening star so holy shines,
I laugh at the lore and the pride of man,
At sophist schools, and the learned clan;
For what are they all, in their high conceit,

When man in the bush with God may meet?

R.W. Emerson

اقبال کی نظم ''رخصت اے بزمِ جہاں'' اور ایمرسن کی نظم Good-Bye کے درمیان کئی چیزیں مشترک ہیں- اول تو یہ کہ دونوں کے ہاں پہلے حصے کو پڑھ کر یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید وطن سے مراد عالم جاوداں ہے لیکن نظم کے دوسرے حصے کو پڑھ کر، جو اقبال اور ایمرسن، دونوں کے ہاں نقطۂ گریز ہے، اس خیال کو تقویت پہنچتی ہے کہ شاعر شہری زندگی کے ہنگاموں سے تنگ آ کر کنجِ عزلت کا متلاشی ہے جہاں فطرت کا بے داغ اور سکون بخش حسن اس کے اضطراب اور انتشار کو تسکین پہنچا سکے- اقبال اور ایمرسن، دونوں کے ہاں نظم کے آخری اشعار اس تعبیر کو صحیح ثابت کرتے ہیں اور اس اعتبار سے انہیں پوری نظم کی، ایک حد تک، کلید کہا جا سکتا ہے- اقبال کی نظم میں زیادہ تفصیل اور پھیلاؤ ہے اور نظم میں جو وضاحت اور ارتقا ہونا چاہیے، وہ بھی ایمرسن کی نسبت اقبال کے ہاں زیادہ ہے-

داغ

(ص ۹۹/۱۱۵)

عظمتِ غالب ہے اک مدت سے پیوندِ زمیں

مہدیٔ مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکیں

توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیر

چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صہبائے امیر

آج لیکن ہمنوا ! سارا چمن ماتم میں ہے

شمعِ روشن بجھ گئی، بزمِ سخن ماتم میں ہے

بلبلِ دلی نے باندھا اس چمن میں آشیاں

ہمنوا ہیں سب عنادل باغِ ہستی کے جہاں

چل بسا داغ آہ ! میّت اس کی زیبِ دوش ہے

آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ہے

اب کہاں وہ بانکپن ! وہ شوخیِ طرزِ بیاں !

آگ تھی کافورِ پیری میں جوانی کی نہاں

تھی زبانِ داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے
لیلیِ معنی وہاں بے پردہ، یاں محمل میں ہے
اب صبا سے کون پوچھے گا سکوتِ گل کا راز؟
کون سمجھے گا چمن میں نالۂ بلبل کا راز؟
تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں
اور دکھلائیں گے مضموں کی ہمیں باریکیاں
اپنے فکرِ نکتہ آرا کی فلک پیمائیاں
تلخیِ دوراں کے نقشے کھینچ کر رلوائیں گے
تا تخیل کی نئی دنیا ہمیں دکھلائیں گے
اس چمن میں ہوں گے پیدا بلبلِ شیراز بھی
سینکڑوں ساحر بھی ہوں گے، صاحبِ اعجاز بھی
اُٹھیں گے آزر ہزاروں شعر کے بت خانے سے
مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے
لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت
ہوں گی اے خوابِ جوانی! تیری تعبیریں بہت
ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون؟
اٹھ گیا ناوک فگن ، مارے گا دل پر تیر کون؟

MEMORIAL VERSES

Goethe in Weimer sleeps, and Greece,
Long since. saw Byron's struggle cease.
But one such death remain'd to come.
The last poetic verse is dumb.
What shall be said o'er Wordsworth's tomb?

And Wordsworth-Ah, pale ghosts ! rejoice!
For ever has such soothing voice
Been to your shadowy world convey'd
Since erst, at morn, some wandering shade
Heard the clear song of Orpheus come
Through Hades, and the mournful gloom,
Wordsworth is gone from us - and ye,
Ah, may ye feel his voice as we.
He too upon the wintry clime
Had fallen-on this iron time
Of doubts, disputes, distractions, fears,
He found us when the age had bound
Our souls in its benumbeing round:
He spoke, and loosed our heart in tears.
He laid us as lay at birth
On the cool flowery lap of earth,
Smiles broke from us and we had ease;
The hills were round us, and the breeze
Went o'er the sun-lit fields again;
Our foreheads felt the wind and rain.
Our youth return'd; for there was shed,
On spirits that had long been dead,
Spirits dried up and closely furl'd,
The freshness of the early word.

Mathew Arnold

داغ کا مرثیہ پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ غالباً یہ مرثیہ لکھتے وقت اقبال کے تحت الشعور میں ان نغموں کی گونج باقی تھی جو ورڈز ورتھ (Wordsworth) کی وفات سے متاثر ہو کر آرنلڈ (Arnold) کے مضرابِ دل سے نکلے تھے- اس میں شک نہیں کہ چونکہ داغ اور ورڈز ورتھ کی شخصیتیں فکر و فہم اور ذہنی و جذباتی توانائی اور وسعت کے اعتبار سے، اور شعری مذاق اور پیام کے لحاظ سے ہمراحل دور ہیں، اس لیے دونوں مرثیے ہمارے اندر یکساں ردِ عمل کو بیدار نہیں کر سکتے؛ تاہم ان دونوں مرثیوں میں مماثلت کے اور پہلو بھی نکل سکتے ہیں؛ اول تو یہ کہ دونوں مرثیوں کی فنی ترتیب و تشکیل میں خاصی مشابہت پائی جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ داغ کی شخصیت کے محدود ہونے کے باوجود اقبال ان سے جس طرح اور جس حد تک متاثر ہوئے، ان تاثرات کو انہوں نے اتنی ہی والہانہ عقیدت، پختگی اور جذباتی شدت کے ساتھ بیان کیا ہے جو آرنلڈ کے مرثیے میں نمایاں ہے-

حقیقتِ حسن

(ص ۱۲۲/۱۳۸)

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا

ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
شبِ درازِ عدم کا فسانہ ہے دنیا

ہوئی ہے رنگِ تغیر سے جب نمود اس کی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی

کہیں قریب تھا، یہ گفتگو قمر نے سنی
فلک پہ عام ہوئی، اخترِ سحر نے سنی

سحر نے تارے سے سن کر سنائی شبنم کو
فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو

بھر آئے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے

چمن سے روتا ہوا موسم بہار گیا

شباب سیر کو آیا تھا ، سوگوار گیا !

"Warum bin ich vergänglich, O, Zeus? fragte die Schönheit.

Mach ich doch, sagte der Gott, nur das Vergänglich schön.

Und die Liebe, die Blumen,der Tau und die Jungend vernahmens;

Alles ginger sie weg, weinend, von Jupiters Thron.

Leben muss man und lieben; es endet Leben und Liebe.

Schmittest du, Parze, doch nur beiden die Faeden zug leich."

اور ترجمہ یوں ہے:

''حسن نے زیوس سے سوال کیا کہ میں کیوں فانی بنایا گیا-

خدا نے جواب دیا کہ میں نے صرف زوال پذیر اشیا کو حسن بخشا ہے-

اس جواب کو عشق، پھول، شبنم اور شباب نے سنا

تو وہ روتے ہوئے زیوس کے تخت کے سامنے سے چلے گئے-

انسان کو زندہ رہنا ہے اور محبت بھی کرنا ہے، مگر اس نے تو زندگی اور عشق کو ختم کر دیا-

اے قسمت کے مالک! تو نے دونوں کے رشتوں کو بیک وقت کاٹ دیا''-

اقبال کی ایک نظم مارچ ۱۹۰۶ء کے ''مخزن'' میں ''حسن اور زوال'' کے عنوان سے شائع ہوئی - اس کے تعارف پر اقبال نے ایک شذرہ لکھا تھا کہ اس نظم کا خیال کسی جرمن مصنف کی نثر سے لیا گیا ہے- بعد میں یہی نظم ''حقیقت حسن'' کے عنوان سے بانگِ درا کی زینت بنی - اس نظم کا مرکزی خیال حسن کے زوال پذیر ہونے کا تیقن ہے- گوئٹے نے ایک طویل نظم موسم کے تغیر و تبدل پر لکھی ہے- اس میں موسم بہار، موسم گرما اور موسم سرما کی کیفیات کا کسی قدر مفصل نقش کھینچا ہے- موسم گرما کی جہاں کیفیت بیان کی ہے، وہیں اقبال کی نظم ''حقیقت حسن'' کا سراغ ملتا ہے- متعلقہ ٹکڑا اوپر مذکور ہوا --- اردو ترجمے کے ساتھ-

حسن اور خدا کے مابین جو مکالمہ ہوا، اس کو گوئٹے نے نہایت اختصار کے ساتھ دو مصرعوں میں ادا کیا۔ لیکن اقبال نے اس پر نظم کے پہلے تین شعر صرف کیے۔ گو اقبال کا دوسرا شعر ان کے اپنے خیال کا مرہون منت ہے اور اس میں اقبال نے تیسرے شعر کے بنیادی تصور کو بیان کیا ہے کہ دنیا ایک تصویر خانہ ہے جس میں تصویریں وقفے وقفے سے آتی جاتی رہتی ہیں اور پھر ہمیشہ کے لیے عدم میں روپوش ہو جاتی ہیں۔ بعد ازاں اقبال نے تغیر کا ذکر کر کے اس مرکزی اور بنیادی خیال کو شعر کا جامہ عطا کیا کہ ''وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی'' اور اس طرح یہ لازوال مصرع عدم سے وجود میں آیا۔ اقبال کی نظم میں جو جامعیت ہے اور جس تلازمہ شعری کا خیال رکھا ہے، وہ گوئٹے کے ہاں نہیں ہے۔ اس طرح اقبال نے گوئٹے پر ایک نوع کا اضافہ کیا ہے۔

حوالے کے لیے دیکھیے

اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۴ء

صدیقؓ

(بانگ درا صفحہ ۲۵۲/۲۳۶)

اک دن رسول پاکؐ نے اصحاب سے کہا
دیں مال راہِ حق میں جو ہوں تم میں مالدار

ارشاد سن کے فرطِ طرب سے عمرؓ اٹھے
اس روز ان کے پاس تھے درہم کئی ہزار

دل میں یہ کہہ رہے تھے کہ صدیقؓ سے ضرور
بڑھ کر رکھے گا آج قدم میرا راہوار

لائے غرض کہ مال رسولِ امیںؐ کے پاس
ایثار کی ہے دست نگر ابتدائے کار

پوچھا حضور سرورِؐ عالم نے اے عمرؓ
اے وہ کہ جوشِ حق سے ترے دل کو ہے قرار

رکھا ہے کچھ عیال کی خاطر بھی تو نے کیا؟
مسلم ہے اپنے خویش و اقارب کا حق گذار

کی عرض نصف مال ہے فرزند و زن کا حق

باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار
اتنے میں وہ رفیقِ نبوت بھی آ گیا
جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مردِ وفا سرشت
ہر چیز جس سے چشمِ جہاں میں ہو اعتبار
ملکِ یمین و درہم و دینار و رخت و جنس
اسپ قمر سُم و شتر و قاطر و حمار
بولے حضورؐ چاہیے فکرِ عیال بھی
کہنے لگا وہ عشق و محبت کا رازدار

اے تجھ سے دیدۂ مہ و انجم فروغ گیر
اے تیری ذات باعثِ تکوینِ روزگار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسول بس!

عمر بن الخطاب یقول امرنا رسول الله ﷺ ان نتصدق و دافق ذلك عندی مالا فقلت الیوم اسبق ابابکر ان سبقته یوم۔ قال فجئت بنصف مالی فقال رسول الله ﷺ ما القیت لاهلك قلت مثله واتی ابوبکر بکل ما عنده فقال یا ابابکر ما القیت لاهلك فقال ابقیت لهم الله و رسوله۔ قلت لا اسبقه الی شئی ابدا۔

(جامع ترمذی، ج۲،ص ۵۲۳،مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ دینے کا حکم دیا۔ اتفاق سے ان دنوں میرے پاس مال بھی تھا۔ میں سوچنے لگا کہ اگر میں آج ابوبکرؓ سے سبقت لے گیا تو لے گیا۔ چنانچہ میں اپنا آدھا مال لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ کر آئے ہو؟ میں نے عرض کیا اتنا ہی جتنا ساتھ لایا ہوں۔ پھر ابوبکرؓ آئے تو سب کچھ لے کر حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے بھی پوچھا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑا؟ عرض کیا ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول چھوڑ آیا ہوں۔ اس پر میں نے کہا کہ میں کبھی بھی ان پر سبقت نہیں لے جا سکتا۔

اقبال نے اپنی نظم "صدیقؓ" میں جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ رسول کریمؐ نے جنگِ تبوک میں صحابہ کرام سے صدقہ طلب فرمایا تھا۔ چنانچہ اصحاب رسول نے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیا۔ خاص طور پر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ دلی مسرت کے ساتھ اس کارِ خیر میں شریک ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے اپنا نصف مال پیش کیا اس امید پر کہ وہ آج حضرت ابوبکرؓ سے آگے بڑھ جائیں گے لیکن جب حضرت ابوبکرؓ آئے تو انہوں نے اپنا تمام اثاثہ حضور اکرمؐ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے اعتراف کیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ سے سبقت نہیں لے جا سکتے۔ اقبال نے اس نظم کو حضرت صدیقؓ کے فضائل و مناقب سے مزین کیا ہے ہر جگہ ارادت و عقیدت کے جذبات نمایاں ہیں۔ اس نظم کا ہر شعر اخلاص کا مظہر ہے اور یہی اخلاص آخر میں اس شعر پر منتج ہوتا ہے جسے اب ضرب المثل کی حیثیت حاصل ہے۔

❁

والدہ مرحومہ کی یاد میں

(صفحہ ۲۳۸/۲۵۴)

پر تری تصویر قاصد گریۂ پیہم کی ہے
آہ! یہ تردید میری حکمتِ محکم کی ہے

گریۂ سرشار سے بنیادِ جاں پائندہ ہے
درد کے عرفاں سے عقلِ سنگدل شرمندہ ہے

موجِ درد آہ سے آئینہ ہے روشن مرا
گنجِ آب آورد سے معمور ہے دامن مرا

حیرتی ہوں میں تری تصویر کے اعجاز کا
رُخ بدل ڈالا ہے جس نے وقت کی پرواز کا

رفتہ و حاضر کو گویا پا بہ پا اس نے کیا
عہدِ طفلی سے مجھے پھر آشنا اس نے کیا

جب ترے دامن میں پلتی تھی وہ جانِ ناتواں
بات سے اچھی طرح محرم نہ تھی جس کی زباں

اور اب چرچے ہیں جس کی شوخیِ گفتار کے
بے بہا موتی ہیں جس کی چشمِ گوہر بار کے

علم کی سنجیدہ گفتاری، بڑھاپے کا شعور
دنیوی اعزاز کی شوکت، جوانی کا غرور
زندگی کی اوج گاہوں سے اُتر آتے ہیں ہم
صحبتِ مادر میں طفلِ سادہ رہ جاتے ہیں ہم
بے تکلف خندہ زن ہیں، فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں
کس کو اب ہو گا وطن میں آہ ! میرا انتظار؟
کون میرا خط نہ آنے سے رہے گا بیقرار؟
خاکِ مرقد پر تری لے کر یہ فریاد آؤں گا
اب دعائے نیم شب میں کس کو میں یاد آؤں گا
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی
وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سروِ بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر ، وہ بازو مرا
تجھ کو مثلِ طفلکِ بیدست وپا روتا ہے وہ
صبر سے نا آشنا صبح و مسا روتا ہے وہ
تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی
شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی
کہتے ہیں اہلِ جہاں دردِ اجل ہے لا دوا

زخمِ فرقت وقت کے مرہم سے پاتا ہے شفا

دل مگر، غم مرنے والوں کا، جہاں آباد ہے
حلقۂ زنجیر صبح و شام سے آزاد ہے
وقت کے افسوں سے تھمتا نالۂ ماتم نہیں
وقت زخمِ تیغ فرقت کا کوئی مرہم نہیں

سر پہ آ جاتی ہے جب کوئی مصیبت ناگہاں
اشکِ پیہم دیدۂ انساں سے ہوتے ہیں رواں
ربط ہو جاتا ہے دل کو نالہ و فریاد سے
خونِ دل بہتا ہے آنکھوں کی سرشک آباد سے
آدمی تابِ شکیبائی سے گو محروم ہے
اس کی فطرت میں یہ اک احساسِ نامعلوم ہے
جوہرِ انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے، فنا ہوتا نہیں
رختِ ہستی خاک ، غم کی شعلہ افشانی سے ہے
سرد یہ آگ اس لطیف احساس کے پانی سے ہے
آہ! یہ ضبطِ فغاں غفلت کی خاموشی نہیں
آگہی ہے یہ دلاسائی، فراموشی نہیں
دامِ سیمینِ تخیّل ہے مرا آفاق گیر
کر لیا ہے جس سے تیری یاد کو میں نے اسیر
یاد سے تیری دلِ درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں دعاؤں سے فضا معمور ہے
وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات
جلوہ گاہیں اس کی ہیں لاکھوں جہانِ بے ثبات
مختلف ہر منزلِ ہستی کی رسم و راہ ہے

آخرت بھی زندگی کی ایک جولاں گاہ ہے!

ہے وہاں بے حاصلی کشتِ اجل کے واسطے
سازگار آب و ہوا تخمِ عمل کے واسطے
نورِ فطرت ظلمتِ پیکر کا زندانی نہیں
تنگ ایسا حلقۂ افکارِ انسانی نہیں

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فروزاں ہو ترا!
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا!
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے!

ON THE RECEIPT OF MY MOTHER'S PICTURE

Oh that these lips had language ! Life has pass'd
With me but roughly since I heard thee last.
Those lips are thine___thine own sweet smiles I see,
The same that oft in childhood solaced me;
Voice only fails, else, how distinct they say,
"Grieve not, my child, chase all thy fears away!"
The meek intelligence of those dear eyes
(Blest be the art that can immortalize,
The art that baffles time's tyrannic claim
To quench it) here shines on the still the same.

My mother ! when I learn'd that thou wast dead,
Say, wast thou conscious of the tears I shed?
Hover'd thy spirit o'er thy sorrowing son,
Wretch even then, life's journey just begun?
Perhaps thou gav'st me, though unseen, a kiss;
Perhaps a tear, if souls can weep in bliss__
Ah that maternal smile ! it answers__yes.
Short - liv'd possession ! but the record fair
That mem'ry keeps of all thy kindness there,
Still outlives many a storm that has effac'd
A thousand other themes less deeply trac'd.
The mighty visits to my chamber made,
That thou might'st know me safe and warmly laid;
Thy morning bounties ere I left my home,
The biscuit, or confectionary plum;
The fragrant waters on my cheeks bestow'd
By thy own hand, till fresh they shone and glow'd
All this, and more endearing still than all,
Thy constant flow of love, that knew no fall,
Ne'er roughen'd by those cataracts and brakes
That humour interpos'd too often makes;
All this still legible in mem'ry's page.
And still to be so, to my latest age,
Adds joy to duty, makes me glad to pay

Such honours to thee as my numbers may;
Perhaps a frail memorial, but sincere,
Not scorn'd in heav'n though little notic'd here.

Could time, his flight revers'd restore the hours,
When, playing with thy vesture's tissued flow'rs
The violet, the pink, and jessamine,
I prick'd them into paper with a pin,
(And thou wast happier than myself the while,
Would'st softly speak, and stroke my head and smile)
Could those few pleasant hours again appear,
Might one wish bring them, would I wish them here?
I would not trust my heart - the dear delight
Seems so to be desi'rd, perhaps I might-
But no- what here we call our life is such,
So little to be lov'd and thou so much,
That I should ill requite thee to constrain
Thy unbound spirit into bonds again.

My beast is not that I deduce my birth
From lions enthron'd and rulers of the earth;
But higher far my proud preteasions rise-
The son of parents pass'd into the skies.
And now, farewell- time, unrevok'd has run
His wonted course. yet what I wish'd is done.
By contemplation's help, not sought in vain.

I seemt' have liv'd my childhood o'er again;
To have renew'd the joys that once were mine,
Without the sin of violating thine:
And, while the wings of fancy still are free,
And I can view this mimic show of thee,
Time has but half succeeded in his theft--
Thyself remov'd, thy power to sooth me left.

William Cowper

اقبال کی نظم ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' کوپر کی نظم ''والدہ کی تصویر موصول ہونے پر'' (On the Receipt of My Mother's Picture) کی طرف ذہن کو منتقل کرتی ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں کہ اقبال کی نظم کوپر کی نظم سے ماخوذ ہے کیونکہ دونوں نظموں میں اشعار اور بندوں کی ترتیب مختلف ہے۔ اقبال کی نظم جبر اور تقدیر کے فلسفے سے شروع ہوتی ہے۔ دو بندوں کے بعد خیال، فلسفیانہ تعمیمات کی بجائے ذاتی کوائف کی نقش گری کی سمت مڑتا ہے جو اگلے تین بندوں پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد خیال پھر ایک نیا موڑ (transition) لیتا ہے اور نظم کا بڑا حصہ فلسفیانہ توجیہ پر صرف ہوتا ہے۔ اخیر تک پہنچتے پہنچتے خیال پھر ایک نئی شاہراہ پر گامزن ہوتا ہے اور نظم کے خاتمے پر پھر ذاتی رنگ ابھر آتا ہے۔ اس تجزیے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کی نظم میں شخصی اور لاشخصی عناصر آمیز کیے گئے ہیں اور ان میں ایک نوع کی ترتیب کا احساس ہوتا ہے۔ دونوں نظموں کے درمیان نقطۂ امتیاز مشرقی اور مغربی شاعرانہ مزاج کا ہے۔ کوپر کے ہاں خارجیت اور جزئیات نگاری فلسفیانہ نتائج کے مقابلے میں زیادہ اہم اور دلکش ہے۔ اقبال کے ہاں داخلیت کا آب و رنگ اور ایک وسیع تر پس منظر کی طرف اشارہ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ دونوں نظموں میں وجہِ مماثلت یہ ہے کہ دونوں شاعروں نے اپنی ماں کی موت سے پیدا شدہ تاثرات اور زندگی کے بظاہر معمولی واقعات اور یادوں کو انتہائی خلوص اور سوز و گداز کے ساتھ پیش کیا ہے اور دونوں کے ہاں چند تفصیلات بھی مشترک ہیں جن سے اس قیاس کو تقویت پہنچتی ہے کہ ''والدہ مرحومہ کی یاد میں'' کی تخلیق کے وقت ممکن ہے اقبال کے ذہن میں کوپر کی یہ نظم ہو۔

جاوید نامہ

(کلیاتِ اقبال، فارسی، لاہور، ۱۹۹۰ء)

''اشترے یابد اگر افغان حُر
با یراق و ساز و با انبارِ دُر
ہمتِ دونش ازاں انبارِ دُر
می شود خوشنود با زنگِ شتر''
(ص ۱۷۵/۶۴۷)

غزل خوشحال خان خٹک

پښتانہ پہ عقل پوھہ چہ ناقص دی
کوشمہ پسی د قصابانو د جوس دی
(افغان کتنے جاہل، بے وقوف اور نکمے ہیں، یہ بوچڑ خانے کے ذلیل کتے ہیں)
بادشاہی مے د مغل پہ زر و بائلہ
د مغلو منصبونو پہ ھوس دی
(مغل کے سیم وزر کے لیے یہ بادشاہی ہار بیٹھے، مغل کے منصبوں کی ہوس ان کی دامنگیر ہے)
اوس لہ بارہ سرہ کورتہ و راغلے

چہ او لجہ د اوښ دنغارے پہ جرس دی ۔۱

(اموال واسباب سے لدا ہوا اونٹ ان کے گھر آیا، مگر یہ اس کے گلے کی گھنٹی کو مال غنیمت سمجھ کر اس کے لیے آپس میں لڑنے لگے)

اقبال کے یہ اشعار خوشحال خاں خٹک کی اس غزل کے آخری شعر سے ماخوذ ہیں اور ان دو شعروں میں اقبال نے خوشحال خاں خٹک کی طرح، اور غالباً اسی سے تاثر قبول کر کے افغانیوں کے قومی کردار پر روشنی ڈالی ہے ۔

حوالہ کتب

۱۔ دوست محمد خان کامل، خوشحال خاں خٹک، ص ۲۶۱-۲۶۲

بالِ جبریل

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر

مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر!

(ص ۲۰/۳۴۴)

To try to lead wicked men into virtuous ways by the mere use of soft words is as futile as tethering an elephant with the fibre of a young lotus; as futile as the attempt to cut a diamond with a piece of wood, as futile as trying to sweeten the salt sea with a drop of honey.[1]

بالِ جبریل کا شعر پھول کی پتی ۔۔۔ الخ بھرتری ہری کے مندرجہ اشلوک سے ماخوذ ہے۔ اقبال نے اس پورے اشلوک میں سے آخری ٹکڑے کے مفہوم کو اپنے منفرد انداز میں نظم کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اقبال نے اس شعر کو اپنی کتاب کے شروع میں نقل کر کے قارئین ناسخن شناس پر ایک لطیف طنز کی ہے اور اس طرح بھرتری ہری کے الفاظ کو ایک ادبی اور عالمگیر اشاریت کا جامہ پہنا دیا ہے۔

قید خانہ میں معتمد کی فریاد

(ص ۱۰۴/۴۲۸)

اک فغانِ بے شرر سینے میں باقی رہ گئی
سوز بھی رخصت ہوا جاتی رہی تاثیر بھی
مردِ حر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
میں پشیماں ہوں، پشیماں ہے مری تدبیر بھی!
خود بخود زنجیر کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی!
جو مری تیغِ دودم تھی، اب مری زنجیر ہے
شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تقدیر بھی!

مقری لکھتا ہے کہ معتمد نے بیڑیوں کی تکلیف سے تنگ آ کر مندرجہ ذیل شعر کہے۔

تبدلت من عز ظل البنود
بذل الحدید و ثقل القیود
(میں نے جھنڈوں کے سائے کی عزت سے لوہے کی ذلت اور بیڑیوں کا بوجھ بدل لیا ہے۔)

و کان حدیدی سنانا ذلیقا
و عضبا رقیقا صیقل الحدید
(میرا لوہا تیز نیزے اور باریک چمکدار تلوار پر مشتمل تھا)

فقد صار ذاک و ذا ادھما
یعض بساقی اعض الاسود [2]
(اب وہ زنجیر سے مبدل ہو گئے جو میری پنڈلیوں کو شیر کی طرح کاٹتی رہتی ہے)

اقبال کی نظم "قید خانہ میں معتمد کی فریاد" معتمد کے اشعار کی ایک نہایت فنکارانہ بازگشت ہے۔ گو اقبال نے واقعات بجنسہ وہی دہرائے ہیں جن پر معتمد کے اشعار کی بنیاد ہے لیکن اقبال نے ان واقعات کو سادہ اور سپاٹ انداز میں بیان کرنے کے بجائے ان کے تاثر کو شعری اشاریت میں رچا کر پیش کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ معتمد کے اشعار دل پر بڑا اثر کرتے ہیں لیکن اقبال کے ہاں تاثر آفرینی اور حسن کاری، دونوں نمایاں اور

دلکش ہیں۔ اسی کے ساتھ اقبال کے ہاں آخری شعر میں غیر معتدل شوخی بھی نظر آتی ہے جو معتمد کے اشعار میں نہیں۔

❁

عبدالرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت سرزمینِ اندلس میں

(ص۱۰۵/۴۲۹)

میری آنکھوں کا نور ہے تو — میرے دل کا سرور ہے تو
اپنی وادی سے دور ہوں میں — میرے لیے نخلِ طور ہے تو!
مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا — صحرائے عرب کی حور ہے تو!
پردیس میں ناصبور ہوں میں — پردیس میں ناصبور ہے تو

غربت کی ہوا میں بارور ہو
ساقی تیرا نمِ سحر ہو

عالم کا عجب ہے نظارہ — دامانِ نگہ ہے پارہ پارہ
ہمت کو شناوری مبارک — پیدا نہیں بحر کا کنارہ
ہے سوزِ دروں سے زندگانی — اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ
صبحِ غربت میں اور چمکا — ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے
مومن کا مقام ہر کہیں ہے

تبدت لنا وسط　　　تنأت بارض الغرب عن بلد

الرصافة نخلة　　　النخل

(مجھے رصافہ میں ایک کھجور کا درخت جو کھجوروں کے شہر یعنی عرب سے دور سرزمین مغرب میں تھا، دکھائی دیا-)

فقلت شبیھی فی　　　وطول التنائی عن

التغرب و النوی　　　بنی و عن اھلی

(تو میں نے کہا جس طرح میں غریب الوطن اپنے خاندان اور اہل و عیال سے دور ہوں، اسی طرح تو بھی ہے-)

نشات بارض اذت منھا　　　فمثلک فی الاقصاء و

غریبة　　　المنتای مثلی

(تو ایک اجنبی ملک میں اُگا ہے اور جدائی اور دوری میں مجھ ہی جیسا ہے-)

سقتك غوادی المزن فی المنتای الذی

یسح و یستمری السماکین بالوبل [۳]

(تجھ کو صبح کی بدلیاں اس دور دراز مقام میں سیراب کرتی رہیں جہاں سماکین سے موسلا دھار پانی آتا ہے-)

اقبال کی نظم "عبد الرحمٰن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت" عبد الرحمٰن اول کے اشعار کا نہایت آزاد ترجمہ ہے- اس نظم کے پہلے بند میں تو اقبال نے صرف کھجور کے درخت کے بوئے جانے کا واقعہ بیان کیا ہے- گو یہ بیان بھی شاعرانہ اعتبار سے بہت دلکش اور اثر آفریں ہے اور عبد الرحمٰن اول کی نسبت اس کا تاثر زیادہ گہرا ہے، لیکن نظم کا دوسرا بند عبد الرحمن اول کے اشعار پر یقیناً ایک گراں قدر اضافہ ہے اور اس کی اہمیت اس میں ہے کہ اس کے پڑھنے سے ہمیں اقبال کے ذہن اور مرکزی خیالات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے، اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اقبال ایک معمولی واقعے میں بھی حکمت اور بصیرت کے رموز تلاش کر لیتے ہیں-

گدائی

(ص ۱۲۰/۴۴۴)

میکدے میں ایک دن اک رندِ زیرک نے کہا

ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا!

تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے؟

کس کی عریانی نے بخشی ہے اسے زریں قبا؟

اس کے آبِ لالہ گوں کی خونِ دہقاں سے کشید
تیرے میرے کھیت کی مٹی ہے اس کی کیمیا
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے؟ مردِ غریب و بے نوا!
مانگنے والا گدا ہے! صدقہ مانگے یا خراج
کوئی مانے یا نہ مانے میر و سلطاں سب گدا!

آن شنیدستی کہ روزی زیرکی با ابلہی
گفت کین والی شہر ما گدائی بے حیات
گفت چوں باشد گدا آن کز کلاہش تکمۂ
صد چو ما روزہا بل سالہا برگ و نواست
گفت ای ناداں اینکہ غلط ازینجا کردۂ
آں ہمہ برگ و نوا دانی کہ آنجا از کجاست
دُرّ و مروارید طوقش اشکِ اطفالِ من است
لعل و یاقوتِ ستامش خونِ ابنائے شماست
آنکہ تا آبِ سبو پیوستہ از ما خواستت
گر بجوئی تا بمغز استخوانش نان ماست
خواستن گدیہ است خواہش عشر خواں خواہی خراج
زانکہ گر دہ نام باشد یک حقیقت را رواست
چوں گدائی چیز دیگر نیست جز خواہندگی
ہر کہ خواہد چوں سلیمان ست و گر قاروں رواست۔ ۴

اقبال کی نظم ''گدائی'' انوری کے اسی مضمون کے مندرجہ بالا قطعہ سے ماخوذ ہے۔ دونوں نظموں میں مماثلت اس حد تک پائی جاتی ہے کہ پہلا اور آخری شعر نہ صرف مفہوم بلکہ الفاظ کی تکرار کے اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ دونوں نظموں کا مرکزی خیال ایک ہی ہے، اور اگر چہ الفضل للمتقدم کے اعتبار سے انوری کو فوقیت ہے لیکن اقبال رنگین پیرایۂ بیان، پر زور طرزِ انشا، روانی اور دلکشی میں بڑھ گئے ہیں۔

ابوالعلا معری

بالِ جبریل

(ص ۱۶۲/۴۸۶)

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات
اک دوست نے بھونا ہوا تیتر اسے بھیجا
شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے ہو مات
یہ خوانِ تر و تازہ معری نے جو دیکھا
کہنے لگا وہ صاحبِ غفران و لزومات
اے مرغکِ بیچارہ ، ذرا یہ تو بتا تو
تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
افسوس ! صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات !
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات !

بقای انسب

قصه شنیدم که بوالعلا به همه عمر
لحم نخورد و ذوات لحم نیازرد
در مرض موت با اجازهٔ دستور
خادم او جوجه ها به محضر او برد
خواجه چو آن طیر کشته دید برابر
اشک تحسر ز هر دو دیده بیفشرد

گفت چرا ماکیاں شدی نشدی شیر
تا نتواند کست بہ خون کشد و خورد
مرگ برائے ضعیف امر طبیعت
ہر قوی اول ضعیف گشت و سپس مرد ۵

اقبال کی نظم ابوالعلامعری، ایرج مرزا کے قطعہ بقای انسب سے کس درجہ مماثلت رکھتی ہے! دونوں کا مرکزی خیال ایک ہے۔ اقبال نے تیتر کے شاہین نہ بننے پر افسوس کیا ہے جبکہ ایرج نے ماکیاں کو شیر بننے کی تلقین کی ہے، لیکن انجام دونوں کے ہاں یکساں ہے کہ جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات کے سوا کچھ اور نہیں۔ عجب نہیں کہ اقبال نے ابوالعلامعری پر یہ اشعار ایرج مرزا کے قطعے سے متاثر ہو کر کہے ہوں۔

حوالہ کتب

J.M.Kennedy,The Satakas or Wise Sayings of Bhartrihari, -۱
p.56,verse no,6.

۲- مقری، نفع الطیب، ج ۲ صفحہ ۵۷۰، مطبع بریل

۳- مقری۔ نفع الطیب، ج ۲، صفحہ ۳۷، مطبع بریل

۴- کلیات انوری، صفحہ ۲۶۳-۲۶۴، مطبوعہ نول کشور، لکھنو

۵- ایرج مرزا، چاپ خانہ بازرگانی، اسفند ماہ ۱۳۴۲ تہران، ص ۱۶۸

ضرب کلیم

(کلیاتِ اقبال، اردو، لاہور، ۱۹۹۰ء)

علم و عشق

(ص ۳۲/۵۳۲)

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن!
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن!
بندۂ تخمین و ظن! کرمِ کتابی نہ بن!
عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب!

عشق کی گرمی سے ہے معرکۂ کائنات!
علم مقامِ صفات، عشق تماشائے ذات!
عشق سکون و ثبات، عشق حیات و ممات!
علم ہے پیدا سوال، عشق ہے پنہاں جواب!

عشق کے ہیں معجزات، سلطنت و فقر و دیں!
عشق کے ادنیٰ غلام صاحبِ تاج و نگیں!
عشق مکان و مکیں! عشق زمان و زمیں!
عشق سراپا یقیں، اور یقیں فتحِ باب!

شرعِ محبت میں ہے عشرتِ منزل حرام!
شورشِ طوفاں حلال، لذتِ ساحل حرام!
عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام!
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب!

باب اوّل در مقالاتِ علم و عشق

عقل گفت : من سبب کمالاتم
عشق گفت : من نہ در بندِ خیالاتم
عقل گفت : من صرف نقرۂ خصالم
عشق گفت : من محرمِ حرم و صالم
عقل گفت : من دیرِ مکتب تعلیم

عشق گفت : من عبیر نامۂ تسلیم؟
عقل گفت : مرا ظریفانند بردپوش
عشق گفت : مرا حریفانند درد نوش
عقل گفت : من سکندر آگاہم
عشق گفت : من قلندر درگاہم؟
عقل گفت : من فتویٰ بہ کار دارم
عشق گفت : من بدعویٰ چہ کار دارم
عقل گفت : من آئینۂ مشورت ہر باغم
عشق گفت : من از سود و زیاں مارغم؟
عقل گفت : من رقیب انسانم
عشق گفت : من نقیب احسانم
عقل گفت : من کشائیدۂ در فہم
عشق گفت : من ز دائیدۂ زنگ وہم؟

علم وعشق یا عقل وعشق کا مکالمہ اقبال کے ہاں بڑی اہمیت کا حامل ہے جس کا ان کے فلسفۂ زندگی سے گہرا تعلق ہے- فارسی ادبیات میں ''پیرِ انصار'' کے ہاں یہی مکالمہ اس طرح ملا گویا وہی اقبال کا مصدر الہام ہے- صاف پتہ چلتا ہے کہ اقبال نے نہ صرف پیرِ انصار کے طرزِ استدلال سے بلکہ ان کے اندازِ بیان سے بھی گہرا تاثر قبول کیا ہے، خصوصاً ضربِ کلیم میں ''علم وعشق'' کے عنوان سے جو نظم ہے، وہ پیرِ انصار ہی کے معانی وہیئتِ مکالمہ کا پرتو معلوم ہوتی ہے-

''پیرِ انصار'' کا پورا نام شیخ ابواسمٰعیل عبداللہ انصاری ہروی ہے- ہرات میں ۴ مئی ۱۰۰۶ء کو پیدا ہوئے اور ۱۰۸۸ء میں وفات پائی- ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ سے ملتا ہے- ''مناجات'' کے لیے خاص طور پر مشہور ہیں- مسجع ومقفّیٰ نثر اور غزلیں اور رباعیات بھی ان سے یادگار ہیں- پیرِ انصار کے ہاں تصوف اور اخلاق کا امتزاج خوب ہے-[1]

حوالہ کتب

۱۔ اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۳ء

باب دہم

تلمیحات واشارات کی روشنی میں اقبال کے رجحانات پر ایک نظر

اقبال کی شاعری ایک پیغام ہے- یہ پیغام جمود وتعطل کا نہیں، حرکت وعمل کا ہے- اقبال نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں، جس فضا میں پرورش پائی اور جن حالات سے دوچار ہوئے، وہ کچھ ایسے تھے جن میں عجمی تصورات اور غیر اسلامی اقدار کی کارفرمائی تھی- اقبال نے یہ محسوس کیا کہ اگر مسلم قوم کو دنیا میں سربلند ہو کر رہنا ہے تو اسے اسلامی اقدار کو اپنانا ہوگا کیونکہ اسلامی اقدار بذات خود انقلاب آفرین ہیں- اقبال کا اس پر ایمان تھا کہ مسلمان اور صرف مسلمان ہی دنیا کی امامت کے لیے پیدا ہوا ہے، اور یہ امامت اسی صورت میں ممکن ہے جب وہ خود اسلامی زندگی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالے- اقبال نے، اس نصب العین کو اپنانے میں جو رکاوٹیں تھیں، ان کو اپنی شاعری کے زور سے دور کرنے کی کوشش کی اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے- اقبال کے نزدیک وہ رکاوٹیں اپنی روایات سے بیگانگی اور عجمی تصورات میں محصور ہونا تھا- حالات یہ تھے کہ برصغیر پاک وہند کا مسلمان کئی سو برس سے ذہنی اور علمی حیثیت سے پست ہو چکا تھا اور انگریز کی غلامی نے اس کے اندر جو صلاحیتیں باقی تھیں، انہیں بھی ختم کر دیا تھا- جنگِ آزادی کے بعد ہی سے چند حساس مسلمان رہنماؤں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ زندگی کی تگ ودو میں مسلمان کو متمدن ترین قوموں کی سطح پر لا کر کھڑا کیا جائے، لیکن وہ رہنما خود اس حکمران تمدن سے مرعوب تھے- ہماری قوم کو دو قسم کے رہنما ملے- ایک تو وہ تھے جو قوم کی نجات اس میں دیکھتے تھے کہ مسلمانوں کو مذہب کی طرف (جو ایک جامد مذہبیت میں منتقل ہو چکا تھا) لے آئیں اور دوسرے رہنما وہ تھے جو حکمران تمدن کی ملمع سازی سے مرعوب ہو کر اس کی اندھادھند نقالی کی دعوت دیتے تھے- اسلام کا صحیح نصب العین دونوں رہنماؤں کی نظروں سے اوجھل تھا- پہلی قسم کے رہنما ٹوٹی ہوئی کشتی پر ساحل تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے، دوسری قسم کے رہنما کعبہ کے بجائے ترکستان کی طرف جا رہے تھے، ان حالات میں اقبال کا ظہور ہوا- اقبال نے نہ تو مغربی ذہنیت رکھنے والے رہنماؤں کی طرح دین کی طرف سے بے توجہی برتی اور نہ ہی ان لوگوں کا ساتھ دیا جو ہر نئی چیز کی مخالفت پر کمربستہ رہتے تھے- اقبال نے دین کا حرکی تصور لے کر اور دین

کی غیر متبدل اقدار اور تصورات کو بنیاد مان کر ہر معاصر تمدن کے صالح اجزا کو اس میں سمونے کی کوشش کی تا کہ برصغیر پاک و ہند کا مسلمان اپنے دین کے بنیادی تصورات پر قائم رہتے ہوئے اور زمانے کے جدید تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھ کر دنیا کی امامت کی اہلیت اپنے اندر پیدا کر سکے۔

اقبال کے پیغام کو اگر ہم اختصار کے ساتھ بیان کرنا چاہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسلام اور قرآن کی طرف پھر رجوع کرنے کی دعوت ہے۔مولوی اور فقیہ نے دین کے تصور کو نہایت محدود اور مسخ کر دیا تھا۔ ان کے نزدیک دین چند عجمی عقائد اور چند رسموں کے مجموعے کا نام رہ گیا تھا جس کے اندر نائب حق بننے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔ اقبال نے ان تمام پردوں کو جو امتداد زمانہ کے باعث قرآن اور اسلام پر پڑ چکے تھے، چاک کر کے قرآن اور اسلام کو اس روشنی میں دیکھا جس سے ان کا اصلی مفہوم متعین ہو سکتا ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ انسان اور خدا کا صحیح مقام کیا ہے اور انسان اپنا حقیقی مقام کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ اقبال کی رائے میں اس کا حصول خودی کے ذریعے ممکن ہے۔ ان کے نزدیک صاحب خودی، زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہے۔جس شخص کی خودی کمال کے درجے کو پہنچ جاتی ہے، وہ تسخیر فطرت کر لیتا ہے اور جب فطرت پر اس کا تصرف ہو جاتا ہے تو وہ کائنات کی تمام اشیاء پر قابض و متصرف ہو کر نائب حق بن جاتا ہے۔اقبال نے انسان کا منصب جلیل یہ متعین کیا ہے کہ وہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہو۔خودی سے اقبال کی مراد احکام خداوندی کی بجا آوری معلوم ہوتی ہے۔

اقبال کو جہاں کہیں اس منصب جلیل کی تائید جزوی یا کلی طور پر ملی ہے، اسے قبول کر لیا ہے۔ مثلاً جب وہ اٹلی کے آمر مطلق مسولینی پر نظم لکھتے ہیں تو اس سے غرض مسولینی کے عقائد یا اس کی حکمت عملی کی تعریف نہیں بلکہ اس کی ندرت فکر و عمل کو اجاگر کرنا ہے اور چونکہ ندرت فکر و عمل ایک اسلامی قدر ہے، اس لیے اقبال کو اس میں ایک اسلامی قدر کا احیا نظر آتا ہے۔ اسی لیے وہ مسولینی کی زندگی کے اس پہلو کو سراہتے ہوئے نظر آتے ہیں ----- اور جب یہی مسولینی ابی سینیا پر حملہ کرتا ہے تو اقبال اس کی نہایت شد و مد سے مذمت کرتے ہیں ---- گویا تعریف مسولینی کی نہیں بلکہ اس کے حسن عمل کی ہے۔ اسی طرح ابتدا میں اقبال کو مصطفیٰ کمال سے بڑی عقیدت تھی؛ چنانچہ انہوں نے مصطفیٰ کمال کی فتوحات سے متاثر ہو کر اپنی غیر فانی نظم ''طلوع اسلام'' قوم کے سامنے پیش کی۔ گویا انہیں اسلام اور اسلامی اقدار کا احیا مصطفیٰ کمال کی ذات میں معلوم ہوتا تھا -- لیکن جب یہی مصطفیٰ کمال فرنگی افکار اور تہذیب و تمدن سے مرعوب ہو کر، ترکی کو مغربیت سے قریب تر لا کر، اصلاح کا بیڑا اٹھاتا ہے تو اقبال زوردار الفاظ میں اس کی تردید کرتے ہیں --- ان کے نزدیک مصطفیٰ کمال کی اس اصلاح سے اسلام کو نقصان پہنچ رہا تھا --- اسی طرح اگر ہم اورنگ زیب اور اکبر کو لیں تو اقبال کے نقطۂ نظر کی اور زیادہ وضاحت ہو جاتی ہے۔ ادھر اورنگ زیب پر وہ ایک معرکۃ الآرا نظم لکھتے ہیں تو دوسری طرف وہ شہنشاہ

اکبر اور دارا کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہیں - کیوں؟ اس لیے کہ اورنگ زیب ان کے خیال میں اسلامی روایات، اسلامی تہذیب وتمدن اور اسلامی اقدار کو زندہ کر رہا تھا، اور اکبر اور دارا سرزمینِ پاک وہند میں الحاد کا بیج بو رہے تھے - اسی طرح وہ اطالیہ کے مشہور سیاست دان اور ادیب میکیاولی اور یونان کے مشہور ترین فلسفی افلاطون کی مذمت کرتے ہیں کیونکہ میکیاولی نے اپنی تصنیف "کتاب الملوک" میں مذہب کو سیاست سے ایک الگ چیز قرار دیا ہے، اور اسلامی نقطۂ نظر سے سیاست کو مذہب سے الگ نہیں کیا جا سکتا - افلاطون کے فلسفے سے جدوجہد، تگ ودو اور عمل کے فلسفے کو ضعف پہنچتا ہے، اس لیے وہ افلاطون کے اس نظریے کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں کیونکہ عمل کو اسلامی زندگی میں بڑی اہمیت حاصل ہے - دنیا کی جس شخصیت کو اقبال نے سراہا ہے یا جس کی مذمت کی ہے، ہر جگہ ایک ہی نقطۂ نظر کارفرما نظر آتا ہے، اور وہ ہے اسلامی اقدار کا احیا - اگر وہ دنیا کی بڑی بڑی تحریکوں سے متاثر ہوتے ہیں، تو اس لیے کہ وہ چاہتے ہیں کہ دنیائے اسلام میں بھی اسی طرح کا انقلاب رونما ہو جو فاسد مادے کو ختم اور صالح عناصر کو پیدا کرے، جس طرح انقلابات کی بدولت دوسرے ممالک میں ہوتا رہا ہے -

اقبال کے ہاں شرق ومغرب کے چوٹی کے حکما کا ذکر ملتا ہے - مغربی حکما کی عقلیت انہیں پسند آتی ہے اور وہ اس کو قبول کر لیتے ہیں - کسی کے ہاں انہیں اصول ارتقاء ملتا ہے اور کسی کے ہاں اشیاء کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی دعوت ---- وہ دعوت جس سے دینِ فطرت کو بھی عقل کی کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے - اقبال چونکہ اسلام کو ایک ابدی مذہب مانتے ہیں، اس لیے ان کے نزدیک اس میں وہ صفات ہونی چاہئیں جنہیں ہم عقلی طور پر دنیا کے سامنے پیش کر کے تسلیم کرا سکیں - دوسری طرف وہ مشرقی حکما کا اتباع کرتے ہوئے نظر آتے ہیں - اتباع اس لحاظ سے کہ انہیں ان کے ہاں بعض اسلامی اقدار کی توضیح وتشریح مل جاتی ہے جس میں کچھ اور اضافے کے ساتھ عہدِ جدید کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکتا ہے اور اس طرح موجودہ زمانے کے اس ذہن کو مطمئن کیا جا سکتا ہے جو ہر وقت تشکیک کا شکار رہتا ہے -

اقبال کا نقطۂ نظر حکیمانہ کے بجائے "عارفانہ اور صوفیانہ" معلوم ہوتا ہے، اسی لیے آیات واحادیث زیادہ تر وہ ہیں جو صوفیہ کے ہاں، بالخصوص مولانا روم کے ہاں ملتی ہیں - قرآن اور احادیث کی تلمیحات اگر بیک وقت رومی اور اقبال، دونوں کی سامنے رہیں تو یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ اقبال نے قرآن اور حدیث سے وہی کچھ لیا ہے جو خود رومی نے پسند کیا ہے - گویا اقبال نے تقریباً انہی آیات اور احادیث کا انتخاب کیا ہے جو رومیؒ کے ہاں ملتی ہیں - اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآن اور حدیث کا مطالعہ رومی کے توسط سے بھی کیا ہے - نہ صرف قرآن اور حدیث کے بارے میں یہ بات کہی جا سکتی ہے بلکہ اکثر اقوال کے بارے میں بھی جن کا ماخذ صوفیہ کے ہاں بتایا

گیا ہے، ان کی بابت بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بھی رومی کے ہاں سے لیے گئے ہیں - مثلاً لا موجود لاّ اللہ وغیرہ وغیرہ - جو مقولہ اقبال نے امام شافعیؒ کا بتایا ہے یعنی الوقت سیف ، وہ بھی ہمیں رومی کے ہاں مل جاتا ہے - یہی نہیں بلکہ اسلامی تاریخ کے واقعات بھی جو اقبال نے اپنے ہاں پیش کیے ہیں، وہ بھی زیادہ تر ہمیں رومی کے ہاں مل جاتے ہیں - مثلاً اقبال نے اسرارِ خودی میں حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ اس طرح بیان کیا ہے:

خود فرود آ از شتر مثلِ عمرؓ
الحذر از منّتِ غیر الحذر -۳

(اسرارِ خودی، کلیاتِ فارسی، ص ۲۶/۴۲) یہ واقعہ ہمیں رومی کے ہاں اس طرح ملتا ہے -

تازیانہ از کفش افتاد راست
خود فرود آمد ز کس آں را نخواست

(دفتر ششم، ص ۴۰۶، مثنوی رومی)

رومی نے مذکورہ بالا شعر میں ایک صحابی کا واقعہ بیان کیا ہے جسے اقبال نے حضرت عمرؓ کے حوالے سے نظم کیا ہے - یہ امور ہمارے اس موقف کی تائید کرتے ہیں کہ اقبال نے قرآن و حدیث کے مطالعے میں مولانا رومی سے بھی رہنمائی لی ہے اور انہیں اپنا خضرِ راہ بنایا ہے - اس کی وضاحت مندرجہ ذیل مثالوں سے ہو سکتی ہے - پہلے چند شعر تلمیحاتِ قرآن کے سلسلے میں پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) گفت قاضی فی القصاص آمد حیٰوۃ
زندگی گیرد بایں قانوں ثبات

(رموزِ بیخودی، کلیات، فارسی، ص ۱۰۳/۱۱۹)

گر نفر مودے قصاصے بر جنات
خود نہ گفتے فی القصاص آمد حیات

(دفتر اول ص ۳۹۳، مثنوی رومی)

اقبال کے پہلے اور رومی کے دوسرے مصرع میں الفاظ کی تکرار قابلِ توجہ ہے -

(۲) قصہ دار و رسن بازیِ طفلانۂ دل
التجائے اَرِنی سرخیِ افسانۂ دل

(بانگِ درا، کلیات اردو، ص ۷۷/۹۳)

جملہ کہیا در دعا افراختہ
نعرۂ ارنی بہم در ساختہ
(دفترِ ششم ص۲۴۰، مثنوی رومی)

اقبال کے مصرع ثانی کی تلمیح رومی کے مصرع ثانی میں موجود ہے۔

(۳) ''کشتیِ مسکین'' و ''جانِ پاک'' و ''دیوارِ یتیم''
علمِ موسیٰ بھی ہے تیرے سامنے حیرت فروش
(بانگِ درا، کلیات، اردو، ص ۲۶۸/۲۸۴)

چوں مناسبہائے افعالِ خضر
عقلِ موسیٰ بود در دیدش کدر
(دفتر دوم، ص ۳۰۷، مثنوی رومی)

اقبال کا قرآنی اشارہ رومی کے مندرجہ بالا شعر میں مل جاتا ہے۔

(۴) قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را ناموس و نام و ننگ دہ
(اسرارِ خودی، کلیات، فارسی، ص ۶۰/۷۶)

صبغۃ اللہ نام آں رنگِ لطیف
لعنۃ اللہ بوی ایں رنگِ کثیف
(دفتر اول، ص ۱۰۵، مثنوی رومی)

یہاں نہ صرف قرآنی تلمیح مشترک ہے بلکہ لفظ 'رنگ' بھی اقبال اور رومی، دونوں کے ہاں موجود ہے۔

(۵) در کفِ مسلم مثالِ خنجر است
قاتلِ فحشا و بغی و منکر است
(اسرارِ خودی، کلیاتِ فارسی، ص ۴۳/۵۹)

جوشش و افزوئیِ زر در زکوٰۃ

عصمت از فحشا و منکر در صلوٰۃ

(دفتر ششم، ص۳۴۱، مثنوی رومی)

اقبال کی قرآنی تلمیح نماز کی طرف ہے۔ رومی کے شعر میں لفظ صلوٰۃ پہلے ہی سے موجود ہے۔

(۶) مرگ را ساماں ز قطعِ آرزوست
زندگانی محکم از لا تقنطو است

(رموزِ بیخودی، کلیات، فارسی، ص۱۰۷/۹۱)

ورکشد در پیں آں زنہار تو
وردِ خود کن دمبدم لا تقنطوا!

(دفتر ششم، ص۱۹۳، مثنوی رومی)

لاتقنطو! دونوں شعروں میں موجود ہے۔

(۷) در گزر مثلِ کلیم از رودِ نیل
سوئے آتش گام زن مثلِ خلیل

(جاوید نامہ، کلیات، فارسی، ص۸۴/۵۵۶)

من نیم فرعون کایم سوئے نیل
سوئے آتش میروم ہمچوں خلیل

(دفتر پنجم، ص۵۵، مثنوی رومی)

اقبال کے ہاں شعر کے پہلے اور دوسرے مصرع میں جن قرآنی واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ رومی کے ہاں بھی مذکور ہیں۔ نہ صرف تلمیح مشترک ہے بلکہ اقبال اور رومی کے ہاں آخری الفاظ بھی وہی ہیں۔

(۸) بندۂ مومن امیں، حق مالک است
غیر حق ہر شے کہ بینی ہالک است

(جاوید نامہ، کلیاتِ فارسی، ص۸۱/۵۵۳)

می نماند در جہاں یک تارِ مو
کلی شی ھالک الا وجھہ

(دفتر چہارم، ص۲۷۶، مثنوی رومی)

اقبال نے مصرع ثانی میں جس قرآنی تلمیح کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ رومی کے مصرع ثانی میں موجود ہے
۔

(۹) مدعا پیدا نہ گردد زیں دو بیت
تا نہ بینی از مقامِ ''ما رمیت''

(جاوید نامہ، کلیات، فارسی، ص۱۳۰/۶۰۲)

ما رمیت از رمیت راست داں
ہر چہ دارد جاں بود از جانجاں

(دفتر دوم، ص۲۴۲، مثنوی رومی)

اقبال کے ''مارمیت'' کا ماخذ رومی کے مصرع اولیٰ میں موجود ہے۔

(۱۰) ہر دو را ذوق ستم گردد فزوں
وردِ من یا لیت قومی یعلموں

(جاوید نامہ، کلیات، فارسی، ص۱۴۴/۶۱۶)

گفت ہر برگ و شگوفہ آن غصوں
دمبدم یا لیت قومی یعلمون

(دفتر سوم، ص۱۹۹، مثنوی رومی)

دونوں شعروں کے مصرع ثانی کے آخری الفاظ کی تکرار قابلِ غور ہے۔

(۱۱) آب و نانِ ماست از یک مائدہ
دودۂ آدم ''کنفس واحدہ''

(جاوید نامہ، کلیات، فارسی، ص۸۲/۵۵۴)

روح انسانی کنفس واحدست
روحِ حیوانی سفالے جامدست

(دفتر دوم، ۳۲، مثنوی رومی)

اقبال اور رومی کے ہاں نفسِ واحد کی تلمیح مشترک ہے۔

(۱۲) حکمِ حق ہے لیس لِلانسانِ الا ما سعیٰ
کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

(بانگِ درا، کلیات اردو، ص ۳۰۸/۳۲۴)

چوں نکرد آں کار مزدش ہست لا
لیس لِلانسان الا ما سعیٰ

(دفتر چہارم، ص ۲۴۵، مثنوی رومی)

دونوں شعروں میں ایک ہی بات دہرائی گئی ہے۔

(۱۳) از شریعت احسن التقویم شو
وارثِ ایمانِ ابراہیم شو

(پس چہ باید کرد، کلیات، فارسی، ص ۲۶/۸۰۲)

احسن التقویم از عرشش فزوں
احسن التقویم از فکرت بروں

(دفتر ششم، ۱۱۱، مثنوی رومی)

اقبال کے احسن التقویم کا ماخذ رومی کے ہاں موجود ہے۔

(۱۴) چوں کلیمے سوئے فرعونے رود
قلبِ او از لاتخف محکم شود

(رموزِ بیخودی، کلیات، فارسی، ص ۹۲/۱۰۸)

نے ز دریا ترس و نے از موج وکف

چوں شنیدی تو خطاب لا تخف

(دفتر سوم،ص ۵۸،مثنوی رومی)

دونوں شعروں کا نہ صرف ماخذ ایک ہے بلکہ بات بھی ایک ہی کہی گئی ہے۔

(۱۵) جوئے اشک از چشم بیخوابش چکید
تا پیامِ طہٰ ابتی شنید

(رموزِ بیخودی،کلیات،فارسی،ص ۹۷/۱۱۳)

طہٰ ابتی بیانِ پاکیست
گنج نور است ار طلسمش خاکیست

(دفتر اول،ص ۴۷،مثنوی رومی)

پیام اور بیان کے ساتھ طہٰ ابتی کی تکرار اقبال اور رومی، دونوں کے ہاں موجود ہے۔

(۱۶) علم اسما اعتبارِ آدم است
حکمتِ اشیا حصارِ آدم است

(رموزِ بیخودی،کلیات،فارسی،ص ۱۳۷/۱۵۳)

بو البشر کو علّم الاسما بگ ست
صد ہزاراں علمش اندر ہر رگست

(دفتر اول،ص ۱۴۹،مثنوی رومی)

اقبال اور رومی کے ہاں ایک ہی بات کہی گئی ہے۔

(۱۷) چوں ز بندِ آفل ابراہیم رست
درمیانِ شعلہ ہا نیکو نشست

(اسرارِ خودی،کلیات،فارسی،ص ۶۵/۸۱)

اندرین وادی مرو بے این دلیل
لا احب الآفلین گو چوں خلیل

(دفتر اول، ص ۷۴، مثنوی رومی)

اقبال کے شعر کا ماخذ رومی کے شعر میں مل جاتا ہے۔

(۱۸) پنجۂ او پنجۂ حق می شود
ماہ از انگشتِ او شق می شود

(اسرارِ خودی، کلیات، فارسی، ص ۴۴/۲۸)

گر ترا اشکال آید در نظر
پس تو شک داری در انشق القمر

(دفتر اول، ص ۱۳۵، مثنوی رومی)

اقبال نے مصرع ثانی میں معجزۂ شق القمر کی طرف اشارہ کیا ہے جو رومی کے ہاں موجود ہے۔

(۱۹) خرقۂ آں ''برزخ لایبغیان''
دیدمش در حلقۂ ''ل خرقان''

(مسافر، کلیاتِ فارسی، ص ۷۴۳/۶۷)

بحرِ تلخ و بحرِ شیریں ہمعناں
درمیاں شاں برزخ لا یبغیاں

(دفتر اول، ص ۶۱، مثنوی رومی)

اقبال کی قرآنی ترکیب ''لایبغیان'' رومی کے ہاں موجود ہے۔

(۲۰) رازہا با مردِ مومن باز گوے
شرح رمزِ ''کل یوم'' باز گوے

(جاوید نامہ، کلیات، فارسی، ص ۵۵۰/۷۸)

بہر ایں فرمودہ رحمٰن اے پسر
کل یوم ھو فی شان اے پسر

(دفتر اول، ص ۲۰۲، مثنوی رومی)

اقبال کی قرآنی ترکیب "کل یوم" رومی کے مصرع ثانی میں مل جاتی ہے۔

یہ تو تھے چند شعر رومی کے، اقبال کی قرآنی تلمیحات کے سلسلے میں۔ اب رومی کے چند شعر اقبال کی تلمیحاتِ حدیث کے لیے ملاحظہ ہوں:

(۱) تا کجا در روز و شب باشی اسیر
رمز وقت از لی مع اللہ یاد گیر
(اسرار خودی، کلیاتِ فارسی، ص۶۹/۸۵)

لی مع اللہ وقت بود آندم مرا
لا یسع فیہ نبی مجتبیٰ
(دفتر چہارم، ص۲۵۳، مثنوی رومی)

اقبال کی تلمیح رومی کے ہاں موجود ہے۔

(۲) گفت مش "بگذر ز آئینِ فراق
ابغض الاشیاء عندی الطلاق"
(جاوید نامہ، کلیاتِ فارسی، ص۱۳۶/۶۰۸)

تا توانی پا منہ اندر فراق
کابغض الاشیاء عندی الطلاق
(دفتر دوم، ص۱۷۳، مثنوی رومی)

اقبال کے مصرع ثانی کی تلمیح رومی کے ہاں مل جاتی ہے۔ رومی اور اقبال کے مصرع اولی کے آخری الفاظ قابل غور ہیں۔

(۳) آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست
چشم او ینظر بنور اللہ نیست
(پس چہ باید کرد، کلیاتِ فارسی، ص۲۵/۸۰۱)

وانکہ او بنگرد بنور اللہ بود
ہم ز مرغ و ہم ز مو آگہ شود

(دفتر ششم، ص ۱۲۴، مثنوی رومی)

اقبال کا مصرع ثانی اور رومی کا مصرع اولیٰ کتنا ملتا جلتا ہے۔

(۴) گفت با امت ز دنیائے شما
دوست دارم طاعت و طیب و نسا

(رموزِ بے خودی، کلیاتِ فارسی، ص ۱۰۷/۱۲۳)

مہر ایں بو گفت احمد در عظات
دائما قرۃ عینی فی الصلوٰۃ

(دفتر دوم، ص ۳۰۵، مثنوی رومی)

اقبال نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ رومی کے ہاں موجود ہے۔

(۵) آب و گل تیری حرارت سے جہانِ سوز و ساز
ابلہِ جنت تری تعلیم سے دانائے کار

(ارمغانِ حجاز، کلیاتِ اردو، ص ۱۴/۷۰۶)

بیشتر اصحابِ جنت ابلہ اند
تا ز شرِ فیلسوفی می رہند

(دفتر ششم، ص ۲۳۴، مثنوی رومی)

اقبال نے ابلہِ جنت کی ترکیب استعمال کر کے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ رومی کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

(۶) آنکہ خاشاکِ بتاں از کعبہ رفت
مردِ کاسب را حبیب اللہ گفت

(اسرارِ خودی، کلیات، فارسی، ص ۲۷/۴۳)

رمزِ الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در سبب کاہل مشو
(دفتر اول، ص ۱۱۹، مثنوی رومی)

اقبال نے الکاسب حبیب اللہ کو حدیث لکھا ہے اگر چہ یہ حدیث نہیں ہے۔ اس کا ماخذ بھی رومی کے ہاں مل جاتا ہے۔

اقبال نے اسرارِ خودی میں ایک حکایت کا عنوان الوقت سیف قائم کیا ہے۔ اس حکایت میں ایک شعر یہ بھی ہے۔

فکرِ او کوکب ز گردوں چیدہ است
سیفِ بر ان وقت را نامیدہ است
(اسرارِ خودی، کلیات، فارسی، ص ۶۸/۸۴)

اس شعر کے ضمن میں اقبال نے الوقت سیف کو حضرت امام شافعی کا مقولہ بتایا ہے۔ اس سے تو انکار نہیں کہ یہ مقولہ حضرت امام شافعیؒ ہی کا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ مقولہ اقبال کو ملا کہاں سے۔ میرے خیال میں اقبال نے یہ بھی امام شافعیؒ کے ہاں سے نہیں، رومی کے ہاں سے لیا ہے؛ چنانچہ رومی فرماتے ہیں

قال اطعمنی فانّی جائعٌ
فاعتجل فالوقت سیف قاطعٌ
(دفتر اول، ص ۴۵، مثنوی رومی)

اقبال کی تلمیحات قرآن اور حدیث کے سلسلے میں رومی کے چند شعر اس لیے نقل کیے گئے کہ اقبال اور رومی کے تقابلی مطالعے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچ سکیں کہ اقبال کے ہاں قرآن اور حدیث کے ماخذات تقریباً وہی ہیں جو رومی نے اپنی زندۂ جاوید مثنوی میں پیش کیے ہیں جس کو ''ہست قرآں در زبان پہلوی'' کہا گیا ہے۔ اس لیے یہ کہنا حقیقت سے دور نہیں کہ اقبال نے قرآن اور حدیث کا مطالعہ رومی ہی کی روشنی میں کیا ہے اور یہ کوئی عیب کی بات نہیں، دنیا میں چراغ سے چراغ جلتا آیا ہے، اور خود اقبال نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

اقبال نے جن فارسی شعرا کے اشعار یا مصرعے اپنے کلام میں لیے ہیں، وہ بھی زیادہ تر صوفی شعرا ہی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اقبال صوفی شعرا سے بہت متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان صوفیہ کے اشعار کثرت سے نقل کرتے ہیں۔ البتہ یہاں ایک چیز قابل غور ہے اور وہ یہ کہ اقبال نے ان صوفی شعرا کو نہیں لیا جن کے ہاں نفی

خودی کا رجحان ملتا ہے، اقبال نے تو سروکار صرف انھی سے رکھا ہے جن کے ہاں اثباتِ خودی پر زور ہے- مثلاً سنائی، عطار، رومی وغیرہم- صوفیہ کے سلسلے میں ایک بات اور بھی قابل توجہ ہے، اور وہ یہ کہ اقبال شہنشاہوں سے اتنے متاثر نہیں جتنے صوفیہ سے ہیں- ان کے کلام کا سرسری مطالعہ بھی یہ بات واضح کر دیتا ہے کہ جس والہانہ انداز سے وہ صوفیہ مثلاً حضرت علی ہجویریؒ، حضرت معین الدین اجمیریؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ وغیرہم کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں، وہ ہمیں تاریخِ عالم کے شہنشاہوں کے ساتھ نہیں ملتی- گویا اقبال کے نزدیک اسلامی اقدار کا احیا یا خود اسلام کی تبلیغ کا سہرا صوفیہ کے سر ہے نہ کہ شہنشاہوں کے سر! اور اگر کسی شہنشاہ کو خراجِ عقیدت بھی پیش کیا ہے تو صرف اس کو جس میں شانِ فقر بھی موجود تھی!-

انگریزی ادب میں علامہ کا مطالعہ، وسیع معلوم ہوتا ہے- بعض جگہ تو اقبال نے انگریزی شعرا کا حوالہ دے دیا ہے اور بعض جگہ ان کا حوالہ نہیں دیا- لیکن ان کے اشعار اور نظمیں اس کی شاہد ہیں کہ ان کے ہاں انگریزی شعرا کا اثر خاصا گہرا ہے- مثلاً جب وہ اپنے شفیق استاد داغ کا مرثیہ لکھتے ہیں تو اسے پڑھ کر ہمارا ذہن اس مرثیے کی طرف منتقل ہوتا ہے جو میتھیو آرنلڈ نے ورڈزورتھ کی وفات پر لکھا تھا- دونوں کا انداز بہت ملتا جلتا ہے- اس سے یہ قیاس کرنا صحیح ہوگا کہ اقبال نے داغ کا مرثیہ لکھنے سے قبل یہ مرثیہ ضرور دیکھا ہوگا- ادھر جب وہ اپنی والدہ کی یاد میں مرثیہ لکھتے ہیں تو ہمیں فوراً کوپر کی وہ معرکۃ الآرا نظم یاد آتی ہے جو اس نے اپنی والدہ کی تصویر موصول ہونے پر قلم بند کی تھی- دونوں نظموں میں ایک ایسا رجحان ملتا ہے جس سے ہمارے اس قیاس کو تقویت پہنچتی ہے کہ اقبال نے ضرور کوپر کی وہ نظم پڑھی ہوگی- اقبال نے بچوں کے لیے جو نظمیں کہی ہیں اور جن پر ماخوذ لکھا ہے، وہ بیشتر شاعرات کی ہیں- شاید اقبال کے نزدیک بچوں کے جذبات کی ترجمانی مردوں سے بہتر، عورتیں کرسکتی ہیں! اسی لیے ان کی نظرِ انتخاب شاعرات کی نظموں پر پڑتی ہے- اقبال کے ہاں انگریزی کے بیشتر شعرا وہ ہیں جو کلاسیکی نہیں، رومانی ہیں- رومانی شعرا نے فطرت نگاری جس حسین و دلکش انداز سے کی ہے، وہ انھی کا حصہ ہے- ادھر ہمیں اقبال کے ہاں بھی بڑی حسین اور دلکش نظمیں فطرت نگاری پر ملتی ہیں- ان نظموں کو پڑھ کر اکثر خیال ہوتا ہے کہ ان کا انداز انگریزی شعرا کے انداز سے کس قدر مماثل ہے- انگریزی ادب کے علاوہ اقبال کی نظر جرمن زبان و ادب پر بھی تھی: چنانچہ ہمیں ان کے ہاں بعض جرمن نظموں کے حوالے ملتے ہیں مثلاً کہیں گوئٹے کا ذکر ہے تو کہیں ہائنے کا-

اقبال کی تلمیحات و اشارات کو دیکھنے کے بعد ایک ہی رائے قائم کرنی پڑتی ہے اور وہ یہ کہ ان کا ایک پیغام ہے، ایک نصب العین ہے- اسی پیغام اور اسی نصب العین کو پہنچانے اور عام کرنے کے لیے وہ تاریخِ عالم کی بعض شخصیات اور تحریکوں کا ذکر کرتے ہیں- ان شخصیات اور تحریکوں میں ہر قسم کی شخصیات اور تحریکیں شامل ہیں-

سیاسی بھی، تاریخی بھی، اخلاقی بھی، ادبی بھی، مذہبی اور فلسفیانہ بھی۔ جہاں، اور جس سے ان کے نصب العین کی تائید ہوتی ہے، اس کو لے لیتے ہیں اور اپنے خونِ جگر کی آمیزش سے ان کے حسن اور افادیت میں اضافہ کر دیتے ہیں، اور جو تحریک یا شخصیت ان کے کام کی نہیں ہوتی، اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ان کا پیغام کم وبیش وہی ہے جو اسلام کا ہے۔ اس پیغام کی نشر واشاعت میں اقبال تمام عمر کوشاں رہے اور بڑی حد تک انہوں نے اس جمود کو ختم کر دیا جس میں برصغیر پاک وہند کے مسلمان ایک عرصے سے مبتلا تھے۔ انہوں نے اپنی شاعری میں انہی اقدار کو زیادہ تر پیش کیا ہے جو خود اسلامی ہیں۔ غیر اسلامی خیالات، عجمی تصورات اور ہندی آب ورنگ کی قدم قدم پر مخالفت کی ہے۔ اس طرح اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے اسلام کے احیا کی سعی کی۔ اس سعی وکوشش میں انہیں جہاں سے جو کچھ ملا، اسے لے لیا اور پیش کر دیا۔ اقبال نے دنیا کی تقریباً تمام شخصیتوں اور تحریکوں سے کم وبیش اپنے مفید مطلب چیزیں اخذ کی ہیں اور ان کو ایک نیا آب ورنگ دے کر، ان میں اپنا خونِ جگر ملا کر اور ان کی تزئین کر کے قوم کو اس سے فائدہ پہنچایا ہے۔ قوم نے اس کی پذیرائی کی ہے، اسے قبول کیا ہے، اس سے اثر پذیر ہوئی ہے اور اس کی بدولت اپنے صحیح مقام کو جاننے کی طرف متوجہ ہوئی ہے۔ یہ ہے اقبال کا وہ عظیم کارنامہ جسے کسی بھی صورت میں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

حوالہ کتب

(برائے اشعار مثنوی)

۱۔ مثنوی مولوی معنوی، مترجم قاضی سجاد حسین، فرید بک اسٹال، اردو بازار، لاہور، (دفتر اول و دوم)۔

۲۔ مثنوی مولوی معنوی، مترجم قاضی سجاد حسین، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار لاہور، (دفتر سوم تا ششم)۔

۳۔ محمد رمضانی، مثنوی معنوی، چاپ خانہء تہران

کتابیات

(کتابیں جن سے اس مقالے کی تیاری میں مدد لی گئی)

کتب انگریزی

1- Afzal, Iqbal: *My Life a Fragment*, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1942.

2- Ameer Ali: *Short History of Saracens*, Macmillan, London, 1927.

3- Andrews, C.F: *Mahatma Gandhis*' Ideas.

4- Arnold, T.W. :*Preaching of Islam*, Archibald Constable, Westminster, 1896.

5- Azim, Husain: *Fazl-i- Husain*, Longman, Bombay, 1946.

6- Bain. A. Watson: *A Poetry Book for Boys and Girls*, Part I.

7- Beale, Thomas : *An Oriental Biographical Dictionary*, Macmillan, London, 1915.

8- Browne, E.G: *A History of Persian Literature in Modern Times*, University Press, Cambridge, 1924.

9- Browne,E.G.:*A Literary History of Persia*,vol II,T.Fisher Unwin, London, 1906.

10- Browne, E.G.: vol. III.

11- Browne, E. G: *Materials for the Study of the Babi Religion*, University Press, Cambridge,1918.

12- Carlton, J.H. Hayes: *World History*,Macmillan, New

York, 1950.

13- *Chambers's Biographical Dictionary*, ed.1950.

14- *Chambers's Encyclopaedia*, London, 1950.

15- Churchill, Sir, Winston: *The Second World War*, Cassell, London, 1951.

16- Creasy, E.S: *History of the Ottoman Turks*, Richard Bentley, London, 1858.

17- Dozy, Reinhart: *Spanish Islam*, Chatto and Windus, London, 1913.

18- *Encyclopaedia Americana*, ed,1947.

19- *Encyclopaedia Britannica* 14th edition.

20- *Encyclopaedia Britannica*, ed 1950.

21- *Encyclopaedia of Islam*, E.J.Brill, Leyden, 1913.

22- *Encyclopaedia of Religion & Ethics*, ed.1908.

23- *Elphinstone's History of India*, vol. II, John Murray, London , 1841.

24- *Eminent Mussulmans*, G.A. Natesan, Madras.

25- Gibbs, H. A.R: *Modern Trends in Islam*, University Press, Chicago, 1950.

26- Grundy, Prof: *Universal History of the World*.

27- Habib, Mohammad (Prof): *Amir Khusrau of Delhi*.

28- Haq,Dr. Syed Moinul: *A Short History of the Delhi Sultanate*, Chand & Co., Delhi.

29- Hastings, James: *Dictionary of the Bible*, T.& T. Clark, Edinburgh, 1909.

30- *Herodotus*, vol.I, Book I, Longman, London, 1854.

31- Hitti, Philip. K: *History of the Arabs*, Macmillan, London,1951.

32- Iqbal, Singh: *The Ardent Pilgrim*.

33- Ishwari Prasad : *Medieval India*, Indian Press, Allahabad, 1928.

34- Jaffar, S.M.: *The Mughal Empire*, Sadiq Khan, Kissakhani Peshawar, 1936.

35- *Jamia Poetry*, Part IV.

36- *Jewish Encyclopaedia*, Funk and Wagnalls, New York, 1901.

37- Joad,C.E.M:*Story of Indian Civilizaion*, Macmillan, London, 1936.

38- Kennedy, J.M: *The Satakas or Wise Sayings of Bhartrihari*.

39- Knight, E.F: *The Awakening of Turkey*, John Milne, London, 1909.

40- Krishnan, Dr. R.:*The Hindu View of Life*,Upton Lectures, Oxford, 1926.

41- Krishnan, Dr. R.: *The Vedanta according to Shankara and Ramanuja*, George Allen, London, 1928.

42- Latif, S.M.: *History of Lahore*, 1892.

43- Lederer, F: *The Secret Rose Garden*.

44- Majumdar, Dr. R.C.: *An Advanced History of India*,

Macmillan, London, 1950.

45- Nicholson, Reynold, A: *A Literary History of the Arabs*, University Press, Cambridge, 1953.

46- O'Leary,DeLacy: *Islam at the Crossroads*, Kegan Paul, London, 1923.

47- Raverty, Major. H.G: *Selection of the Poetry of the Afghans*, Williams & Norgate, London.

48- Romain, Rolland : *Mahatma Gandhi*.

49- Sarkar, Jadu Nath: *Aurangzeb*, M. C. Sarkar & Co, Calcutta,1912.

50- Shibli, Nomani: *Al-Farooq*, translated by Maulana Zafar Ali Khan, vol. I, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore, 1939.

51- *Shorter Encyclopaedia of Islam*, E.J. Brill, Leiden, 1953.

52- Smith R.Bosworth:*Mohammad and Mohammadenism*, John Murray, London, 1889.

53- Sufi, G.M.D. :*Kashir*, University of Punjab, Lahore, 1949.

54- Sykes, Mark :*The Caliphs' Last Heritage*. Macmillan. London, 1915.

55- Sykes, Sir, Percy: *A History of Persia*, Macmillan, London, 1930.

56- *The Cambridge History of India*, vol.III, University

Press, Cambridge, 1937.

57- *The Cambridge History of India*, vol. IV.

58- *The Cambridge History of India*, vol. V.

59- *The Encyclopaedia Indica* (Hindi Edition), vol. 21, Calcutta, 1930.

60- *The Historian's History of the World*, The Times, London, 1907.

61- *The Indian Nation Builders*, Part III, Ganesh & Co, Madras.

62- *The Indian Year Book and Who's Who*,Times of India, 1939-40.

63- *The Indian Year Book & Who's Who*, Times of India, 1945-46.

64- *The International Who's Who*, Europe Publications, London, 1954.

65- *The Poems of Goethe*: Translated by E.A. Bowring, George Bell, London, 1904.

66- *The Practical Sanskrit-English Dictionary*, Gopel Narayan & Co, Bombay. 1912.

67- *The Reader's Encyclopaedia*, Harrap & Co, London,1948.

68- The World's Best Poetry, vol.I

69- Untermeyer, Louis: *The Poems of Heinrich Reine*.

70- Vahid, S.A.: *Iqbal, His Art & Thought*, Sh. Muhammad Ashraf, Lahore.

71- Wallace, C. Caldwell : *The new Popular History of the World*, Greystone Press. New York, 1950.

72- *West-Eastern Divan of Goethe* : Translated by Alexander Rogers, George Bell, London, 1890.

73- Wingate, F.R.: *Mahdiism & the Egyptian Sudan*, ed.1891.

74- Xenophon: *The Persian Expedetion*, Book I, Penguin Books, Middlesex, 1949.

کتب اردو

۱- ابوالکلام آزاد، مولانا، ترجمان القرآن جلد دوم، شیخ مبارک علی، لاہور

۲- اکبر شاہ خان، مولانا، تاریخِ اسلام جلد اول، صوفی دار الاشاعت، منڈی بہاء الدین، ۱۳۴۳ھ

۳- الطاف علی، سید ، حیات حافظ رحمت خان

۴- ایران بعہد ساسانیاں، مطبوعہ انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۴۱ء

۵- بادشاہ حسین، سید، مشاہیر ہند

۶- برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر حضرت مجدد کا نظریہ توحید، مقبول اکیڈمی، لاہور

۷- چنڈی داس، سوانح عمری سوامی رام تیرتھ

۸- تاریخ ادبیات ایران، مترجمہ سید سجاد حسین، مطبوعہ حیدر آباد دکن

۹- تاریخ الحکماء، مترجمہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی

۱۰- تاریخ فلسفۂ جدید، ج ا، مترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم، دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۳۱ء

۱۱- تاریخ فلسفہ جدید، ج ا، مترجمہ ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم، دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ۱۹۳۴ء

۱۲- حالی، الطاف حسین، حیاتِ جاوید

۱۳- حالی، الطاف حسین، حیاتِ سعدی، فرمان علی اینڈ سنز لاہور

۱۴- حالی، الطاف حسین، یادگارِ غالب، شیخ مبارک علی لاہور ۱۹۳۰ء

۱۵- حامد حسن قادری، داستان تاریخ اردو، لاشمی نرائن اگروال، آگرہ، ۱۹۴۱ء

۱۶- حبیب الرحمٰن خان، محمد شیروانی، سیرت الصدیق، قاضی محمد رفیق پرنٹر پبلشر مشین پریس، بجنور

۱۷- حسین احمد مدنی، سید، مولانا نقشِ حیات، جلد اول، مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی

۱۸- حفظ الرحمٰن سیوہاروی، محمد، مولانا، قصص القرآن، ج ۴، ندوۃ المصنفین دہلی، ۱۹۴۳ء

۱۹- حکایت فلسفہ، مترجمہ مولوی احسان احمد، مطبوعہ حیدرآباد دکن

۲۰- حکمۃ الاشراق، مترجمہ مرزا محمد ہادی، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن

۲۱- دوست محمد خان کامل، خوشحال خاں خٹک، ادارۂ اشاعت سرحد، پشاور ۱۹۵۱ء

۲۲- رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر محمد، اضافیت، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی ۱۹۴۰ء

۲۳- ریاست علی ندوی، تاریخ اندلس حصہ اول، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۵۰ء

۲۴- زین العابدین، قاضی، تاریخ ملت جلد سوم، مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی، ۱۹۴۴ء

۲۵- سعید انصاری، مولانا محمد، سیر انصار، حصہ اول، دارالمصنفین، اعظم گڑھ

۲۶- سلیمان ندوی، سید، سیر افغانستان، نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن، ۱۹۴۵ء

۲۷- سلیمان ندوی، سید، تاریخ ارض القرآن جلد اول، مطبع شاہی لکھنؤ

۲۸- سلیمان ندوی، سید، تاریخ ارض القرآن جلد دوم، دارالمصنفین اعظم گڑھ ۱۹۱۸ء

۲۹- سلیمان ندوی، سید، حیات امام مالک، دارالمصنفین اعظم گڑھ، طبع دوم ۱۳۴۰ھ

۳۰- سلیمان ندوی، سید، حیاتِ شبلی، دارالمصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء

۳۱- سلیمان، قاضی محمد، رحمتہ اللعالمین

۳۲- سید احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، مطبوعہ رفاہ عام پریس، ۱۹۰۸ء

۳۳- شبلی نعمانی، الغزالی، اصح المطابع، آسی پریس لکھنؤ

۳۴- شبلی نعمانی، الفاروق، افضل المطابع دہلی ۱۹۲۲ء

۳۵- شبلی نعمانی، بیانِ خسرو، دائرہ ادبیہ لکھنؤ ۱۹۲۲ء

۳۶- شبلی نعمانی، سوانح مولوی روم، الناظر پریس، لکھنؤ

۳۷- شبلی نعمانی، سیرت النبی حصہ اول طبع پنجم، دارالمصنفین اعظم گڑھ

۳۸- شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ۲، دارالمصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۲۰ء

۳۹- شبلی نعمانی، شعر العجم، ج ۲، مطبوعہ مطبع فیض عام، علی گڑھ

۴۰- شبلی نعمانی، شعر العجم، ج سوم، مطبع اصح المطابع، آ سی پریس لکھنؤ، طبع دوم

۴۱- شخصیات نمبر (نقوش)

۴۲- شیخ عبدالقادر، دیباچہ بانگ درا

۴۳- شیخ عطا اللہ، اقبال نامہ حصہ اول، مطبوعہ شیخ محمد اشرف، لاہور

۴۴- شیخ محمد اکرام، آثار غالب، تاج آفس محمد علی روڈ بمبئی، طبع چہارم

۴۵- شیخ محمد اکرام، شبلی نامہ، مطبوعہ تاج کمپنی بمبئی

۴۶- صباح الدین عبدالرحمن، سید، بزم صوفیہ، دار المصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۴۹ء

۴۷- طالب الہ آبادی، اکبر الہ آبادی

۴۸- طفیل احمد منگلوری، سید علیگ، مسلمانوں کا روشن مستقبل، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں، ۱۹۴۰ء

۴۹- عباد اللہ اختر، خواجہ، بیدل، ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور، ۱۹۵۲ء

۵۰- عبدالحلیم شرر، فردوسِ بریں، شیخ برکت علی اینڈ سنز، کشمیری بازار لاہور

۵۱- عبدالرحمٰن جامی مترجمہ مولانا سید احمد علی، نفحات الانس، اردو، ملک فضل دین چنن دین، لاہور

۵۲- عبدالسلام ندوی، مولانا، امام رازی، دار المصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۵۰ء

۵۳- عبدالسلام ندوی، مولانا، اقبال کامل، دار المصنفین اعظم گڑھ

۵۴- عبدالغفار، محمد قاضی، آثار جمال الدین افغانی، انجمن ترقی اردو ہند دہلی، ۱۹۴۰ء

۵۵- عبدالماجد دریابادی، مولانا، تفسیر ماجدی ج اول و دوم، مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور و کراچی

۵۶- عبدالمجید، خواجہ، جامع اللغات، جامع اللغات کمپنی، لاہور

۵۷- عبیداللہ بسمل امرتسری، مولانا، ارجح المطالب، مطبوعہ عالمگیر الیکٹرک پریس لاہور، ۱۳۵۱ھ

۵۸- عزیز، ڈاکٹر محمد، دولت عثمانیہ، جلد اول و دوم، دار المصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء

۵۹- عزیز الرحمن، محمد، صبح صادق، عزیز المطابع الیکٹرک پریس بہاولپور، طبع ثانی، ۱۹۴۳ء

۶۰- عسکری، مرزا حسن، تاریخ ادب اردو، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، بار دوم

۶۱- طاہر فاروقی، محمد، سیرت اقبال، قومی کتب خانہ لاہور، طبع سوم ۱۹۴۹ء

۶۲- غلام دستگیر رشید، آثار اقبال

۶۳- فتح محمد جالندھری، مولانا، فتح الحمید (ترجمہ قرآن مجید)، مطبوعہ تاج کمپنی، لاہور

۶۴- فرید الدین عطار، مترجمہ عنایت اللہ، تذکرۃ الاولیاء اردو، ملک دین محمد لاہور

۶۵- کتابِ مقدس، برٹش اینڈ فارن بائیبل سوسائٹی، انار کلی، لاہور ۱۹۴۷ء

۶۶- کنہیالال، تاریخ لاہور، مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور، ۱۸۸۴ء

۶۷- محمد احمد خاں، اقبال کا سیاسی کارنامہ، مطبوعہ اقبال اکادمی، لاہور

۶۸- محمود خاں بنگلوری، تاریخ سلطنت خداداد (میسور) مطبوعہ کوثر پریس، بنگلور

۶۹- محمود نظامی، ملفوظاتِ اقبال، اشاعت منزل، بل روڈ لاہور

۷۰- مصباح الدین احمد، الہارون، رحمانی پریس دہلی

۷۱- مظاہر حق ترجمہ مشکٰوۃ، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ

۷۲- معین الدین احمد ندوی، شاہ، تابعین، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۳۷ء

۷۳- معین الدین احمد ندوی، شاہ، تاریخ اسلام ج ۲، دار المصنفین اعظم گڑھ

۷۴- معین الدین احمد ندوی، شاہ، تاریخ اسلام جلد سوم، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۳۹ء

۷۵- معین الدین احمد ندوی، شاہ، تاریخ اسلام حصہ چہارم، دار المصنفین اعظم گڑھ

۷۶- معین الدین احمد ندوی، شاہ، خلفائے راشدین، دار المصنفین اعظم گڑھ، ۱۹۴۳ء

۷۷- معین الدین احمد ندوی، شاہ، مہاجرین حصہ اول، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء

۷۸- معین الدین احمد ندوی، شاہ، مہاجرین حصہ دوم، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۳۰ء

۷۹- محمد سعید انصاری، مولانا، سیر انصار، حصہ اول، دار المصنفین اعظم گڑھ

۸۰- محمد حسین آزاد، دربار اکبری، شیخ مبارک علی لاہور، ۱۹۴۷ء

۸۱- نجم الدین سیوہاروی مولانا، سیرت الشافعی، دار الاشاعت مطبع دخانی رفاہ عام لاہور، ۱۸۹۹ء

۸۲- نذیر عرشی، مولانا محمد، مفتاح العلوم، قریشی بک ایجنسی، لاہور

۸۳- نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر جلد اول، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں، ۱۹۲۴ء

۸۴- نظامی بدایونی، قاموس المشاہیر جلد دوم، مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۲۶ء

۸۵- نور الحسن نیر، مولوی، نور اللغات، نیر پریس پاٹانالہ لکھنؤ، ۱۹۲۴ء

۸۶- نظام الدین مجددی، مجدد الف ثانیؒ

رسائل اردو

۱- الہلال،۱۳ نومبر ۱۹۱۲ء

۲- علی گڑھ میگزین ۱۹۳۶ء

۳- مخزن، ۱۹۵۰ء

۴- مخزن، اگست ۱۹۰۲ء

۵- نقوش، شخصیات نمبر

۵- نیرنگ خیال، اقبال نمبر

کتب فارسی

۱- ابن العماد، شذرات الذہب، مکتبہ قدسی، ۱۳۵۰ھ

۲- ابن خلکان، فوات الوفیات، مطبع بولاق، مصر ۱۲۹۹ھ

۳- آذر اصفہانی، آتشکدہ آذر، مطبوعہ بمبئی

۴- آزاد بلگرامی، سرو آزاد، مطبع دخانی رفاہ عام، لاہور، طبع اول، ۱۹۱۳ء

۵- آقای دکتر رضا زادہ شفق، تاریخ ادبیاتِ ایران، مطبع فردین، طہران، ۱۳۱۲ھ ش

۶- بہادر خاں، محمد، نواب بہادر یار جنگ، احسن المسالک، مطبوعہ حیدرآباد دکن

۷- بہارِ عجم، ج ۲، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ

۸- تاریخ فرشتہ، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ

۹- تذکرہ دولت شاہ، شیخ مبارک علی، لاہور بار اول ۱۹۲۴ء

۱۰- جوینی، تاریخ جہانگشائے، مطبع بریل، لیڈن ۱۹۱۱ء

۱۱- دارا شکوہ، سفینۃ الاولیا، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ

۱۲- دہخدا، علی اکبر، کتاب امثال و حکم، چاپ ابن سینا

۱۳- دہخدا، لغت نامہ، چاپ خانۂ مجلس تہران، ۱۳۲۵ خورشیدی

۱۴- دیوان ہلالی، مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ

۱۵- رضا قلی ہدایت، مجمع الفصحا، شائع کردہ میر محمد باقر، تہران ۱۳۹۵ھ

۱۶- سیر الاولیا، مطبع محب ہند، دہلی، شعبان ۱۳۰۲ھ

۱۷- سیر الاقطاب، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ

۱۸- سیر العارفین، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ

۱۹- شاہ عبدالعزیز، بستان المحدثین، مطبع مجتبائی دہلی، ۱۸۹۸ء

۲۰- شرح دیوان امیر المومنین، تالیف میر حسن میبذی، مطبوعہ فخر المطابع لوہارو ۱۲۹۳ھ

۲۱- شمس الدین ذہبی تذکرۃ الحفاظ، دائرہ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۳۴ھ

۲۲- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، مطبع احمدی، بسعی شیخ ظفر علی

۲۳- شیخ محمد اکرام، ارمغان پاک، چاپ خانہ دین محمدی، لاہور

۲۴- طبری، تاریخ بغداد، مطبوعہ پیرس، ۱۹۰۱ء

۲۵- طبقات اکبری، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ

۲۶- عبدالبر الاستیعاب، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، طبع اول ۱۹۲۱ء

۲۷- عبدالقادر بدایونی، ملا، منتخب التواریخ، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ، ۱۳۱۸ھ

۲۸- عماد الدین اصفہانی، دولت آل سلجوق، مطبوعہ موسوعات، مصر ۱۹۰۰ء

۲۹- غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیا، مطبع ثمر ہند، لکھنؤ

۳۰- فرید الدین عطار، مصیبت نامہ، مطبع نور، مشہد ذیقعدۃ الحرام ۱۳۵۵ھ

۳۱- کلیات انوری، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ

۳۲- کلیاتِ دیوان حکیم قاآنی شیرازی، چاپ خانہ علمی، تہران ۱۳۱۸ھ خورشیدی

۳۳- کلیات صائب، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ

۳۴- کلیاتِ غالب، فارسی، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ

۳۵- مآثر عالمگیری، بپٹسٹ مشن پریس، کلکتہ، ۱۸۷۰ء

۳۶- مآثر الامراء، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کلکتہ ۱۸۸۱ء

۳۷- مثنوی معنوی، دفتر اول، سوم، پنجم، مطبوعہ نول کشور لکھنؤ

۳۸- مدرس رضوی، دیوان سنائی

۳۹- محمد اعظم، تاریخ کشمیر اعظمی، مطبع محمدی، لاہور ۱۳۰۳ھ

۴۰- محمد افضل سرخوش، کلمات الشعرا، مطبوعہ مبارک علی، لاہور ۱۹۴۲ء

۴۱ - محمد عوفی، لباب الالباب، جلد دوم، مطبوعہ بریل، لیڈن ۱۹۰۳ء

۴۲ - محمد یوسف علی، روز روشن، مطبع شاہجہانی، بھوپال

۴۳ - مرزا فرصت شیرازی، آثار عجم سپہر، مطبع ناصری، بمبئی ۱۳۱۴ھ

۴۴ - مولوی احمد عبد العزیز نائطی، آصف اللغات، مطبوعہ مطبع عزیز المطابع، حیدر آباد دکن ۱۳۳۶ھ

۴۵ - میدانی، مجمع الامثال

۴۶ - نواب سید صدیق حسن، اتحاف النبلا، مطبع نظامی، کانپور، ۱۳۸۸ھ

۴۷ - نواب سید صدیق حسن، شمع انجمن، مطبع رئیس المطابع شاہجہانی، بھوپال ۱۲۹۳ھ

۴۸ - نور اللہ شوستری، مجالس المومنین، تہران ۱۲۹۹ھ

کتب عربی

۱- ابن ماجہ، اصح المطابع، لکھنؤ ۱۳۱۵ھ

۲- ابن حجر عسقلانی، بلوغ المرام مجتبائی، دہلی ۱۳۴۸ھ

۲- ابن حجر عسقلانی، لسان المیزان، دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن، ۱۳۶۹ء

۴- ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، مطبعۃ السعادۃ، مصر، طبع اول ۱۳۵۱ھ

۵- ابن قتیبہ کتاب الشعر والشعراء، مطبع بریل، لیڈن ۱۹۰۲ء

۶- ابوداؤد، مطبوعہ اصح المطابع، کراچی ۱۳۶۹ھ

۷- ابوداؤد مع عون المعبود، مطبع انصاری، دہلی ۱۳۱۸ھ

۸- احمد حسن الزیات، تاریخ الادب العربی

۹- السیوطی، الجامع الصغیر طبع کردہ مصطفیٰ بابی، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۸ھ (۱۹۲۹ء)

۱۰- امام حنبل، مسند

۱۱- امام شعرانی، طبقات الکبریٰ طبع مصر ۱۲۸۰ھ

۱۲- امام رازی، فضائل شافعی (قلمی)

۱۳- امین بغدادی، سبائک الذہب، شائع کردہ مصطفیٰ محمد، مصر

۱۴- بخاری، اصح المطابع، دہلی ۱۳۵۷ھ (۱۹۳۸ء)

۱۵- تاریخ ابن الاثیر مطبع منیریہ مصر، طبع اول، ۱۳۴۹ھ

۱۶- ترمذی، مطبع مجتبائی، دہلی

۱۷- ثعالبی، مطبوعہ پیرس، ۱۹۰۰ء

۱۸- جمع الفوائد، جلد دوم، طبع میرٹھ

۱۹- حافظ ابن قیم- الجواب والکافی

۲۰- حافظ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، جلد ششم، مطبع السعادۃ بمصر ۱۳۵۸ھ

۲۱- حافظ عبد الرحمٰن سخاوی، المقاصد الحسنہ، مطبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۴ھ

۲۲- حسن السندوبی، شرح دیوان امراء القیس، مطبوعہ قاہرہ

۲۳- خصائص الکبریٰ، دائرۃ المعارف، طبع اول، حیدرآباد دکن

۲۴- سیرۃ ابن ہشام، بہامش الروض الانف

۲۵- شیخ عبد اللہ بستانی، البستان، جلد دوم بیروت، طبع اول ۱۹۳۰ء

۲۶- عبد الرؤف مناوی، کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق بر حاشیہ الجامع الصغیر اسیوطی، طبع کردہ مصطفیٰ بابی، مصر، ۱۳۵۸ھ (۱۹۳۹ء)

۲۷- علامہ ابن الدیبع تمییز الطیب، طبع مصر

۲۸- عون المعبود شرح سنن ابی داؤد، مطبع انصاری، دہلی ۱۳۱۳ھ

۲۹- فتح الباری، جلد ششم، مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۰ھ

۳۰- کتاب الامامۃ والسیاسہ، مطبعۃ الفتوح الادبیۃ مصطفیٰ محمد، مصر

۳۱- کنز العمال جلد دوم، دائرۃ المعارف، حیدرآباد دکن، ۱۳۱۲ھ

۳۲- محمد ابن السید درویش، اسنی المطالب، طبع کردہ مصطفیٰ محمد، مطبوعہ مصر ۱۳۵۵ھ

۳۳- مسلم، جلد دوم، مطبع علیمی، دہلی

۳۴- مسند احمد، جلد اول، مطبوعہ دار المعارف، مصر ۱۹۴۹ء

۳۵- مشکوٰۃ، مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۴۴ھ

۳۶- معالم التنزیل، مطبع حیدری، بمبئی ۱۲۹۵ھ

۳۷- مسعودی مروج الذہب، شائع کردہ مصطفیٰ محمد، مصر ۱۹۴۸ء

۳۸- مصطفیٰ الغلاینی، رجال المعلقات العشر، مطبوعہ بیروت

۳۹- ملا علی قاری، المصنوع فی احادیث الموضوع، مطبع محمدی، لاہور

۴۰- ملا علی قاری، موضوعات کبیر، مطبع مجتبائی، دہلی

۴۱ - مقری، نفع الطیب، مطبوعہ لیڈن

۴۲ - نہج البلاغتہ، حصہ اول، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ بمصر

۴۳ - یاقوت الحموی، معجم البلدان، بمطبعۃ العمادۃ، طبع اول، مصر ۱۳۲۴ھ

۴۴ - یوسف الیان سرکیس، معجم المطبوعات العربیۃ والمعربہ، مطبعۃ سرکیس بمصر ۱۳۴۶ھ

اشاریہ

اسماءالرجال

آ

آدم:

آزاد، ابوالکلام، مولانا:

آزاد بلگرامی، مولانا:

آزاد، محمد حسین، مولانا:

آرتھر کرسٹن سین، پروفیسر:

آرنلڈ، ٹی-ڈبلیو:

آرنلڈ، میتھیو:

آزر:

آسماں جاہ، سر:

آغا خاں، سر:

آفتاب اقبال:

آنحضرتؐ، رسول اللہؐ، رسول پاکؐ، رسول کریمؐ، محمدؐ، مصطفیٰؐ، پیغمبر اسلامؐ، رحمۃ اللعالمینؐ:

آئن سٹائن، ڈاکٹر البرٹ:

آیرین، ملکہ:

الف

ابراہیمؑ، حضرت:

ابراہیم، عادل شاہ:

ابراہیم، قلندر:

ابراہیم لودھی، سلطان:

ابلیس:

ابن اثیر:

ابن الجراح، ابوعبیدہ:

ابن المسیر درویش:

ابن العمار:

ابن بدروں:

ابن حجر عقدانی:

ابن خلکان:

ابن رشد:

ابن سعود:

ابن شاکر:

ابن شداد، قاضی بہاء الدین:

ابن عبد البر:

ابن عبدوں، ابومحمد عبد المجید:

ابن عربی، محی الدین:

ابواسمٰعیل عبد اللہ انصاری:

ابوالعباس احمد المعری:

ابوالعلا احمد بن عبد اللہ:

ابوالعلا معری:

ابوالفضل محمد بن الحسن:

ابوالفیض فیضی:

ابوالہدیٰ، سید محمد:

ابوایوب انصاریؓ، حضرت:

ابوبکر احمد بن علی:

ابوبکر زنبیل، شیخ:

ابوبکر شبلی، حضرت:

ابوبکر صدیقؓ، حضرت:

ابوثور:

ابوجعفر منصور عباسی:

ابوجہل:

ابوداؤد:

ابوذر غفاریؓ، حضرت:

ابوسعیدؓ، حضرت:

ابوسعید خدریؓ، حضرت:

ابوسعید مرزا، سلطان:

ابوسفیان:

ابوطالب:

ابوعبیدؓ ثقفی، حضرت:

ابوعبیدہؓ، حضرت:

ابولہب، عبدالعزیٰ:

ابوہریرہؓ، حضرت:

ابی قتادہؓ:

اتاترک، مصطفیٰ کمال:

اجمل خان، حکیم:

احسان احمد، مولوی:

احمد:

احمد بن حنبل:

احمد حسن الزیات:

احمد رفاعی، شیخ:

احمد سرہندی، شیخ:

احمد شاہ ابدالی:

احمد شاہ درانی:

احمد شریف:

احمد عبدالعزیز، مولوی:

ارجن:

اردشیر:

ارسطو:

ارشد گورگانی، میرزا:

اسپنوزا، ڈکس، ڈی:

اسٹرلیگ فورڈ، لیڈی:

اسحاقؑ، حضرت:

اسرافیل:

اسما بنت عمیس:

اسماعیلؑ، حضرت:

اسمٰعیل، شاہ:

اسمٰعیل فواد:

اشوری پال:

اشوک:

اعظم، محمد:

اعظم، محمد شہزاد:

اعیاس، ملکہ:

افتخار الدین فقیر، سید:

افضل سرخوش، محمد:

افلاطون:

اقبال، علامہ محمد، شیخ، ڈاکٹر:

اکبر الہ آبادی:

اکبر جلال الدین، شہنشاہ:

اکبر حیدری، سر:

اکبر حسین، خان بہادر، سید:

اکرام، شیخ محمد:

البیرونی:

الپ ارسلان:

الہ وردی خاں:

الزبتھ دوم، ملکہ:

الطاف علی، سید:

الفانسو:

الفنسٹن:

اللہ تعالیٰ، خدا، رب:

المستنصر، خلیفہ:

المعتمد باللہ:

المہدی:

امام ابو حنیفہؒ:

امام اشعری:

امام باقر محمد:

امام بن انس:

امام جعفر، ابو عبداللہ:

امام حسنؓ:

امام رازیؒ:

امام رازی فخر الدین:

امام زین العابدینؒ:

امام شافعیؒ محمد ابو عبداللہ:

امام غزالیؒ:

امام مالکؒ، حضرت:

امداد امام، سید:

امرء القیس:

ام کلثومؓ، حضرت:

امیر امان اللہ:

امیر حمزہؓ، حضرت:

امیر خسرو:

امیر علی، سید:

امیر فیصل:

امیر معاویہؓ، حضرت:

امیر مینائی، احمد:

امین الدولہ، شیخ:

امین بغدادی:

امیہ بن خلف:

انڈریاس:

انصاری، ڈاکٹر:

انوری:

اورنگ زیب عالمگیر:

اویس قرنیؒ، حضرت:

ایاز:

ایبک، قطب الدین:

ایڈورڈ براؤن، پروفیسر:

ایڈورڈ ہشتم:

ایڈورڈ ہفتم، شاہ:

ایڈورڈز، یتھم:

ایرج، مرزا:

ایمرسن، رالف، والڈو:

ایوبؑ، حضرت:

ایوبی، سلطان صلاح الدین:

ب

بابر، محمد ظہیر الدین، شہنشاہ:

بادشاہ حسین، سید:

بادشاہ خان:

باقر خاں قزلباش، آغا محمد:

باقر سلمانی، آغا:

بالمیک:

بامداز:

بائرن، جارج گارڈن:

بایزید بسطامی، حضرت:

بایزید، سلطان:

بایزید، سلطان دوم:

بچہ سقہ:

براؤننگ، رابرٹ:

بسمارک، شہزادہ:

بسمل:

بشیر احمد، میاں:

بشیر الدین محمود، مرزا:

بصیری:

بکرماجیت، راجہ:

بلالؓ، حضرت:

بوعلی سینا، ابوعلی الحسین:

بوعلی قلندر:

بولہب:

بہا اللہ:

بہاء الدین ذکریا، شیخ:

بہادر شاہ:

بہادر یار جنگ، نواب محمد بہادر خان:

بہاول خاں، نواب:

بہرام شاہ بن مسعود:

بہمن:

بھرتری ہری:

بھنڈارکر، سر، آر جی:

بیدل، مرزا عبد القادر:

بیراگی، بندہ:

بیکن، فرانسس:

پ

پارتی:

پال سینٹ:

پرشاد، مہاراجہ سرکشن:

پروکومیٹس:

پطرس:

پنڈی داس:

پوپ:

پوران دخت:

پورس:

پیٹرس برگ، سینٹ:

ت

تسلیم:

تشنہ:

تولی خان:

تیج بہادر، سر:

تیمور، امیر:

ٹ

ٹالسٹائے، لیونکولائے وچ:

ٹراٹسکی:

ٹیپو سلطان، فتح علی:

ٹیپو مستان:

ٹینی سن، الفریڈ:

ث

ثعالبی:

ثوبان، حضرت:

ج

جابرؓ، حضرت:

جادوناتھ سرکار:

جارج، پنجم:

جامی، مولانا:

جان جاناں، مرزا مظہر:

جاوید اقبال:

جابہہؓ، حضرت:

جبریل علیہ السلام، حضرت:

جگندر سنگھ، سردار:

جلال:

جلال الدین ابوالحسن، القفطی:

جلال الدین خلجی:

جلال الدین سیوطی:

جمال الدین افغانی:

جمال الدین عرفی:

جمشید:

جناح بیگم:

جناح محمد علی:

جناح، مس فاطمہ:

جنید بغدادی:

جوڈ:

جوزیفس:

جولین، کاؤنٹ:

جوہر، مولانا محمد علی:

جوینی:

جہاندار شاہ:

جہانگیر، شہنشاہ، سلیم الدین:

جین ٹیلر:

چ

چرچل:

چنگیز خان

چیپ سن:

ح

حاتم:

حافظ احمد خان:

حافظ شیرازی، خواجہ:

حالی، مولانا الطاف حسین:

حام:

حامد حسن قادری:

حبیب الرحمٰن شیروانی:

حبیب اللہ، امیر، خاں:

حبیب اللہ قاآنی:

حسام الدین، شیخ:

حسرت موہانی:

حسن بن صباح:

حسن نظامی، خواجہ:

حسین احمد مدنی:

حسین نظیری، محمد:

حفیظ الرحمٰن سیوہاروی، محمد:

حلیم پاشا، سعید:

حمید اللہ خاں:

حوا، حضرت:

حیدر علی:

خ

خاقانی:

خالد برمکی، یحییٰ بن:

خالد بن ولیدؓ، حضرت:

خان خاناں، عبد الرحیم:

خدیجہؓ، حضرت:

خسرو:

خسرو (دوم)

خسرو، ملک:

خضر، علیہ السلام:

خطیب بغدادی:

خلیفہ عبد الحکیم، ڈاکٹر:

خوشحال خاں خٹک:

د

دارا، دوم، سوم:

داراشکوہ:

داغ دہلوی، مرزا:

دانش مشہدی:

داؤدؑ، حضرت:

دوست محمد خاں:

دیمقراطیس:

دینوری:

ڈ

ڈائک:

ڈوئچ ریمیوکل اسکریپتم:

ڈیکارٹ:

ڈیوٹی ما:

ڈیوک، ویمر کے:

ذ

ذوالقرنین:

ذوق، ابراہیم، استاد:

ذوالفقار علی، نواب، سر:

ر

راحیل:

راڈرک:

راس مسعود بیگم:

راس مسعود، ڈاکٹر سر:

رانا سانگا:

رام تیرتھ، سوامی:

رام حیدر:

رستم:

رشید احمد گنگوہی، مولانا:

رضا زادہ شفق، آقائی:

رضا شاہ پہلوی:

رضا قلی ہدایت:

رضا ہمدانی:

رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر:

رکن الدین حسین:

رکن الدین سجاہی، شیخ:

رنگٹن کونزاڈ:

روسو:

رومی، مولانا رومؒ، جلال الدین:

ریاست علی ندوی، سید:

ریاض پاشا:

ریڈنگ، لارڈ:

ز

زرتشت:

زلیخا:

زمخشری، علامہ جار اللہ محمود:

زندہ رود:

زہرہ:

زہیر بن ابی سلمیٰ:

زید الخیل:

زین العابدین، قاضی:

زینبؓ، حضرت:

س

سارلے:

سام:

سامری:

سائرس (ذوالقرنین):

سائمن، سینٹ:

سہیل ابن سعد، حضرت:

ستیش چندر بنرجی، ڈاکٹر:

سجاد حسین، سید:

سحبان:

سخاوی، حافظ:

سراج الدین، نواب:

سرسید احمد خان:

سرمست، سچل:

سری سقطی، حضرت:

سعد انصاری، مولانا:

سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت:

سعدؓ، حضرت:

سعد زنگی:

سعدی شیرازی:

سکندر اعظم:

سلطان احمد، مرزا:

سلطانہ انور، صفیہ:

سلمان فارسیؓ، حضرت:

سلمٰی:

سلیمان اعظم:

سلیمان، قاضی محمد:

سلیمان ندوی، مولانا، سید:

سلیم، سلطان اول:

سموئل راجرس:

سنائی، حکیم:

سنوسی شیخ:

سنہا، لارڈ:

سیڈر پٹوفی:

سوفرا:

سید احمد دہلوی:

سیف الدین، امیر:

ش

شافع بن السائب:

شاپور اول:

شاہ جہان، شہنشاہ:

شاہ حسین:

شاہ عالم:

شاہ عالم ثانی:

شاہ، محمد:

شاہ، محمود:

شاہنواز، میاں محمد:

شاہ ولی اللہ:

شبستری، محمود:

شبلی نعمانی، مولانا، علامہ:

شجاع الدولہ:

شرر، عبد الحلیم:

شرف الدین بوصیری:

شرف النسا:

شریف حسین:

شریف، محمد:

شعیبؑ، حضرت:

شفیع، سر محمد، میاں:

شکر گنج، بابا فرید الدین:

شکری پاشا:

شمس الدین ذہبی:

شمس تبریزی، محمود الدین:

شنکر اچاریہ:

شوپن ہاور:

شوکت علی، مولانا:

شولے:

شہاب الدین، سر:

شہاب الدین سہروردی، شیخ:

شہاب الدین غوری:

شہباز خان:

شہریار:

شہزادہ احمد:

شیث:

شیخ زادہ خراسانی:

شیر شاہ سوری:

شیرویہ بن شہریار، حافظ:

شیریں:

شیفتہ، نواب:

شیکسپیر، ولیم:

شیلنگ:

شیوجی:

ص

صابر اصفہانی:

صادق، میر:

صائب، مرزا محمد علی:

صباح الدین عبد الرحمٰن، سید:

صدیق حسن، نواز سید محمد:

صفدر، سید:

صلاح الدین ایوبی:

صلاح الدین، شیخ:

ض

ضابطہ خاں، نواب:

ضحاک:

ضرار بن الخطاب:

ضیاء احمد بدایونی:

ط

طارق بن زیاد:

طالب الہ آبادی:

طاہر غنی، مرزا محمد:

طاہر فاروقی، محمد:

طبری:

طغرل بیگ:

طفیل احمد منگلوی، سید:

طوسی، نصیر الدین:

طہماسپ دوم:

ظ

ظاہر شاہ، محمد:

ظفر احمد صدیقی

ظفر علی خان، مولانا:

ظہور الدین میاں:

ظہوری، ملا:

ع

عابد حسین، ڈاکٹر:

عالم،میر:

عباداللہ اختر،خواجہ:

عباس سوم:

عبدالاحد فاروقی،شیخ:

عبدالحق،شیخ:

عبدالحکیم سیالکوٹی،ملا:

عبدالحمید خاں،سلطان:

عبدالرحمٰن:

عبدالرحمٰن اول:

عبدالرحمٰنؓ بن ابوبکر،حضرت:

عبدالرحمٰن سخاوی،حافظ:

عبدالروف المنادی:

عبدالسلام ندوی،مولانا:

عبدالصمد،خواجہ:

عبدالعزیز،ابن سعود:

عبدالعزیز،شاہ:

عبدالغفار،قاضی محمد:

عبدالقادر بدایونی،ملا:

عبدالقادر،شیخ،سر:

عبدالکریم بن یحییٰ الجمود:

عبدالکریم،خواجہ:

عبداللہ:

عبداللہ احرار،خواجہ:

عبداللہ بستانی،شیخ:

عبداللہ بن زبیرؓ،حضرت:

عبداللہ بن عمرؓ،حضرت:

عبداللہ بن مسعودؓ:

عبداللہ حصیری:

عبداللطیف:

عبدالماجد دریابادی،مولانا:

عبدالمجید:

عبدالوہاب انصاری:

عبدہ،مفتی محمد:

عبیداللہ بسمل امرتسری،مولانا:

عثمان ابوقحافہ:

عثمان بن مظعون:

عثمان،حضرت:

عثمان علی خاں،میر:

عثمان ہارونی،شیخ:

عدی بن حاتم:

عراقی،شیخ فخر الدین ابراہیم:

عرشی محمد حسین:

عرشی،مولانا محمد نذیر:

عرشی یزدی، ملا:

عرفی:

عزت بخاری:

عزیز محمد،ڈاکٹر:

عزیز احمد:

عزیز الرحمٰن،محمد

عزیز لکھنوی:

عطاء، شیخ:

عطّار، فرید الدین:

عطیہ بیگم:

عقبہ بن نافع:

علاء الدین خلجی:

علی اکبر دہخدا:

علی امام، سر سید:

علی بخش:

علی بن سنوسی محمد:

علیؓ، حضرت مرتضیٰ:

علی شاہ:

علی قاری، ملا:

علی قلی بیگ:

علی محمد وہاب، مرزا:

علیؒ ہجویری، سید:

علی ہمدانی، سید:

عماد الدین اصفہانی:

عماد الملک غازی الدین:

عمادی:

عمر المتوکل ابن الافطس:

عمران، حضرت:

عمر بن سعد:

عمر بن محمد السہر وردی:

عمر خیام:

عمر، شیخ:

عمر فاروقؓ، حضرت:

عمرو ابن کلثوم:

عمرو بن لحی:

عنایت اللہ دہلوی:

عوفی، محمد:

عیسیٰ، حضرت، مسیح، ابن مریم:

غ

غالب، مرزا، اسد اللہ خاں:

غزنوی، محمود:

غلام احمد، مرزا:

غلام السیدین، خواجہ:

غلام حسن:

غلام سرور، مفتی:

غلام قادر خان روہیلہ:

غلام محی الدین:

غنی کشمیری:

غیاث الدین حسن سجزی، سید:

ف

فاتح، سلطان محمد:

فارابی، ظہیر:

فاروق، شاہ:

فاطمہ بنت عبد اللہ:

فاطمہ، حضرت، زہراؓ:

فرج اللہ شوشتری:

فرحت شیرازی:

فرخ سیر:

فردوسی:

فرعون:

فرہاد، کوہکن:

فریدوں، شہزادہ:

فریڈرک، سوم:

فرشتے:

فضل اللہ بن ابی الخیر:

فضل حسین، سر، میاں:

فضیل بن عیاض:

فیثا غورث فلاطوس:

فیراڈے، مائیکل:

فیروزالدین طغرائی، حکیم:

فیلقوس شاہ:

ق

قابیل:

قارون:

قاسم علی خان، میر:

قائم باللہ، خلیفہ:

قباد:

قدسی:

قرۃ العین:

قطب الدین، سلطان:

قمرالدین:

قمی، ملک:

قیس، مجنوں:

قیصر:

ک

کانٹ:

کاوہ (کاوگ)

کبیر:

کرزن، لارڈ:

کرشن، شری:

کرن سنگھ، راجہ:

کعب بن زہیر:

کلیم اللہ، موسیٰ:

کلیم ہمدانی، ابوطالب:

کمال الدین جندی:

کچنر، لارڈ:

کنشک:

کنفیوشس:

کنہیالال:

کوپر، ولیم:

کولمبس، کرسٹوفر:

کومٹ، آگسٹس:

کیخسرو:

کیقباد:

کیکاؤس:

کی کان:

گ

گاندھی، موہن داس کرم چند، مہاتما:

گبنس:

گرامی، غلام قادر، شیخ:

گرنڈی، پروفیسر:

گرونانک:

گوتم بدھ:

گورڈن، جنرل:

گوئٹے:

گیلیلیو:

ل

لاک، جان:

لانگ فیلو:

لبابہ:

لوہانی، محمد بادشاہ:

لیلیٰ:

لینن:

م

ماجوج:

مارٹن، لوتھر:

مارکس، کارل:

مارلے، لارڈ:

مازنی، گی سپ:

مانی، ارژنگ:

مبارک ناگوری، شیخ:

محاسبی، حارث:

محبوب علی خاں، میر

محسن فانی، شیخ:

محمد بن یحییٰ:

محمود حسن، مولانا:

محمود خاں، حکیم:

محمود خاں، بنگلوری:

محمود شاہ، اول:

محمود شہاب الدین، سید، الآلوسی:

محمود نظامی:

مختار احمد انصاری، ڈاکٹر:

مخدوم شاہ مینا:

مدرس رضوی:

مدن موہن مالویہ، پنڈت:

مراد، سلطان:

مرحب:

مردوخ:

مرزا مظہر جان جاناں:

مریمؑ، حضرت:

مزدا:

مزدک:

مستعصم باللہ، خلیفہ:

مسعود اول، سلطان:

مسعود جنگ بہادر، نواب:

مسعود سعد سلمان:

مسعودی:

مصباح الدین احمد:

مصطفٰی الغلاینی:

مظفر علی اسیر، منشی:

معتمد:

معین الدین احمد ندوی، شاہ:

معین الدین چشتی، اجمیری، خواجہ:

مغیرہ بن شعبہ:

مقتدر، خلیفۂ بغداد:

مقری:

ملا زادہ ضیغم لولابی کشمیری:

ملک راج آنند، ڈاکٹر:

ملوح بن فراحم:

ممتاز محل:

منصور حلاّج، حسین بن:

منکر و نکیر:

منوچہر:

منیرہ بانو:

موسیٰ بن نصیر:

موسٰی، حضرت:

مسولینی، بے نی ٹو:

مہدی موعود:

مہدی سوڈانی:

میاں میر (شیخ میر محمد):

میر جعفر:

میر حسن، مولوی، سید:

میر حسن، میبذی:

میر محمد تقی:

میکائیل:

میک ٹیگرٹ:

میکڈونلڈ، پروفیسر:

میکیاولی نکولو:

میمونہؓ حضرت:

ن

نادر شاہ، قلی:

ناصر الدین سبکتگین، سلطان:

ناصر خان، آغا:

ناصر خسرو علوی:

نپولین، بوناپارٹ:

نجف خان:

نجم الدین سیوہاروی، مولانا:

نجم الدین، شیخ:

نجیب الدولہ، نواب:

نذیر احمد دہلوی، مولانا:

نذیر نیازی، سید:

نصیر الدین محمود، خواجہ:

نظام الدین اولیاءؒ، حضرت:

نظامی، بدایونی:

نظامی گنجوی:

نظیری:

نعیم بن عبد اللہ:

نعمت خاں:

نقفور:

نکیر:

نکلسن، ڈاکٹر:

نکولس کوپرنیکس:

نمرود:

نوازش علی خاں:

نوح، حضرت:

نورالدین:

نورالدین، سلطان:

نورالدین عبدالرحمٰن جامی:

نوراللہ شوستری:

نور جہاں:

نور محمد، شیخ:

نوشیرواں:

نیٹشے، فریڈرک ولہم:

نیوٹن:

و

وارڈ، پروفیسر:

واصل خان، حکیم:

وحید الہ آبادی:

وردھن:

ورڈزورتھ، ہنری:

وزیر حسین، سید:

وشِشٹھا:

وشوامتر:

ولید بن عبد الملک:

ولیم بارنس:

ولیم جونز، سر:

ولیم، قیصر:

ویگے ناسٹ:

وین فیلڈ:

ہ

ہاجرہ:

ہادی، مرزا محمد:

ہارون رشید:

ہاشم خان، سردار:

ہالڈنگ، ڈاکٹر ہیرلڈ:

ہامر پرگس تال:

ہائنے، ہائنرش:

ہرش وردھن:

ہرقلس:

ہرمز:

ہرمزد:

ہشام بن عبد الملک:

ہلاکو خان:

ہلالی:

ہمایوں، محمد شاہ دین:

ہمایوں، نصیر الدین:

ہمدانی، سید علی:

ہمدانی، میر محمد:

ہنری چہارم، کنگ:

ہومر:

ہوورث، میری:

ہیسنڈگر، وارن:

ہیگل، جارج ولیم، فریڈرک:

ی

یاجوج:

یافعی، مؤرخ:

یاقوت الحموی:

یحییٰ بن بکیر:

یحییٰؑ، حضرت:

یزدجرد:

یزید ابن معاویہ:

یعقوبؑ، حضرت:

یلدرم:

یوسف الیان سرکیس:

یوسف بن تاشفین:

یوسفؑ، حضرت:

یوسف علی، محمد:

اشاریہ مقامات

آ

آذربائیجان:

آرمینیا:

آسٹریا:

آگرہ:

الف

ابی سینیا:

اٹیلیہ:

اٹک:

اٹلی:

اجمیر:

اجین:

احمد آباد:

اریپا:

اڑیسہ:

اسپین، اندلس:

استنبول، قسطنطنیہ:

اسکاٹ لینڈ:

اسکندریہ:

اشبیلیہ:

اصفہان:

اعظم گڑھ:

افریقہ:

افغانستان:

الور:

الہ آباد:

امرتسر:

امریکہ:

انگلستان:

ایران:

ایشیا:

ایشیائے کوچک:

ایلبا:

ب

بخارا:

بدخشاں:

برصغیر:

برطانیہ:

برما:

برلن:

بصرہ:

بغداد:

بلاطہ:

بلخ:

بلغاریہ:

بمبئی:

بنگال

بوسٹن:

بون:

بہار، صوبہ:

بہاولپور:

بھوپال:

بیت المقدس:

بیجاپور:

بیروت:

پ

پاکستان:

پانی پت:

پٹنہ:

پٹیالہ:

پیسا:

پشاور:

پنجاب:

پور بندر:

پورٹ لینڈ:

پونٹس:

پیرس:

پے ویا، یونیورسٹی:

ت

تاتار:

تبت:

تبریز:

ترکی:

تل ابیب:

تھانیسر:

تہران:

ٹ

ٹانڈہ:

ٹھٹھہ:

ج

جابیہ:

جاپان:

جارجان:

جالندھر:

جبیرہ:

جدہ:

جرمن:

جنیوا:

جوناگڑھ:

جہلم:

چ

چین:

ح

حجاز:

حیدرآباد، دکن:

خ

خانہ کعبہ:

خراسان:

خوارزم:

د

درا:

دمشق:

دہلی:

دیوارِ چین:

ڈ

ڈانزگ:

ڈنمارک:

ز

زابلستان:

ر

راج کوٹ:

رام پور:

رائے بریلی:

روس:

روم:

ریاض:

س

سائبیریا،شرقی:

سرہند:

سعودی عرب:

سمرقند:

سندھ:

سومنات:

سوئٹزرلینڈ:

سہارنپور:

سیالکوٹ:

ش

شام:

شمال مغربی سرحدی صوبہ:

شیراز:

ص

صفا:

ط

طائف:

طبرستان:

طرابلس:

طور:

طوس:

طہران:

ع

عجم:

عدن:

عراق:

عرب:

علی گڑھ:

غ

غرناطہ:

غزہ:

ف

فاراب:

فارس:

فاریاب:

فرات:

فرانس:

فرانک فرٹ:

فلسطین:

ق

قادیان:

قاہرہ:

قرطبہ:

قزوین:

قم:

قندھار:

قنوج:

قونیہ:

قہستان:

ک

کابل:

کاشان:

کاشغر:

کراچی:

کربلا:

کاٹھیاواڑ:

کردستان:

کرمان:

کرنال:

کشمیر:

کوفہ:

کلکتہ:

کوہ البرز:

گ

گجرات:

گوالیار:

گوٹھن:

گوجرانوالہ:

گورداس پور:

گولکنڈہ:

گلاتیا:

ل

لاہور:

لدھیانہ:

لکھنؤ:

لندن:

لیبیا:

م

مادریہ:

مازندران:

ماسکو:

مالٹا:

مالیرکوٹلہ:

مدین:

مدینہ:

مسجد اقصیٰ:

مسجد الحرام:

مشہد:

مصر:

مظفر گڑھ:

مغرب:

ملتان:

منگولیا:

موصل:

میرٹھ:

میسور:

میونخ:

ن

نجد:

نگرکوٹ:

نیشاپور:

نینوا:

و

وینس:

ھ

ہالینڈ:

ہامبرگ:

ہائیڈل برگ:

ہرات:

ہسپانیہ:

ہمدان:

ہندوستان، ہند:

ہنگری:

ہوشیار پور:

ی

یروشلم:

یمن:

یورپ:

یونان:

اشاریہ کتب، رسائل، اخبارات

آ

آبِ کوثر:
آثارِ جمال الدین افغانی:
آثارِ عجم:
آثارِ غالب:
آصف اللغات:
آفتاب دائم:
آئینِ اکبری:
آئینۂ سکندری:

الف

ابرِ کرم:
اپنشدوں:
اتحاف النبلا المتقین باحیاء مآثر الفقہا المحدثین:
احسان:
احسن المبک:
احیاء العلوم:

اخلاق ناصری:

ارجح المطالب:

ارض القرآن:

ارمغان پاک:

ارمغان حجاز:

اساس الاخلاق:

اساس البلاغت:

اساطیری تاریخ:

اسرار خودی:

اسرار الخرق والمونات:

اسنی المطالب:

اعجاز خسروی:

اقبال ریویو:

اقبال نامہ اول، دوم:

اقبال۔نئی تشکیل:

اقلیدس:

اکبرنامہ:

الاسرار الالٰہیہ:

الاستیعاب:

الٰہی نامہ

البستان:

الجواب الکامی:

الرسالہ:

الرعایۃ لحقوق اللہ:

الطہارت فی الحکمۃ عملی:

الغزالی:

الفاروق:

النعمان:

المدینۃ الفاضلہ:

المقاصد الحسنہ:

المنطق بالشعر:

الہارون:

الہلال:

امیر اللغات:

انجیل:

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام:

انسائیکلوپیڈیا امریکانا:

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا:

انشائے فیضی:

اوصاف الاشراب:

ایرانی الٰہیات:

ایران بعہد ساسانیاں:

ب

باقیاتِ اقبال:

بالِ جبریل:

بانگِ درا:

بحر القلوب:

بحر المعانی:

بخاری، صحیح:

برہان احمدیہ:

بزمِ تیموریہ:

بزمِ صوفیہ:

بستان المحدثین:

بوستانِ سعدی:

بہارستان:

بہارِ عجم:

بہامش الروض الانف:

بیانِ خسرو:

پ

پریچنگ آف اسلام:

پس چہ باید کرد:

پندنامہ:

پیامِ مشرق:

ت

تابعین:

تاریخ ابن کثیر:

تاریخ ادب اردو:

تاریخ ادبیاتِ ایران:

تاریخِ اسلام:

تاریخ الادب العربی:

تاریخ الحکما:

تاریخ اندلس:

تاریخ بغداد:

تاریخ جہانکشائے:

تاریخ ذہبی:

تاریخ سلطنتِ خداداد:

تاریخ فرشتہ:

تاریخ فلسفہ:

تاریخ فلسفہ جدید:

تاریخ کشمیر:

تاریخ لاہور:

تاریخ ملت:

تاریخ ہمدان:

تاریخ ہند:

تاریخ یافعی:

تبصرۃ العوام:

تجلیات:

تذکرۃ الاولیا:

تذکرۃ الحفاظ:

ترجمان القرآن:

ترکانِ احرار:

ترمذی:

تزک بابری:

تصوف کی عقیدت واثر:

تغلق نامہ:

تفسیر ماجدی:

تمیز الطیب من الخبیث:

تنقید تصدیق:

تنقید عقل عملی:

تنقید عقل محض:

توالی التاسیس:

توریت:

تہافتہ التہافتہ:

تہذیب الاخلاق:

تیمورنامہ:

ج

جامع اللغات:

جاویدنامہ:

جمع الفوائد:

جیوئش انسائیکلو پیڈیا:

ح

حدیث المعارف:

حسنات العارفین:

حضرت مجدد کا نظریہ توحید:

حق الیقین فی معرفتہ رب العالمین:

حکایتِ فلسفہ:

حکم الرفاعی:

حکمت الاشراق:

حیاتِ جاوید:

حیاتِ جمال الدین افغانی:

حیاتِ سعدی:

حیاتِ شبلی:

خ

خزائن الفتوح:

خزینۃ الاصفیا:

خسرو شیریں:

خصائص کبریٰ:

خلفائے راشدین:

خمسۂ نظامی:

د

داستان تاریخِ اردو:

دانائے راز:

دربارِ اکبری:

دستورِ ہند:

دلیل العارفین:

دنیا میری نظر میں:

دولت آلِ سلجوق:

دی ٹمپسٹ:

دیوانِ ہلالی:

دیوانِ سنائی:

دیوانِ معین:

دیوانِ مولانا روم:

ذ

ر

راحت المحبین:

رامائن:

رجال المعلقات العشر:

رحیق الکوثر:

رسالۃ المالک الرشید:

رسالہ حق نما:

رسالہ شاہد:

رسالہ عشقیہ:

رسالہ قشیریہ:

رسالہ وجودیہ:

رقعاتِ بیدل:

رگ وید:

رموزِ بے خودی:

روزِ روشن:

روشنائی نامہ:

رومیو جولیٹ:

ز

زاد المسافرین:

زبورِ عجم:

زمیندار:

س

سبائک الذہب:

سرِ اکبر:

سرمایہ:

سرمۂ بصیرت:

سروِ آزاد:

سعادت نامہ:

سفر نامہ:

سفینۃ الاولیا:

سکندر نامہ:

سکینۃ الاولیا:

سوانح تزکِ بابری:

سوانح مولوی روم:

سیرِ افغانستان:

سیر الاولیا:

سیر الاقطاب:

سیر انصار:

سیرت ابن ہشام:

سیرتِ اقبال:

سیرتِ الشافعی:

سیرتِ الصدیق:

ش

شاہنامہ (ایران):

شبلی نامہ:

شذرات الذہب:

شرح اشارات:

شرح دیوان امرءالقیس:

شرح دیوان امیر المومنین:

شرح ملاجامی:

شعر العجم:

شنکر اوچے:

شمعِ انجمن:

شواہد النبوۃ:

شیریں خسرو:

ص

صبحِ ازل:

صبحِ صادق:

صحیفۂ زریں:

ض

ضرب الامثال:

ضربِ کلیم:

ضیاالعیون:

ط

طبری:

طبقات:

طبقاتِ اکبری:

طبقات الاطبا:

ع

عروۃ الوثقیٰ:

عشاق نامہ:

علوم القرآن:

علی گڑھ میگزین:

عنصر بیدل:

عون المعبود:

عیون الحکمت:

غ

غرۃ الکمال:

ف

فاؤسٹ:

فتاوۓ عالمگیری:

فتح الباری:

فرہنگ آصفیہ:

فضائل شافعی:

فضل الفواد:

فنون لطیفہ:

فوائد الفواد:

ق

قاموس المشاہیر:

قائد اعظم میری نظر میں:

قرآن پاک، مجید، عزیز، حکیم، کریم:

قران السعدین:

قصص القرآن:

قلم نامہ شرف الدین:

ک

کاشف الحقائق:

کامریڈ:

کائنات بحیثیت خواہش اور تصور:

کتاب الاقدس:

کتاب الامامتہ والسیاسہ:

کتاب الایقان:

کتاب البیان لاحل العیان:

کتاب الحواشی علی القانون:

کتاب الشعر والشعرا:

کتاب الطبقات:

کتاب الطواسین:

کتاب الفنا و البقا:

کتاب المسائل:

کتاب الملوک:

کتاب المناسک:

کتاب امثال و حکم:

کتاب لسان العرب:

کشاف:

کشف المحجوب:

کلیاتِ ابوالمعانی:

کلیاتِ اقبال (اردو)

کلیاتِ اقبال (فارسی)

کلیاتِ دیوان حکیم قاآنی شیرازی:

کلیاتِ شیخ سعدی:

کلیاتِ صائب:

کلیاتِ فردوسیہ:

کلیات قصائد و غزلیات (جامی)

کنز العمال:

کیمیائے سعادت:

گ

گلزارِ داغ:

گلستاں:

گلشن راز:

گنج الاسرار:

گیتا:

ل

لباب الالباب:

لسان المیزان:

لوائح جامی:

لیلیٰ مجنوں:

م

مثنوی رومی:

مثنوی کنز الاسرار:

مجمع البحرین:

مجمع الفصحا:

مخزن:

مخزن الاسرار:

مسدس حالی:

مسلم، صحیح:

مسلمانوں کا روشن مستقبل:

مسند احمد:

مشاہیر ہند:

مشکوٰۃ:

مصیبت نامہ:

مطلع الانوار:

مظاہر حق:

معالم التنزیل:

معجم المطبوعات العربیہ والمعربہ:

مفاتیح الغیب:

مفتاح العلوم:

مقاصد الفلاسفہ:

مقدمہ شعر و شاعری:

مکاشفاتِ یوحنا:

ملفوظاتِ اقبال:

منتخب التواریخ:

منطق الطیر:

منہاج الدین:

موازنہ انیس و دبیر:

موجِ کوثر:

موضوعاتِ کبیر:

موطا:

مہاجرین:

مہتاب داغ:

میٹافزکس آف پرشیا:

میکبتھ:

ن

نعت نامہ:

نفحات الانس:

نفح الطیب:

نقشِ حیات:

نقوش (شخصیات نمبر):

نکاتِ بیدل:

نور اللغات:

نورِ تجلی:

نور جہاں:

نسیم:

نسرین:

نہج البلاغہ:

نہ سپہر:

نیرنگِ خیال، (اقبال نمبر)

ہ

ہشت بہشت:

ہفت پیکر:

ہمایوں:

ہمدرد:

ہندوستان سپیکنگ یونین:

ہیملٹ:

ی

یادگارِ داغ:

یادگارِ غالب:

یاسا:

اشاریہ اصطلاحات

آ

آتش پرستی:

الف

اتحاد اسلام:

اجتماعیت:

اخلاق:

اخلاقیات:

استقرا:

اسلام:

اسلامی تمدن:

اسلامی نظامِ عدل:

اسلامی مملکت:

اشتراکیت:

اشراقیت:

اصلاح دین:

اضافیت نظریہ:

انا الحق:

انقلاب فرانس:

امت:

الہیات:

ایجابیت:

ب

بالشوزم:

بدھ مذہب:

برہمیت:

پ

پروٹسٹنٹ:

ت

تاریخ:

تصور مطلق:

تصوف:

تفسیر:

توحید:

ث

ثنویت:

ج

جدلی عمل:

جمالیات

جمہوریت:

جہاد:

ح

حسّیت:

خ

خدا پرستی:

خودی:

د

دولتِ عثمانیہ:

دینِ الٰہی:

دینیات:

ر

روایت:

ریاضی:

ز

زمانِ مطلق:

زوالِ خلافت:

س

سامی ادب:

سرمایہ داری:

سلسلہ قادریہ:

سنسکرت:

سیاسیات:

ش

شریعت:

ط

طبیعیات:

طبقاتی تضاد:

طبقاتی جدلیت:

ع

عربی اور ایرانی تمدن:

عشق:

عقل:

علم کلام:

علم ہیئت:

عمرانیات:

ف

فاشزم:

فرق اسمٰعیلیہ:

فزکس:

فطرت:

فقہ:

فلسفہ:

فلسفۂ تاریخ:

فلسفۂ حیاتیت:

فلسفۂ قانون و مملکت:

فلکیات:

ق

قومیت:

قیامت:

ک

کائنات:

کیتھولک:

کیمیا:

م

مابعد الطبیعیات:

مجوسیت:

مشابہت:

معرفت:

مصری دیومالا:

مغربیت:

مغرب زدگی:

مغربی تہذیب:

مقام ابراہیمؑ

ملت:

ملت بیضا:

منطق:

مافوق الانسان:

مومن:

ن

نصرانیت:

نفسیات:

نفسیاتی تجزیہ:

نوبل انعام:

و

وجدان:

وجدانیت:

وحدت ادیانِ عالم:

وحدت الوجود:

ولایت:

وہبی تصورات:

ویدانت:

ہ

ہندومت، مذہب:

ہمہ اوست:

ہیئت، علم:

ی

یونانی فلسفہ:

یہودیت: